

آلہ کا کلاسیک

مجموعہ شرفیہ اردو

ترتیب: تہذیب و تہذیب
نیل ارمیڈا اودی

مجلس ترقی ادب لاہور

بہارِ صنائعِ مکین و مکان و بفضلِ خلاقِ زمین زمان

۶۸

اُردو کا کلاسیکی ادب
مجموعہ نشرِ غالب

تقریب، تہذیب و تحشیہ

خلیل الرحمن داؤدی

پیش

مجلسِ ترقیِ ادب ۲، ننگر وارسا روڈ، لاہور
کتاب روڈ

مجموعہ نثر غالب

★

جملہ حقوق محفوظ

طبع اول : نومبر ۱۹۶۷ء

تعداد : ۲۱۰۰

ناشر : سید امتیاز علی تاج ، ستارہ امتیاز

ناظم مجلس ترقی ادب ، لاہور

طابع : ایس۔ ایم شفیق

مطبع : شفیق پریس ، ۲۵ کیپر سٹریٹ ، بیسہ اخبار لاہور

سرورق : مطبع عالیہ ، ۱۲۰/۵ ممہل روڈ ، لاہور

✓ قیمت : سفید کاغذ : آٹھ روپے

اخباری کاغذ : پانچ روپے

فہرست مطالب

جزو اول

رسائل غالب

- ۱ - نکات و رقعات ۱ تا ۵۷
- ۲ - لطائف غیبی ۵۹ تا ۱۲۳
- ۳ - سوالات عبدالکریم ۱۲۵ تا ۱۳۶
- ۴ - نامہ غالب ۱۴۷ تا ۱۷۳
- ۵ - تیرہ تیر ۱۷۵ تا ۲۱۷

جزو دوم

متفرق نثر پارے

- ۱ - دیباچہ "سراج المعرفۃ" ۲۱۹ تا ۲۲۸
- ۲ - دیباچہ "حدائق انظار" ۲۲۹ تا ۲۳۸
- ۳ - دیباچہ "رسالہ قد کیر و تانیث" ۲۳۹ تا ۲۴۳
- ۴ - تقریظ بر کتاب بہادر شاہ ثانی ۲۴۵ تا ۲۵۲
- ۵ - تقریظ بر "گلزار سرور" ۲۵۳ تا ۲۵۸
- ۶ - دیباچہ "انتخاب غالب" ۲۵۹ تا ۲۶۶
- ۷ - خاکمہ "انتخاب غالب" ۲۶۷ تا ۲۶۹
- ۸ - پیش لفظ "خاش و خاش" ۲۷۱ تا ۲۷۶
- ۹ - دیباچہ "دیوان سخن" ۲۷۷ تا ۲۸۲
- ۱۰ - دیباچہ "قصائد مرزا کلب حسین خاں" ۲۸۳ تا ۲۸۸
- ۱۱ - خاکمہ "شعاع سہر" ۲۸۹ تا ۲۹۳

- ۱۲ - 'اردو سے معلیٰ کا حق تصنیف' ۲۹۵ تا ۳۰۰
- ۱۳ - 'سارٹیفکٹ' (جو سید محمد زکریا خان کو دیا گیا) ۳۰۱ تا ۳۰۵
- ۱۴ - 'تصدیق' (انشائے فارسی کے خاتمے پر) ۳۰۷ تا ۳۱۱
- ۱۵ - 'شہادت' (مولوی حیدر علی کے مباحثے سے متعلق) ۳۱۳ تا ۳۱۷
- ۱۶ - 'رائے' (بحث تاریخ گوئی سے متعلق) ۳۱۹ تا ۳۲۷
- ۱۷ - 'عرض داشت بخدمت مہاراجہ الور' ۳۲۹ تا ۳۳۳
- ۱۸ - 'دہلی سوسائٹی کے جلسے میں مرزا کا مضمون' ۳۳۵ تا ۳۴۱
- ۱۹ - 'بیارے لال آشوب سے متعلق ایک تائر' ۳۴۳ تا ۳۴۷
- ۲۰ - 'مرزا غالب کے خود نوشت حالات زندگی' ۳۴۹ تا ۳۵۷
- ۲۱ - 'ازالہ' حیثیت عرفی کی نالش میں غالب کی تحریریں' ۳۵۹ تا ۳۶۸
- ۲۲ - 'دو فارسی شعروں کے مطالب' ۳۶۹ تا ۳۷۳
- ۲۳ - 'مثنوی لواء الحمد پر غالب کی اصلاح کے الفاظ' ۳۷۵ تا ۳۸۰
- ۲۴ - 'موہبت عظمیٰ پر تنقیدی حواشی' ۳۸۱ تا ۳۹۳
- ۲۵ - 'دو نقلیں اور ایک لطیفہ' ۳۹۵ تا ۴۰۲
- ۲۶ - 'مکتوب الیہم کے پتے بخط غالب' ۴۰۳ تا ۴۰۸
- ۲۷ - 'ایک تشریح' (قاطع برہان کے قضیے کے دوران) ۴۰۹ تا ۴۱۳
- ۲۸ - 'مرزا غالب کی آخری تقریر برائے اخبارات' ۴۱۵ تا ۴۲۱

جزو اول

رسائل غالب

نکات و رقعات غالب

مکتبہ کرم چیر فز صمدیہ اور ذابیر کٹر پبلک انٹرکشن مالدیپ

بہار دور سالی نامہ

بہ نجات غالب و قعا غالب



تصنیف جناب بہار سالی

محمد سادہ قلی خان کی بطبع سلی من طبع ہوئی

التماس

خوشہ چین خرمن اہل کمال پیارے لال اسسٹنٹ ماسٹر مدرسہ ضلع دہلی گزارش کرتا ہے کہ درینولا اسد اللہ خان بہادر غالبؒ نے قواعد صرف فارسی میں بزبان اردو کئی ورق لکھے اور چند خط اپنے مجموعہ نثر میں سے، جس کا پنج آغنگ نام ہے، ضمیمہ ان اوراق کے کیے۔ پہلے نسخے نے نکات غالب نام پایا اور دوسری تحریر بہ رقعات غالب موسوم ہوئی۔ جب یہ دونوں رسالے جناب فیض مآب میجر فلر صاحب بہادر کی خدمت میں بھیجے گئے، میجر صاحب کے بھی مقبول نظر ہوئے اور انجمن علمی لاہور میں بھی سزاوار درس و تدریس و شائستہ آفرین و قصین قرار پائے۔ چنانچہ میجر صاحب مدوح نے اس احقر العباد کے پاس بھیجوائے اور حکم دیا کہ ہانسو نسخے چھاپے جائیں، تاکہ مدارس میں پڑھنے پڑھانے کے کام آئیں۔ انصاف یہ ہے کہ جیسا صاحبان مبتدی اس نگارش سے فائدہ

پائیں گے صاحبانِ منتہی بھی لطفِ عبارت و کمالِ تحقیق کا حظ اٹھائیں گے۔

احسانِ خدا کا کہ حضرت ملکِ رفعت جنابِ معلیٰ القاب سر ڈائلڈ مکلوڈ صاحبِ بہادر، کے۔ سی۔ ایس۔ آئی، فرمانِ روائے قلمِ رو و وسیعہ دہلی و پنجاب کے عہد میں قدر دانِ علم و علما جنابِ میجر صاحبِ بہادر کے حکم سے یہ اہتمام اس ذرہٴ بے مقدار کے مطبعِ سراجیہ میں اس کتابِ کثیر المطالب، قلیل الحجم نے حلیہ طبع سے زینت، بلکہ خود چھاپے نے اس کتاب سے رونق پائی۔

ہزار و ہشت صد و شصت و ہفت سالِ مسیح
کہ ماہِ عید و مہِ فروری ہم بود است
کہ اہی نکات گراں ماہِ درخشندہ
ز انطباع خود انوار بہ مطبعِ افزود ست

نکات غالب

بسم اللہ الرحمن الرحیم

آسمان و زمین کے پیدا کرنے والے خدا کو سجدہ اور
خدا کی راہ بنانے والے انبیاء کو درود - پھر اکہتر برس کا
ناتوان آدمی دنیا میں عزت اور عقلمندی میں نجات کا طالب ،
ترک سلجوق اسد اللہ خان غالب کہتا ہے کہ میں کہہ سکتا
ہوں کہ یہ درویش دل ریش فقیر یا کرامت ہے - کرامت
یہ کہ روح تعالیل ہو گئی اور جسم سلامت ہے - اپنا ایک
شعر فارسی مع ترجمہ لکھتا ہوں :

در کشاکش ضعفم نہ گسلد روان از تن
این کہ من نہ می میرم ہم ز ناتوانی هاست

یعنی کثرت ضعف سے روح میں اتنی طاقت نہیں کہ جسم
سے ٹوٹ کر نکل جائے - واقعی ناتوان آدمی کچھ کام کر
نہیں سکتا - میں اتنا ناتوان ہو گیا ہوں کہ مر نہیں سکتا -

نمبر (۱) - اس زمانے سے تیس برس پہلے میں نے اپنی
تئریں جمع کیں اور اس کا پنج آہنگ نام رکھا - 'آہنگ'
لغت فارسی ہے اور اس کے دو معنی ہیں ، قصد و آواز - چونکہ
وہ مجموعہ پانچ باب کا ہے ، یعنی باب کو آہنگ قرار دیا ہے ،

یہ لغت دونوں معنوں کی رو سے بجائے باب سزاوار اور بجا ہے۔ چالیس برس کی عمر میں وہ رسالہ لکھا ہے اور اب اکتیس برس کے بعد یہ ارادہ کیا ہے کہ پنج آہنگ کی چوتھی آہنگ، جس میں فارسی کی صرف کا بیان ہے، اس کا اردو میں ترجمہ کیا جائے، تاکہ وہ اوراق حضور پرنور، قبلہ حاجات اور کعبہ آمال اقام، نائب مسیح علیہ السلام، جامع دانش و داد، امراء کے مربی اور علماء کے استاد، جناب معالی القاب مکلوڈ صاحب بہادر، فرماں روائے ممالک وسیعہ پنجاب، بظاہر نواب لفٹنٹ گورنر بہادر ان کا خطاب اور فی الحقیقت سلطان فلک و خش ہلال رکاب، کے نذر کیے جائیں۔ خدا کرے مجھ ترک جاہل کا بیان حضرت کے پسند آئے اور یہ رسالہ ان کی زبان مبارک سے 'نکات خالص' نام پائے۔

نمبر (۲)۔ اردو آگے مرکب تھا عربی اور فارسی اور ہندی اور ترکی ان چاروں زبانوں سے۔ اب پانچویں زبان، یعنی انگریزی بھی اس میں شامل ہو گئی۔ دیکھو گنجائش اردو کی کہ یہ پانچوں زبانوں کی کس لطف سے حاوی ہوئی ہے اور یہ زبانیں اس میں کس طرح سما گئی ہیں کہ کوئی زبان اوہری نہیں معلوم ہوتی۔ یہ بھی جاننا چاہیے کہ 'ے' اور 'جیم' اور 'زے' اور 'کاف' عربی اور فارسی دونوں زبانوں میں آتے ہیں، مگر یہ چاروں حرف فارسی میں یہ تغیر لہجہ ایک صورت خاص پاتے ہیں اور اس صورت میں 'ے' کے اور 'جیم' کے تلمے اور 'زے' کے اوپر تین تین نقطے دئے جاتے ہیں اور 'کاف' ہر دو مرکز لگاتے ہیں اور مشنات فوقانی یعنی 'ے' اور 'دال' اور 'رے' یہ تین حرف انگریزی زبان میں ایک شدت کے ساتھ لائے جاتے ہیں۔ وہاں

’ئے‘ پر دو نقطے اور بڑھاتے ہیں اور ’دال‘ اور ’رے‘ پر طوئے چھوٹی سی بناتے ہیں۔

نکتہ : فقیر حقیر کو اس تحریر سے آن صاحبان انگریز کی خدمتگزاری مراد ہے جو ولایت سے تشریف لائیں اور فارسی اور اردو کو اچھی طرح نہ جانتے ہوں۔ پس اب ضرور آہڑا ہے کہ لغات مشکل کم تر درج کروں، بلکہ الفاظ زبان زد عوام سے کام لوں۔ مثلاً فوقانی کو ’ئے‘ اور تحتانی کو ’ے‘، حائے حطی کو بڑی ’ح‘ اور ہائے ہوز کو چھوٹی ’ہ‘، موحلہ کو ’ے‘ اور زائے قرشت کو ’رے‘ اور زائے ہوز کو ’زے‘، طائے نقطہ دار کو ’ظوئے‘ اور طائے بے نقطہ کو ’طوئے‘ لکھوں۔ اپنی عبارت فارسی کا لفظ بہ لفظ ترجمہ نہ کروں گا۔ مطالب مندرجہ فارسی مطابق روزمرہ اردو درج کر دوں گا۔ اب لمبر ممبر نہ لکھوں گا اور مطابق اصل کتاب کے ہر مطلب کو نکتہ تعبیر کروں گا۔

نکتہ : مبتدی کی سہولت فہم کے واسطے تعلیم کے دو (۲) دستور مقرر کیے ہیں۔ ’مصدر‘ اور ’مضارع‘۔ ’مصدر‘ سے ماضی اور مفعول کا صیغہ پیدا ہوتا ہے اور ’مضارع‘ سے فاعل اور امر نکلتا ہے۔ مصدر فارسی کے آخر ’نون‘ کے سوا دوسرا حرف نہیں ہوتا اور ’مصدوری نون‘ سے پہلے ’دال‘ اور ’ئے‘ کے سوا تیسرا حرف نہیں آتا؛ جیسے ’کردن‘ اور ’گفتن‘

نکتہ : ’مضارع‘ مانند مصدر کے کسی سے نہیں بنتا اور اپنی ہستی کے واجب ہونے میں مصدر سے کم نہیں۔ ہاں ’مصدر‘ اول ہے اور ’مضارع‘ ثانی۔ پس اس کو مصدر سے اتنا علاقہ

ہے جتنا موجود ہونے میں ثانی کو اول سے اور گئے جانے میں دو (۲) کو ایک سے ، اور مصدر کی طرح مضارع کی ذات میں سے بھی افعال پیدا ہوتے ہیں ۔ آخر ہر مضارع کے ’دال‘ ہے اور مضارع کی ’دال‘ سے پہلے حرف کی قید نہیں ، اکثر حروف تہجی آتے ہیں ۔

نکتہ : مصدر میں سے جب ’مصدوری‘ (نون) کم ہو جائے تو ماضی کا صیغہ بن جاتا ہے ، جیسا کہ ’کردن‘ سے ’کرد‘ اور ’گفتن‘ سے ’گفت‘ ۔ چونکہ ’مصدوری‘ (نون) سے پہلے یا ’دال‘ ہے یا ’ئے‘ ، البتہ ماضی صیغے کے آخر یا ’دال‘ ہوگی یا ’ئے‘ ۔ یہ بھی سمجھ لینا چاہیے کہ میں نے ’کردن‘ اور ’گفتن‘ کو مثال ٹھہرا لیا ہے ورنہ یہ قاعدہ ہر مصدر اور ماضی پر جاری ہے ۔

نکتہ : ماضی کے صیغے کے آخر جب ہوز کی ’ہ‘ بڑھائی جائے تو مفعول کا صیغہ پیدا ہوتا ہے ، جیسا کہ ’کرد‘ سے ’کردہ‘ اور ’گفت‘ سے ’گفتہ‘ اور یہ صیغہ جب دو فعلوں کے بیچ میں آتا ہے تو پہلے فعل کے اتمام اور دوسرے فعل کے قصد کے معنی دیتا ہے ، جیسا کہ ’حاضری خوردہ‘ بہ کچھری خواہم رفت‘ ، حاضری کیا کر کچھری کو جاؤں گا ۔

نکتہ : اسم فاعل مضارع سے بنتا ہے ۔ قاعدہ اس کا یہ کہ جو حرف مضارع ’دال‘ سے پہلے ہے اس کو ’دال‘ سے جدا کریں اور مکسور کر کے ، یعنی ’زہر‘ دے کر ’نون‘ سے ملائیں اور مضارع کی ’دال‘ کے آگے ایک چھوٹی ’ہ‘ لائیں ، جیسا کہ ’کند‘ سے ’کندہ‘ اور ’گوید‘ سے ’گویندہ‘ ۔

یہاں اس کا بھی اظہار ضروری ہے کہ اگر صیغہ فاعل کے آگے 'الف نون' جمع کا آ جائے تو آخر کی 'ہے' کو 'کف پارسى' بنائیں ، جیسا کہ 'گویندہ' کی جمع 'گویندگان' اور 'کنندہ' کی جمع 'کنندگان' اور اگر 'ہے' اور 'الف جمع' کا آئے تو 'کنندہ ہا' اور 'گویندہ ہا' فرمائیں ، اور اصل 'ہے' کو کتابت میں نہ مٹائیں ۔

نکتہ : امر مضارع سے پیدا ہوتا ہے اور ضابطہ اس کا گرا دینا 'دال' کا ہے ، جیسا کہ 'کنند' سے 'کن' اور 'گویند' سے 'گوی' ۔ یہاں اس کا بھی ظاہر کرنا ضروری ہے کہ جس امر کے آخر 'ی' ہو اس کو بغیر 'ی' کے بھی استعمال کرتے ہیں، جیسا 'بگوی' کہ 'بگو' بھی درست ہے اور یہ حکم ان سب امروں کے صیغوں پر جاری ہو سکتا ہے جن کے آخر 'ی' ہے ۔

نکتہ : صیغہ ماضی اپنی صورت پر ہے اس کے کہ کوئی اور حرف اس سے ملایا جاوے مصدر کے معنی دیتا ہے ، جیسے 'کرد' بمعنی کردار اور 'گفت' بمعنی گفتار ۔

نکتہ : مضارع بھی جب تک اپنی صورت اصلی پر ہے اور معنی نہیں دیتا مگر جب ایک 'الف' اور اس کے بیچ میں لائیں گے تو دعا کے معنی دے گا ، جیسا کہ 'کنند' کے معنی 'کرے' اور 'کنناد' کے معنی 'کیجیو' ، اور یہ جو 'ہاد' بمعنی 'ہو جیو' کے مستعمل ہے دراصل 'بودن' کا مضارع ہے ، 'بود' ۔ کو پیش اور 'واؤ' کو زہر ۔ اہل زبان نے 'واؤ' کو کم کر دیا اور وائے زہر 'ے' کو دیا 'ہاد' رہ گیا اور یہ جو 'ہاد' بمعنی ہوا آتا ہے ، دوسرا لغت ہے اس

بحث سے جدا ۔

نکتہ : امر کے آگے جب 'ہیں' آئے گا تو وہ امر معنی مصدری دے گا ، جیسے 'آراہش' اور 'آسائش' ، بلکہ خود امر بے آنے 'ہیں' کے بھی بمعنی مصدر آتا ہے ، جیسے 'سوز' بمعنی 'سوزش' اور 'گداز' بمعنی 'گدازش' اور 'شتاب' جو امر ہے 'شتابتن' کا 'شتاب' میں سے نکلا ہوا ۔ پس لازم تھا کہ 'دوڑ' کے معنی دیتا ، مگر جلدی کے معنی پر اس قدر مستعمل ہو گیا ہے کہ اگر بمعنی امر آئے گا تو ایک 'بے' اس کے اول میں لائیں گے اور 'ہشتاب' بولیں گے اور لکھیں گے اور یہی حال ہے 'سوز' اور 'گداز' بلکہ سب امر کے صیغوں کا کہ بمعنی امر کے بغیر 'بے' کے مستعمل نہیں ، جیسے 'ہسوز' اور 'ہگداز' ، 'ہیا' و 'ہرد' ۔

نکتہ : امر کے آخر جب الف آئے گا تو وہ امر فاعل کے معنی پائے گا ، جیسے 'گوبا' کہنے والا اور 'دانا' جاننے والا ، 'جوبا' ڈھونڈنے والا ، 'رسا' پہنچنے والا ۔ امر کے صیغے سے پہلے جب ایک اسم آئے گا تو وہ امر فاعل بن جائے گا ، جیسے 'کارکن' کام کرنے والا اور 'سخن گوئے' بات کہنے والا ۔

نکتہ : بعض مصدر ایسے ہیں جن کا مضارع نہیں ۔ پس جب مضارع نہ ہوگا تو فاعل اور امر نہ ہوگا ، جیسے 'ہرشتن' بھوننا او ، 'خستن' زخمی ہونا ۔

نکتہ : بعض مصدر ایسے ہیں کہ معنی فعل لازمی بھی دیتے ہیں اور بمعنی فعل متعدی بھی آتے ہیں ۔ ایک ان

مصدروں میں سے ہے 'خستن' کہ 'زخمی ہوئے' اور 'زخمی کرنے' کے معنی دیتا ہے۔ 'سوختن'، 'جلنا' اور 'جلانا'، 'آسوختن'، 'سیکھنا اور سکھانا'۔ معلوم کرنا چاہیے کہ فعل لازمی اس کو کہتے ہیں جس کا فاعل نہ ہو، جیسا 'ہونا' اور فعل متعدی وہ جس کا فاعل ہو، جیسا 'کرنا'۔

نکتہ : بعض مصدر ایسے ہیں کہ ان کے مضارع میں سے ایک اور مصدر نکلتا ہے۔ قاعدہ اس کا بیچ میں لانا 'ی' کا اور آخر میں بڑھانا 'نون' کا، جیسے 'سختن'، 'تولنا'، اس کا مضارع 'سنجد' اس میں سے نکلا ہوا مصدر 'سنجیدن'۔ پس 'سختن' مصدر اصلی ہے اور 'سنجیدن' مصدر مضارعی۔ 'گشتن' دو مرکز کے کاف کے زیر سے مصدر اصلی، اس کا مضارع 'گردد' اور مصدر مضارعی 'گردیدن'۔ معنی وہی جو 'گشتن' کے ہیں، 'ہونا اور پھرنا'۔ یہ بھی یاد رہے کہ مضارع میں سے جو مصدر بنتا ہے اس کو دوسرا مضارع اور دوسرا اس نہیں دیتے۔ وہی 'سنجد' مضارع اور 'سنج'، 'امر'، 'گردد' مضارع اور 'ہگرد'، 'امر'۔

نکتہ : جس فعل لازمی کو متعدی بنایا چاہیے، چاہیے اس کے مضارع کو لیں اور جو حرف کہ مضارع کی 'دال' سے ملا ہوا ہے اس کو 'دال' سے جدا کر کے اس کے آگے 'الف نون'، 'بڑھائیں اور مضارع کی 'دال' کے آگے لکھ دیں، جیسا 'گردد' کہ اس صورت میں گردانیدن، ہو جائے گا اور کرنے اور پھرانے کے یعنی گردش میں لانے کے معنی دے گا۔ اسی طرح سے 'رسد' سے 'رساندن' اور 'چشد' سے 'چشانیدن' بناتے ہیں اور یہ جو 'گردانیدن' و 'رسانیدن' و 'چشانیدن' لکھتے ہیں، یہ بھی جائز ہے۔

نکتہ : 'نون' ننی کے واسطے ہے ۔ جس صیفی کے اول میں آئے گا ننی کے معنی دے گا ، لیکن صیفی امر کے واسطے خواہی مفرد ہو اور خواہی جمع 'نیم' مستعمل ہے ، جیسا کہ 'مکن' اور 'مکنید' اور اس 'نیم' کو 'نہی' کا 'نیم' کہتے ہیں ۔

نکتہ : جس 'الف' پر مد ہوتی ہے جیسا کہ 'آمدن' اور 'آوردن' میں ہے ، عربی میں اس کو 'الف مدودہ' کہتے ہیں اور فارسی میں 'دو الف' اعتبار کرتے ہیں ۔ پس جب کہ ایسے صیفی پر موحده یعنی 'ے' لائیں گے جس کے اول 'الف مدودہ' ہوگا ، چونکہ وہ 'الف' فارسی میں 'دو الف' گنا جاتا ہے تو پہلے 'الف' کو 'ے' بنا دیں گے ، جیسا کہ 'ہیا' اور 'ہیار' ۔

نکتہ : مصدر اصلی اور مصدر مضارعی کا حال ہم اوپر لکھ آئے ہیں ۔ اب ایک اور طرح کے مصدر کا ذکر کیا جاتا ہے جس کو 'وضعی' اور 'مصنوعی' کہتے ہیں ، یعنی لغات میں سے ایک لغت جس کو عربی میں اسم جامد کہا جائے لے لیتے ہیں اور اصلی مصدروں کے مانند تقطیع کرتے ہیں ، جیسے 'خواب' سے 'خوابیدن' اور 'آرام' سے 'آرامیدن' ، 'شکوہ' سے 'شکوہیدن' اور 'شکار' سے بعد کم کرنے 'الف' کے 'شکریدن' اور 'شکردن' ۔ 'خوابیدن' کے معنی 'سونا' ، 'آرامیدن' کے معنی آرام کرنا ، 'شکوہیدن' کے معنی رعب میں آنا ، 'شکریدن' اور 'شکردن' کے معنی شکار کرنا ۔ بلکہ فارسی والوں نے لغات عربی پر بھی یہ قاعدہ جاری کر دیا ہے ، جیسا کہ 'طلب' سے 'طلبیدن' اور 'فہم' سے 'فہمیدن' ۔

نکتہ : عربی میں اوزان معین اور قواعد مقرر ہیں اور وہ اوزان اور وہ قواعد کلیہ ہیں۔ فارسی میں یہ باتیں کہاں ! اس کا کمال منحصر ہے اہل زبان کی پیروی میں، ساعت پر مدار رکھے اور قیاس کو دخل نہ دے۔ نظیر پر تکیہ کر کے لفظ بتانے کا قصد نہ کرے۔ دیکھو ماضی کے صیغے کے آگے 'الف رے' آجائے تو مصدری معنی پیدا ہوتے ہیں جیسے 'رفتار' کے معنی چال اور 'گفتار' کے معنی بات۔ پھر یہی 'الف رے' ہے کہ ماضی کے صیغے کے آگے آکر فاعل کے معنی دیتا ہے۔ 'فروختار' بیچنے والا اور 'خریدار' مول لینے والا 'پرستار' بوجنے والا، 'ہزیرفتار' قبول کرنے والا 'مسودار' دکھلائی دینے والا۔ یہی 'الف رے' ماضی کے صیغے کے ساتھ مفعول کے معنی پر آتا ہے، جیسے 'گرفتار' پکڑا ہوا یعنی محبوس، 'کشتار' ایک مرکز کے کاف سے جان سے مار ڈالا ہوا یعنی متول 'مردار' مرا ہوا یعنی 'میت'۔ غرض اس بیان سے یہ ہے کہ یہ مرکب الفاظ ہم نے اہل فارس کی عبارت میں پائے ہیں کہ ان تینوں معنوں پر آئے ہیں۔ پس چاہیے کہ ان کو ہم اپنی عبارت میں لائیں اور نظیر کے بھروسے پر 'آمدار' اور 'آوردار' اور 'ساختار' اور 'سوختار' نہ بنائیں۔

نکتہ : اب ہم مجموع مصدروں کا بیان نہ کریں گے۔ بہت سی کتابیں ایسی ہیں جن میں مصدر مع معنی لکھ دیے ہیں۔ پڑھنے والے صاحب ان رسالوں میں دیکھ لیں۔ مگر ان مصدروں کا لکھنا ضرور ہے جس کے تحت میں کوئی بحث ہو۔

نکتہ : آوردن 'لانا'، آورد 'لایا'، آوردہ 'لایا ہوا'۔ اس

۔ صدر کے دو (۲) مضارع اور دو فاعل اور دو (۲) امر ہیں۔
 آورد، آورنده، آور، دوسرا مضارع آورد، آورنده، آر، جیسا کہ
 سعدی 'گلستان' میں لکھتا ہے :

بندہ ہاں بہ کہ ز تقصیر خویش عذر بہ درگاہ خدا آورد ۔
 'آرد' جیسا کہ حافظ کی غزل میں ہے :

اے صبا نکلتے از کوئے فلانے بمن آر
 زار و بیمار غم راحت جانی بمن آر
 'آر' صیغہ امر کا ہے 'آرد' میں سے نکلا ہوا ۔

نکتہ : بخشیدن اور بخشودن کے ایک معنی ہرگز نہیں ہیں ۔
 بخشیدن 'دینا' اور 'گناہ معاف کرنا' ۔ اس کا فاعل 'بخشنده'،
 اور امر 'بخش' ۔ بخشودن 'رحم کرنا'، اس کا مضارع 'بخشاید'،
 اور فاعل 'بخشاینده' اور امر 'بخشای' جیسا کہ سعدی کہتا
 ہے ، مشہور ہے یہ مصرعہ : "کریمیا بہ بخشای بر حال ما"،
 یعنی رحم کر ہمارے حال پر ۔

نکتہ : افشردن کے تین معنی ہر ، ، بھینچنا اور ٹھوڑنا اور
 جہاں قدم یا پاؤں کے ساتھ آوے تو مضبوط اور مستحکم
 کرنے کے معنی دیتا ہے ۔ اس کا مضارع 'افشرد' ، لیکن اس
 مضارع سے فاعل اور امر نہیں نکالتے ۔ دوسرا مضارع 'افشارد'،
 دیگر اس میں سے فاعل 'افشارنده' اور امر 'افشار' نکالتے ہیں ۔
 یہ بھی معلوم کرنا چاہیے کہ یہ بحث یعنی 'افشردن'، 'افشردہ'،
 'افشرد'، 'افشارد'، 'افشار'، ان سب لفظوں کو بے 'الف' بھی
 لکھتے ہیں ، یعنی فشردن ، فشرده ، فشرد ، فشارد ، فشار ۔

نکتہ : یہی حال ہے ہودن کا جس کا مضارع ہے 'ہود'،

’ے‘ کو پیش اور ’واؤ‘ کو فتحہ۔ اس مضارع میں سے فاعل اور امر نہ نکالا۔ ایک مضارع، یعنی ’باشد‘ اس کو دے کر اس میں سے فاعل اور امر نکالا، ’باشندہ‘ رہنے والا۔ ’باش‘ رہ۔

نکتہ : افروختن بمعنی روشن کرنے کے، افروخت ماضی، افروخته مفعول، افروزد مضارع، افروزندہ فاعل، افروز امر۔ واضح ہو کہ مضارع کی بحث بغیر الف کے بھی آتی ہے، یعنی افروزد، افروزندہ، افروز۔ مصدر کی بحث میں الف کا گرا دینا جائز نہیں۔ کس واسطے کہ افروختن، افروخت، افروخته ایک اور بحث ہے اور اس کے معنی ہیں ’پہچنا‘۔

نکتہ : خفتن بمعنی سونے کے مصدر اصل اور اس کا مضارع ’خسید‘ اور مضارعی مصدر ’خسیدن‘۔ اس مصدر کا مضارع ’خوایدن‘ نہیں ہے۔ وہ اسی خوایدن کا مصدر ہے جس کو خواب سے بنائیں اور اسی طرح ’خفتد‘ مضارع اور ’خفت‘ امر نہیں اور اگر کسی شاعر نے واسطے ضرورت کے ’گفت‘ یا ’مفت‘ کے ساتھ ’خفت‘ کو قافیہ کیا ہو اور ’سورہ‘ اس کے معنی لیے ہوں تو ہر جگہ اس کے استعمال کی اجازت نہ ہوگی، کس واسطے کہ ضرورت ناچاری کو کہتے ہیں، کسی قاعدے اور دستور کا نام نہیں۔

نکتہ : پیراستن مانند آراستن کے سنوارنے اور بنانے کے معنی پر آتا ہے، لیکن اتنا فرق ہے کہ ’پیراستن‘ اس بنانے اور سنوارنے کو کہتے ہیں جس میں کچھ کترا جائے، کچھ کم کیا جائے، جیسے سرو کی ٹہنیاں کتری جائیں یا مہندی کی ٹہیاں بنائیں یا میدان میں گھاس کو قینچی سے برابر کتر دیں۔

جیسا کہ فردوسی ایک رباعی میں کہتا ہے :

رباعی

گر عیب سر زلف بت از کاستن هست
چہ جائے بغم نشستن و برخاستن است
رقت طرب و نشاط و مے خواستن است
کاراستن مسرور ز پیراستن است

اس رباعی سے یہ فائدہ بھی حاصل کرنا چاہیے کہ 'خاستن' بغیر 'واؤ' کے اٹھنے کے معنی پر آتا ہے ، مضارع اس کا 'خیزد' اور 'خواستن' مع واء کے چاہنے کے معنی دیتا ہے ، مضارع اس کا 'خواهد' ۔

نوٹ : تہذیب تڑپھنے اور گرم ہونے کے معنی پر 'ے' سے ہے ، 'طوئے' سے اس کو نہ لکھا چاہیے ۔ کس واسطے کہ 'طوئے' حرف عربی ہے اور 'پے' تین نقطے والی فارسی ہے ۔ 'طوئے' فارسی میں نہیں اور 'پے' عربی میں نہیں ۔ پس ایک حرف فارسی اور ایک حرف عربی ، یہ ترکیب کیوں کر جائز ہوگی ؟ اور اسی طرح 'ہزیرتن' کو 'ذال' سے نہ لکھا چاہیے ، اس واسطے کہ 'پے' تین نقطے والی فارسی اور 'ذال' نقطہ دار عربی ۔ 'پے' عربی میں نہیں اور 'ذال' فارسی میں نہیں ۔ اگر کہا جائے کہ 'خدمت گزار' اور 'خدمت گزار' ، 'نصیحت کر' اور 'غضب فاک' اور ایسے بہت لفظ ہیں عربی اور فارسی لغت سے مرکب ۔ پس کیا یہ سب غلط ہیں ۔ جواب یہ ہے کہ 'خدمت' اور 'نصیحت' اور 'غضب' یہ تین لفظ عربی اور 'گزار' اور 'کر' اور 'فاک' یہ چار لفظ فارسی ہیں ۔ لفظ کو لفظ سے ترکیب دے سکتے ہیں اور 'طوئے' اور 'ذال' اور 'پے' یہ حرف ہیں ۔ حرف

آپس میں مل کر لفظ بن جاتے ہیں۔ پس ایک حرف عربی اور ایک حرف فارسی، ہر دو ترکیب درست نہیں۔

نکتہ: حرف سے کلام املا میں آ پڑا ہے، بقدر ضرورت اس کی شرح کی جاتی ہے۔ ’صد‘ بمعنی ’سو‘ کے اور ’طراز‘ بمعنی ’نقش‘ کے دونوں لفظ فارسی ہیں۔ پس چاہئے کہ ’صد‘ سین سے اور ’طراز‘ ’ئے‘ سے لکھیں، مگر چونکہ ’صد‘ میں ’صاد‘ کے آگے دال ہے، اور ’طراز‘ میں ’طوئے‘ کے آگے ’رے‘ اور ’الف‘ اور ’زے‘ ہے، اور یہ چاروں حرف یعنی ’ال‘، اور ’زے‘، اور ’الف‘ اور ’زے‘ دونوں زبانوں میں مشترک ہیں، یعنی عربی میں بھی اسی طرح آتے ہیں اور فارسی میں بھی یوں ہی لکھے جاتے ہیں۔ البتہ اس امر میں مضائقہ نہ کیا چاہئے، لیکن شست بمعنی تین برسے جس کو ہندی میں سالہ کہتے ہیں یہ ’صاد‘ سے کبھی نہ لکھا جائے گا۔ اس واسطے کہ شعراء نے ہزار جگہ ’مست‘ و ’مست‘ سے اس کا قافیہ کیا ہے، جیسا کہ مولوی روم کے ایک شعر میں ہے:

بے خطامی جست تیر از شست او

شست او شاگرد چشم مست او

بھلا ایک مصرعے میں ’صاد‘ اور ایک مصرعے میں ’سین‘ یہ کیوں کر جائز ہو گا۔

نکتہ: اب ہم بحث الفاظ چھوڑ کر مصدریوں کا ذکر پھر شروع کرتے ہیں۔

گذاشتن بمعنی چھوڑنے کے اور رکھنے کے، گزارد

مضارع ، گزار امر ، اور گزشتن بمعنی گزرنے کے ۔ یہ دونوں مصدر اور ان کے سبب صنفے 'زے' سے لکھنے چاہئیں ۔ سبب وہی جو 'ہزہ رفتن' میں بیان ہو گیا ہے ۔ وہاں 'ے' تین نقطے والی فارسی اور 'ذال' ایک نقطے والی عربی ۔ یہاں دو مرکز والا 'کاف' فارسی اور 'ذال' نقطہ دار عربی ۔

نکتہ : غلطیدن بمعنی لوٹنے کے 'طوئے' سے غلط ، بلکہ غلطیدن اس صورت سے صاف غلط کرنے کے معنی دیتا ہے ، جیسا طلبیدن طلب کرنا اور فہمیدن فہم کرنا ۔ حق یہ ہے کہ غلطیدن 'طوئے' سے لکھنے کی نہ کوئی وجہ ہے نہ کوئی ضرورت ۔

نکتہ : اندوختن جمع کرنا ، اندوزد مضارع ، اندوز امر ۔ الفذجتن 'الف' کو زیر اور 'فے' کو پیش یہی معنی دیتا ہے ۔ الفنجہ مضارع ، الفنج امر ۔ اور یہ جو اندودن کے بھی یہی معنی مشہور ہیں ، غلط ہیں ۔ اندودن کے معنی ہیں لٹھیڑن ، اور دیوار پر کھگل کرنا انداید مضارع اندائی امر ، اندایش گر کھگل کرنے والا ۔ ایک اور بات یہاں سمجھنی چاہیے کہ اندایش ، آرایش ، گنجایش یعنی جس امر کے آخر 'ی' ہو گی آگے 'شین' ، آ کر مصدر کے معنی دیتا ہے ۔ فہایش غلط ہے ۔ فہای امر ہو تو فہایش بنے ۔ فہمیدن کا امر بفہم ہے ، پھر فہایش کیونکر بنے ۔

نکتہ : پیختن چھاننا خشک چیز کا ، جیسے آٹا اور کھانڈ ۔ بالودن چھاننا پانی کا ، شربت کا ، دودھ کا ، شراب کا ۔

۱ ۔ 'فہانیدن' امر اور 'فہایش' حاصل مصدر آتا ہے ۔

کالم کہتا ہے : یہ فہایش عقل و رائے درست ۔

یختن کا املا ایک نقطے کی 'ب' سے بھی ہے اور تین نقطے کی 'ب' سے بھی ہے کہ مضارع اس کا بیزد یا اس صورت میں بیزد - بالودن تین نقطے کی 'ب' سے ہے - بالاید مضارع، بالائی امر -

نکتہ : شعیدن سننے کے بھی معنی دیتا ہے اور سونگھنے کے بھی معنی دیتا ہے، جیسا کہ حافظ فرماتا ہے :

بوی خوش تو ہر کہ ز باد صبا شنید

از بار آشنا سخن آشنا شنید

پہلے مصرعے میں 'سونگھنے' کے معنی اور دوسرے مصرعے میں 'سننے' کے معنی - اور یہ جو سونگھنے کے معنی پر 'شعیدن' لکھتے ہیں وہ ایک اور تقطیع ہے جداگانہ - 'شم' لغت عربی ہے بمعنی 'سونگھنے' کے - جس طرح 'طلب' سے طلبیدن اور 'فہم' سے فہمیدن بنایا ہوا ہے اہل زبان کا، اور شعیدن بنایا ہوا ہے اہل ہندوستان کا -

نکتہ : اندوختن بمعنی جمع کرنے کے ہے - اندوختہ اس کا مفعول ہے، یعنی جمع کیا ہوا - اس راہ سے مال اور دولت کے معنی پر آتا ہے - بعض صاحبوں سے سنا ہے کہ 'اندوختہ' کے معنوں پر 'اندودہ' بولتے ہیں اور یہ غلط ہے - اندودن کے معنی ہیں لٹھیڑنا اور کھپکھپ کرنا، اندوختن کا مضارع اندوزد، اندودن کا مضارع انداید -

نکتہ : برداختن، معنی اس کے ستوارنا اور متوجہ ہونا اور خالی کرنا اور آئینہ فولادی کو جلا دینے اور تصویر اتارنے - مخفی نہ رہے کہ حکیموں نے جو سکندر کے

وقت میں آئینہ بنایا تھا تو فولاد کا بنایا تھا۔ پس اس میں
 ہر بھی تھے اور زنگ بھی لگتا تھا اور صقل بھی ہوتی
 تھی، ہر چند اب وہ آئینہ نہ رہا، حلب سے اور انگریز کی
 ولایت سے شیشے کے آئینے چھوٹے اور بڑے، یہاں تک کہ
 قد آدم آئینے آ لگے، لیکن شاعر لوگ فارسی میں اور اردو
 میں اسی آئینہ فولادی کے مضامین پاندھتے ہیں۔

نکتہ: گرفتن جو ایک مصدر ہے اس کے بھی کئی معنی
 ہیں: پکڑنا، روکنا، فرض کرنا۔ گیرد مضارع،
 گیر امر۔ خواندن کے بھی دو معنی ہیں: پڑھنا اور
 پلانا۔ داشتن کے بھی دو معنی ہیں: رکھنا اور چاہنے
 ہونا اور یہ پابستن کے معنی ہیں، جیسا کہ ظہوری
 کہتا ہے:

گر اسیر زلف و کاکل گفتہ باشم خویش را
 گفتہ باشم این قدر بر خویش پیچیدن نداشت

بر خویش پیچیدن خصہ کرنا اور پیچ و تاب کھانا۔
 نداشت بمعنی نہ چاہیے رکھنا۔

نکتہ: رستن 'رے' کے زیر سے، قید سے چھٹنا۔ وارستہ
 یعنی آزاد اور۔ قید مگر 'رے' کے زیر سے اور اگر
 وارستہ 'رے' کے پیش سے کہیں گے تو لفظ بے معنی ہو
 جائے گا۔ اسی طرح رستن 'رے' کے پیش سے بمعنی آگنے کے
 ہے، روید اس کا مضارع، روئیدن مصدر مضارعی۔ دونوں
 صورت میں روی امر اور جیسا کہ ہم اوپر ظاہر کر آئے
 ہیں روی بغیر 'ی' بھی درست ہے یعنی 'رو'۔ پس جو

درخت یا بوٹے بغیر ہونے کے یا لگائے کے باغ میں یا جنگل میں خود بنود آگے اس کو 'خود رو' 'رے' کے پیش سے کہنا چاہیے ، یعنی بغیر ہوئے آگئے والا ، اور یہ جو ایسی روئیدگی کو 'خود رو' 'رے' کے زیر سے کہتے ہیں ، غلط ہے ۔ 'خود رو' جو 'رے' کے زیر سے ہے اس کے معنی 'آپ جانے والا' ، 'آپ چلنے والا' ۔ پس یہ صفت روئیدگی کی کیوں کر ہوگی ۔ ہاں 'خود رو' 'رے' کے پیش سے 'آپ آگئے والی' چیز کو شوق سے کہو ۔

نکتہ : آختن مصدر اور یازد 'ے' سے مضارع ہے ۔ زہار دھوکہ کہا کر مصدر کو بھی یاختن 'ے' سے نہ سمجھنا چاہیے ۔ دیکھو آختن کے معنی خاص ہیں : تلوار مہان سے نکالنے اور معنی عام کہینچنا ہر چیز کا اس کی جگہ سے ، جسے حرام زادے گھوڑے کے جو غصے نکالتے ہیں اس گھوڑے کو آختہ کہتے ہیں ۔ بسبب کثرت استعمال کے آختہ مشہور ہو گیا ۔ اگر مصدر یاختن ہوتا تو غصہ نکالنے ہوئے گھوڑے کو یاختہ اور یخنہ 'ے' سے کہتے ۔ نہ 'آختہ' و آختہ 'الف' سے ۔

نکتہ : گزیدن دو مرکز والے 'کاف' کے پیش سے بمعنی قبول کرنے کے ہے ۔ مضارع اس کا گزیدن ۔ بھر گزیدن دو مرکز والے کاف کے زیر سے بمعنی نکالنے کے ہے ۔ مضارع اس کا گزد ۔ مگر یہاں یہ معلوم کر لینا ضروری ہے کہ گزیدن اس کائنات کو کہتے ہیں جس کائنات کا آلہ دانت ہو ، جیسا کہنے کا کائنا ، یا جس کائنات کا آلہ نیش ہو جس کو ہندی میں ڈانک بولتے ہیں ، جیسے سانپ ، پھو اور زمین کے

رہنے والے جانور اور بھڑ ، جسے زنبور کہتے ہیں ، اور بچھر جس کی فارسی ہشہ ہے ۔ اور درودن ایک اور مصدر ہے ۔ 'دال' کو زیر ، 'رے' کو پیش ، بھر دال کو زیر ، مضارع اس کا درود 'دال' کو زیر ، 'رے' کو زیر ، 'واؤ' کو زیر ۔ یہ کاٹنا بولا جاتا ہے درخت اور کھیت کے واسطے ۔ درخت کے کاٹنے کا آلہ 'تیشہ' ، ہندی جس کی 'بسولا' ۔ کھیت کے کاٹنے کا آلہ 'داس' ، ہندی جس کی 'دراشتی' ۔

بریدن 'بے' کو پیش اور 'رے' کو زیر اور 'دال' کو زیر ۔ کیڑے کے قطع کرنے کو ، ناخن لینے کو ، سر کاٹنے کو ، ہاتھ کاٹنے کو ، تلوار کے فعل کو ، قطع تعلق کو ، ان سب کو بریدن کہتے ہیں ۔ برد کی 'بے' کو پیش 'رے' کو زیر اس کا مضارع ہے اور یہ تقطیع سراسر 'رے' کی تشدید سے بھی آتا ہے اور تخفیف سے آتی ہے ۔

نکتہ : نوشتن 'نون' کو زیر اور 'واؤ' کو زیر ۔ ہندی اس کی 'لکھنا' ۔ مضارع اس کا نویسہ ۔ اور نوشتن 'نون' کو بھی زیر اور 'واؤ' کو بھی زیر ، اس کی ہندی 'لکھنا' مضارع نورد ۔ نوشتن جو 'واؤ' کے زیر سے بمعنی لکھنے کے ہے اس کا صیغہ ماضی معنی مصدری دیتا ہے یعنی نوشت مطلق تحریر کو کہتے ہیں اور نوشتن جو 'واؤ' کے زیر سے ہے اس کے صیغہ امر سے معنی مصدری لیتے ہیں یعنی نورد معنی 'لپیٹ' کے دیتا ہے ۔

نکتہ : رقن 'رے' کے زیر سے جانے کو کہتے ہیں۔
 مضارع اس کا رود ، اور رقن 'رے' کے پیش سے جھاڑنے کو
 بولتے ہیں۔ مضارع اس کا روید اور اسر روب۔ اس سے
 مرکب ہے 'جاروب' اور اہل زبان بے موجدہ یعنی بغیر
 'ے' کے بھی 'جارو' بولتے ہیں۔ دیکھو ہندی میں بھی اس
 کا نام 'جھاڑو' ہے۔ لہجے کا فرق ہے ، اسم ایک ہے۔
بوسیدن کے دو معنی ہیں 'چومنا' اور یہ متعدی ہے۔
 دوسرے معنی ، 'گلنا' اور یہ فعل لازمی ہے۔

مگر بوسیدن کپڑے کے واسطے اور میوے کے واسطے
 اور اچار و مرے کے واسطے آتا ہے ، پگھلنے کے معنی نہیں دیتا۔
 آن معنوں کے واسطے گداختن ، گدازد جس کا مضارع ہے ، اس
 کے معنی ہیں 'پگھلنا چربی کا' ، 'پگھلنا گھی کا' ، 'پگھلنا
 سوم کا' ، بلکہ روح کے تحلیل ہونے کو بھی گداختن کہتے
 ہیں ، جیسا کہ شاعر کہتا ہے :

گداخت جان کہ شود کار دل تمام و نشد

اور انہیں معنوں میں ہے جان گداز ، 'جان کا پگھلانے

والا' یعنی روح کا تحلیل کرنے والا۔

نکتہ : شکستن لازمی بھی اور متعدی بھی ، یعنی ٹوٹنا
 بھی اور ٹوڑنا بھی۔ مضارع اس کا شکند ، لیکن آئینہ اور
 شیشہ اور در اور دیوار ایسی چیزوں کے واسطے آتا ہے۔
 ایک اور مصدر ہے گستن دو مرکز والے کاف کو پیش اور
 'مین' کو زیر۔ مضارع اس کا گسلد۔ یہ بھی ٹوٹنے اور

نوڑنے کے معنی دیتا ہے ۔ لیکن قبا کا بند اور رسی اور ہاگ اور زنجیر ایسی چیزوں کے ٹوٹنے اور توڑنے کو کہیں گے ۔
 گسستن کے مقام پر شکستن اور شکستن کی جگہ گسستن لکھنا ٹکسال باہر ہے ۔ یہ بھی سمجھ لینا ضرور ہے کہ شکستن 'رنگ' کے واسطے اور 'دل' کے واسطے بھی آتا ہے اور گسستن 'دم' کے واسطے آتا ہے جس کی ہندی 'دم ٹوٹنا' ۔ عہد و پیمان کے واسطے گسستن اور شکستن دونوں آتے ہیں ۔ عہد توڑنے والے کو 'عہد شکن' بھی کہتے ہیں اور 'پیمان گسل' ، بھی ۔ ایک مصدر ہے مانستن ، 'نوں کے زیر سے' ، معنی اُس کے مشابہ ہونا ۔ مانست ماضی ، مانستہ مفعول اور ایک مصدر اور ہے مانندن جس کے دو معنی 'رہنا' اور 'رکھنا' ، جیسا کہ نظیری ایک غزل میں کہتا ہے اور وہ غزل اس کے دیوان میں شین کی ردیف میں موجود ہے :

کہ ایں کلاہ بہ سرمان و گوشہ بر شکنش

'بہ' ثوبی سر پر رکھ اور کنارہ سوڑ دے' ۔ ان دونوں مصدروں کو ایک مضارع دیا ہے ، 'ماند' 'نوں' کے زیر سے ، 'مانندہ' 'نوں' کے زیر سے صیغہ فاعل کا ، مخفف اس کا مانند اور لفظ 'سہان' اسی تقطیع کے اسر سے بنا ہے ۔ 'مہ' 'سیم' کے زیر سے بمعنی بزرگ اور مان جو صیغہ اسر ہے اپنے اول میں مہ کے لفظ کے آنے سے فاعل کے معنی دیتا ہے ۔ 'سہان' ، یعنی 'بڑا' رہنے والا ۔

نکتہ : اب میں اس تحریر کو ختم کر کے مسودہ اٹھا رکھتا ہوں اور ایک کاتب خوش نویس سے اس کی نقل کو لکھوا

کر نور چشم ، اقبال نشان ، بابو پیارے لعل ستودہ خصال کو
 دیتا ہوں ۔ اللہ اللہ گورمنٹ جہادر کا کیا اقبال ہے کہ
 غالب فاتواں ، نیم جان با آن کہ چھ طرح کے ضعفوں میں مبتلا
 ہے : ضعف پیری ، ضعف بصارت ، ضعف احضا ، ضعف دل ،
 ضعف دماغ ، ضعف طالع ، قلم آٹھا سکا اور مطلب کو دل سے
 زبان تک اور زبان سے قلم تک لا سکا ۔ واللہ علی کل شیء قدیر ۔

تمام شد

رقعات غالب

فهرست رقعات غالب

نمبر شمار	عنوان و مکتوب الیه	صفحه
(۱)	اول نامه که از دهلی به برادر خورد	
۳۳	میرزا علی بخش نبشته اند	
(۲)	نامه دوم ایضاً	۳۴
(۳)	نامه سوم ایضاً از کلکته	۳۵
(۴)	نامه چهارم به الف بیگ دوستی در باب	
	تسمیه پسرش	۳۷
(۵)	نامه پنجم بنام شیخ امیر الله سرور قلعی	۳۸
(۶)	نامه ششم به مولوی سراج الدین	۴۱
(۷)	نامه هفتم ایضاً	۴۲
(۸)	نامه هشتم	۴۳
(۹)	نامه نهم	۴۵
(۱۰)	نامه دهم بنام مبارز الدوله ممتاز الملک	
	مرزا حسام الدین حیدر خاں بهادر	
	حسام جنگ	۴۸
(۱۱)	نامه یازدهم ایضاً	۵۰
(۱۲)	نامه دوازدهم ایضاً	۵۲
(۱۳)	نامه سیزدهم ایضاً	۵۳
(۱۴)	رقعه چهاردهم	۵۴
(۱۵)	خط پانزدهم به یکی از دوستان کلکته	۵۵

رقعات غالب

اول^۱ نامه که از دهلی به برادر خود میرزا علی بخش خاں
نوشته اند

کار برادر به برادر نکوست * به ز برادر نتوان یافت دوست
هر چند شیوة من نیست درگفتن افدوه دراز نفسی
کردن و شنونده را دل بدرد آوردن ، لیکن چون شما هم
برادرید و هم دوست ، ناچار شما می گویم که یک چند بامید
نواب صاحب ساختم و از تاب آتش انتظار گذاختم - نشسته ام
بعذایی که مجرم بزدان نشیند و می بینم آنچه عاصی^۲ بجهنم بیند -
بفیروز پور از بهر آن نیامده بودم که باز^۳ بدہلی باید آمد -
نواب صاحب مرا بلطف زبانی فریفتند و بکوششہ ستمی که
بالتفات مہانست از راء بردند - تا کجا شکیب ورزم و خود را
بہیچ شادمان دارم - از در و دیوار شاہجہان آباد بلا می بارد -

۱ - پنج آہنگ طبع اول مطبع سلطانی دہلی ۱۸۳۹ء (ص ۲۰۷) ،
پنج آہنگ - طبع دوم مطبع دار اسلام دہلی ۱۸۵۳ء (ص ۲۱۳) ،
کلیات نثر غالب ، طبع اول مطبع فولکشور لکھنؤ ۱۸۶۸ء (ص ۹۸)
بر یہ خط موجود ہے -

۲ - 'کافر' (پنج آہنگ طبع اول ۱۸۳۹ء ، ص ۲۰۷) ، پنج آہنگ
طبع دوم ۱۸۵۳ء (ص ۲۱۳) -

۳ - 'بازم' (پنج آہنگ طبع اول ۱۸۳۹ء ، ص ۲۰۷) ، پنج آہنگ
طبع دوم ۱۸۵۳ء (ص ۲۱۳) -

روزم از تیرگی چرا شب نشود ، حاشاکہ چون من شیشہ دلے
 دریں سنگ باران تواند بود - میر امام علی را با عرضداشت
 خدمت نواب صاحب افرستاده ام - زُہار با من زمانہ سازی
 و از نواب محابا مکنید و چندان کنید کہ چون عرضداشت
 خوانندہ شود شاہم در انجمن باشید ، تا نکارش را بگزارش
 نیرو دہید و میر امام علی را بہ سخن دلیری بخشید - در طلب مدعا
 آن مایہ گرم خون نیست کہ خواہش من جگر گوشہ ابرا می
 باشد - یاران گفتند ؟ کہ تو بہ نواب نمی گرائی و درد دل باوے
 نمی گوئی ، ورنہ از کجا کہ نواب بچارہ برنخیزد و کارها را روانی
 ندد - این ہا کہ می کنم از بہر زبان بندی این ادا ناشناسست -
 خدا را طرح آن افکنید کہ میر امام علی زود برگردند و بمن
 پیوندند تا دوستان ناصح را خیر باد گویم و بسرو برگے
 کہ ندارم بمشرق بروم - والسلام -

نامہ دوم ۲ - ایضاً

برادر صاحب ، مہربان ، گرامی تر از جان ، سلامت -
 مداری خصال می رسد و نامہ را می رساند - آنچه از کالائے
 ناردائے من در آنجا باشد بوے بسپارند و نیز آنچه نزد من حقہ بردار

۱- پنج آہنگ طبع اول ۱۸۳۹ء (ص ۲۰۷) اور طبع دوم

۱۸۵۳ء (ص ۲۱۳) میں 'نواب' کے ساتھ 'صاحب' نہیں ہے -

۲- می گفتند (پنج آہنگ طبع اول ۱۸۳۹ء (ص ۲۰۷) و

طبع دوم ۱۸۵۳ء (ص ۲۱۳) -

۳- پنج آہنگ طبع اول مطبع سلطانی دہلی ۱۸۳۹ء (ص ۲۰۸) -

پنج آہنگ طبع دوم ۱۸۵۳ء (ص ۲۱۵) - کلیات نثر غالب طبع اول

مطبع نولکشور لکھنؤ ۱۸۹۸ء (ص ۹۸) -

ودیعت است ہم بنام گرفتہ بدہائند - شنیدہ می شود کہ نواب بدہلی می آیند - بارے از صدق و کذب این خبر رقم کنید و نیز آگہی دهید کہ شا نیز ہمپائے نواب می رسید یا نہ - من آن می خواہم کہ اگر خبر عزمت نواب دروغ بودہ باشد ، خود بنیروز پور رسم و شرف قدم بوس عم عالی مقدار و مسرت دیدار شا دریا ہم - عمر و دولت روز افزون باد -

نامہ سوم^۱ ایضاً از کلکتہ

جان برادر سخن را از فراوانی بر روئے ہم التماسدست و گرہ^۲ گرہ گردیدن و من آن می خواہم کہ اندک گویم و سود بسیار دہد و شنونده آن را زود دریابد و این بسیج روائی پذیر نیست ، مگر آنکہ گویندہ در آن کوشد کہ نبشتن از گفتن آن مایہ دور تر فرود کہ سر این ہر دو رشتہ باہم دگر نتوان ثالث و نقش یکے در آئینہ دیگرے نتوان یافت - زمانے گوش بمن دارید و فرا رسید کہ چہ می گویم و ازین گفتن چہ می خواہم و شا را در برابر آن چہ می باید کرد و اندازہ آن بایست تا کجا ست - پنهان بمماند کہ از جاہ مندان این دیار نواب علی اکبر خان^۳ نام بزرگست گران مایہ

-
- ۱- پنج آہنگ طبع اول مطبع سلطانی دہلی ۱۸۳۹ء (ص ۲۱۱)
 - پنج آہنگ طبع دوم ۱۸۵۳ء (ص ۲۱۷) - کلیات نثر غالب طبع اول مطبع نولکشور لکھنؤ ۱۸۶۸ء (ص ۹۹) - نامہ دوم و سوم کے مکتوب الیہ بھی سرزا علی بخش خان می معلوم ہوتے ہیں -
 - ۲- گرہ در گرہ (پنج آہنگ طبع اول ۱۸۳۹ء ص ۲۱۱ و طبع دوم ۱۸۵۳ء ص ۲۱۷) -
 - ۳- اکبر علی خان (پنج آہنگ طبع اول ۱۸۳۹ء ص ۲۱۲ و طبع دوم ۱۸۵۳ء ص ۲۱۸) -

و بلند پایہ و دانش مند و تکوئی پسند - چون دانستہ است کہ بالا دستان کونسل آرائے کار مرا کہ داد خواہ آئندہ ام بہ فرمان روائے دہلی سپردہ اند و خود او را با منشی التفات حسین خان دیرینہ راہ و رسم سہر و وفائی هست ، سپارش نامہ دریں بارہ رقم کردہ است و من آن را بہ نور و نامہ خود بہ لالہ ہیرا لال وکیل فرستادہ ام و خبر یافتہ ام کہ آن نامہ بہ نظر کہ قبول شاد گزشت و بسیج یک دئی تازہ و بہان کار سازی استوار گشت و نیز در آغساز کار کرنیل ہنری املاک کہ در سر آن سپاہ انگریزی چون ماہ در ستارگان با فروغ نامور و صاحب رسیدنٹ بہادر^۱ دہلی را بجائے برادرست از ہر من سخن ہا^۲ سودمند نبشتہ است ، چنانچہ ہم بفرمان گہرائی آن نفسہائے گرم حاکم را بجانب داد خواہ گرایش و التفاتش بحال وکیل در اعزازش است - وقت است کہ رہپورٹ مقدمہ من از محکمہ رسیدنی دہلی بال روانی کشاید - لا جرم شاہ را باید بہ منشی التفات حسین خان سر رشتہ گفتگو وا کردن و رنگ آن رضتن کہ تقریباً ذکر سپارش نامہ کرنیل ہنری املاک^۳ با صاحب رسیدنٹ بہادر در میان آورند تا گل مدعا شادابی ہزیرد و ارزش من بہ لطف در ضیہ حاکم تازہ گردد و دیگر آئندہ درستی فرجام کار را شاید شاہ کہ اندر آن ہنگامہ جا دارید ٹیک وا رسیدہ باشید - زیادہ ازیں چگویم کہ یگانگئی دئی و

۱- اندرین (پنج آہنگ طبع اول ۱۸۵۹ء ص ۲۱۲ و طبع دوم ۱۸۵۳ء ص ۲۱۸) -

۲- بہادر کا لفظ پنج آہنگ طبع اول ۱۸۵۹ء و طبع دوم ۱۸۵۳ء میں نہیں ہے -

۳- پنج آہنگ طبع اول ۱۸۵۹ء و طبع دوم ۱۸۵۳ء میں 'املاک' کے ساتھ 'بہادر' بھی ہے -

محبت منی وتوئی بر نمی تابد - والسلام والا کرام

نامہ^۱ چہارم بہ الف بیگ دوستے در باب تسمیہ پسرش
 مہربان روئے ، مہربان خوئے ، سلامت بہ^۲ آوردن نہال امید
 در غیر موسم ، یعنی ولادت فرزند در پیرانہ سری
 باغچستکی و فرخندگی قریں یاد - آچہ در بارہ نام نہادن آن
 نو پیکر پری روئے^۳ بمن آوردہ و مرا اندریں کار شایستہ
 خطاب اندیشیدہ آید - بے زحمت فکر نامے بغاظر ہر تو
 انداختہ و قطعہ در آن خصوص از دل بزبان رسیدہ است -
 چنانکہ از زبان بقلم سپردہ می شود - ہا رب این اسم لطیف
 بر مسمی مبارک آید و آن سعادت مند ہم در حیات شا
 بعمر شا رسد و ہس از شا نیز سال ہائے دراز بماند -

۱- پنج آہنگ طبع اول مطبع سلطانی دہلی ۱۸۳۹ء (ص ۲۳۰) -
 پنج آہنگ طبع دوم ۱۸۵۳ء (ص ۲۳۵) - کلیات نثر غالب طبع اول
 مطبع نول کشور لکھنؤ ۱۸۶۸ء (ص ۱۱۰) - 'نکات و رقعات غالب'
 مطبوعہ مطبع سراجی دہلی ۱۸۶۷ء میں 'نامہ سوم' کے بعد نامہ چہارم
 پر 'نامہ پنجم' درج ہے - یہ غلطی نامہ نہم تک ہے - 'نامہ نہم' دو
 رقعات پر مرقوم ہے - اس لیے نامہ نہم کے بعد ترتیب خود بخود
 درست ہو جاتی ہے - میں نے 'نامہ چہارم' سے ہی ترتیب صحیح
 کر دی ہے - (داؤدی)

۲- 'یار آوردن' (پنج آہنگ طبع اول ۱۸۳۹ء ص ۲۳۰ و
 طبع دوم ۱۸۵۳ء ص ۲۳۵) -

۳- 'ہزیر' (پنج آہنگ طبع اول ۱۸۳۹ء ص ۲۳ طبع دوم ،
 ۱۸۵۳ء ص ۲۳۵) -

قطعه

چون الف بیگ در کمن سالی * پسرے یافت سر پسرۂ حمزہ
نام او حمزہ بیگ کسود ہلے * الف منحنی بود حمزہ
یاران انجمن شاہ را بسیار یاد میکنند ، گلے سرے بابی و برانہ
ہم می توان کشید ۔

نامہ^۲ پنجم بنام شیخ امیراللہ سرور تخلص

حضرت سلامت ! رسیدن دل نواز نامہ دل را تنومند
و شاخ آرزو را برومند ساخت ۔ گلہ از نارسیدن پاسخ نامہ
ہائے خویش می کشید^۳ و از خدا شرم نداشت^۴ ۔ من خود از
جانب شاہ نگرانی داشتم کہ کجایند^۵ و چہ درس دارند ۔
بارے پردہ از روئے کار شاہ برگزفتم و دانستم کہ یک چند مرا
فراموش کردہ بودید ، ناگہ ورود جناب مولانا تراب علی
صاحب بدای بنعہ اتفاق افتاد ۔ شنیدید کہ فلائے از سخت

۱۔ 'سر بہ سر' (پنج آہنگ طبع اول ۱۸۳۹ء ص ۲۴۰، طبع دوم ۱۸۵۳ء ص ۲۳۵) ۔

۲۔ پنج آہنگ طبع اول مطبع سلطانی دہلی ۱۸۳۹ء (ص ۲۷۲) ۔
پنج آہنگ طبع دوم ۱۸۵۳ء (ص ۲۷۴) ۔ کلیات نشر غالب طبع اول ۱۸۶۸ء (ص ۱۲۳) ۔

۳۔ 'میکند' (پنج آہنگ طبع اول ۱۸۳۹ء ص ۲۷۲ و طبع دوم ۱۸۵۳ء ص ۲۷۵) ۔

۴۔ 'ندارند' (پنج آہنگ طبع اول ۱۸۳۹ء ص ۲۷۲ و طبع دوم ۱۸۵۳ء ص ۲۷۵) ۔

۵۔ 'کجایند' (پنج آہنگ طبع اول ۱۸۳۹ء ص ۲۷۲ و طبع دوم ۱۸۵۳ء ص ۲۷۵) ۔

جائی هنوز زندہ است - مہر کہن بچید ، خواستید کہ بنامہ یاد آورید از فراموشی روز کار گزشتہ اندیشہ کردید - لا جرم دروغی چند بر ہم بافتید و آن را دیباچہ نامہ ساختید - بہ ہر حال دیر بمانید و از دہر جز نیکی نہ بینید و بہا بہ ہائے بلند رسید از حال من پرسیدہ آید - چگویم کہ بہ گفتن فیروز چنانکہ گفتہ اند :

شکستہ دل ترا ز آن ساغر بلورینم
کہ در میانہ خارا کنی زد در رہا

خبرہ سر و آشفتمہ رائے بزبان سخن سرائے ونہ دل از سراسیمگی بر جائے ، چہار سال می گزرد کہ مقدمہ^۱ باجلاس کونسل در پیش است و دلم از تفرقہ بیم و امید ریش - حکمے کہ قطع خصوصیت تواند کرد بر نیامدہ ، ہنگام بیایان رسیدن تیرہ شب نا امیدی در نیامدہ - حالاً بر آن سرم کہ چون جزو اعظم کونسل اشرف الاسراء لارڈ ولیم کونٹس بشنک بہادر بدین دیار در آید بدامنش در آویزم و داد خواہم و استدعائے صدور حکم اخیر کنم - گروہ بر آئند کہ نواب عالی جناب بدہلی نخواہد آمد و ہم از آن رہگذر ہا بہ اجمیر خواہد رفت - گر ہمچنین است بدامن در روزگار من و آوٰخ از دوری^۲ راہ و درازی^۳ کار من خواستہ آید کہ نتائج طبع والائے شاہ بنگرم

۱- 'تکوئی' (ہنج آہنگ طبع اول ۱۸۵۹ء ص ۲۷۳ و طبع دوم ۱۸۵۳ء ص ۲۷۵) -

۲- 'نہ زبان سخن' (ہنج آہنگ طبع اول ۱۸۵۹ء ص ۲۷۲ و طبع دوم ۱۸۵۳ء ص ۲۷۵) -

۳- 'مقدمہ من' (ہنج آہنگ طبع اول ۱۸۵۹ء ص ۲۷۳ و طبع دوم ۱۸۵۳ء ص ۲۷۵) -

و از تردید هائے کام و زبان خود به شا ارمغانے فرستم ، فرصت آن کجا و دماغ آن^۱ کو - آمد آمد نواب گورنر و دریوزہ اخبار ازهر در ترتیب افراد مقدمه و تمجید نگارش حال سنجیدن اندیشه هائے رنگا رنگ و سگالیدن اندازه بیان آن مایه دستیاری و غم خواری چشم از کسے ندارم که چون ورقے انشا کرده باشم نقل آن تواند برداشت یا چون دفترے از بهر نگریستن پریشان کنم آن اوراق پراگنده را فراهم تواند کرد - بهر رنگ چند روز دگر معاف دارید و تا زمانے که بمن پیوندید گاه بنامه رنگ زدائے آئینه^۲ داد باشید - اوراق اشعار بنظر اجائی نگریسته ام و از جمله بزرگانی که دران افراد مذکور افتد مرزا حیدر علی افصح را فرد کامل دیده ام - روشے پسندیده و طرزے گزیده دارد و همین است طرز^۳ مکرمی شیخ اسماعیل بخش ناسخ و خواجہ حیدر علی آتش و دیگر تازه خیالان لکینؤ - غزلے ازان بزرگوار مخمس کرده اید - اما ندانم که در حسن مطلع تصرف شماست یا سہو کاتب - چہ در رکن اخیر مصرعہ اول کہ باصطلاح عروضیاں آن را عجز نامند ، زحافے بہزہ^۴ واقع شدہ کہ بر صاحب طبع سلیم نہفتہ نمی ماند - دانم در اصل مصرع این چنین خواهد بود -

۱- 'این' (ہنج آہنگ طبع اول ۱۸۳۹ء ص ۲۷۳ و طبع دوم ۱۸۵۳ء ص ۲۷۶) -

۲- 'و داد' (ہنج آہنگ طبع اول ۱۸۳۹ء ص ۲۷۵ و طبع دوم ۱۸۵۳ء ص ۲۷۶) -

۳- 'شیوہ' (ہنج آہنگ طبع اول ۱۸۳۹ء ص ۲۷۵ و طبع دوم ۱۸۵۳ء ص ۲۷۶) -

۴- 'بے مزہ' (ہنج آہنگ طبع اول ۱۸۳۹ء ص ۲۷۵ و طبع دوم ۱۸۵۳ء ص ۲۷۶) -

فرد

نہ خرید کا حصہ ہوں ، نہ حق بائع کا
میں وہ دانہ ہوں کہ گرجائے کف میزان سے

و السلام

نامہ^۱ ششم، مولوی سراج الدین

مولائے من! چکویم کہ از بخت چہ قدر گلہ مند و از
ہجوم اندوہ چہ سایہ نژندم - ستہ^۲ ماہ است کہ
مخدومی مرزا احمد بیگ^۳ و مرزا ابوالقاسم خان ترک سہر
و وفا گرفتند و راہ بے آرزوی شتافتند^۴ - نہ نامہ ازان سومی رسد
نہ پیام - روزے داؤد بیگ نزد من آمد و تقریباً حکایت کرد کہ
مولوی سراج الدین احمد بہ کانپور رسیدند - گفتم وائے بد کلکتہ
کسے نمائند کہ مر! چارہ گری و رہنائی تواند کرد و از انجہ
در آن عنکاسہ رو نماید بمن از نیش^۵ - خیالیے داشتم کہ
مرزا ابوالقاسم خان وعدہ دارند کہ چون کونیل هنری
املاک را فرجام رنجوری برخیزد سپارش نامہ بنام ہاکنس صاحب

۱- پنج آہنگ طبع اول مطبع سلطانی دہلی ۱۸۵۹ء ص ۲۸۸ -
پنج آہنگ طبع دوم ۱۸۵۳ء ص ۲۹۲ - کلیات نثر غالب طبع اول
نولکشور لکھنؤ ۱۸۶۸ء ص ۱۳۲ -

۲- 'ستہ' (پنج آہنگ طبع اول ۱۸۵۹ء ص ۲۸۸ و طبع دوم
۱۸۵۳ء ص ۲۹۲) -

۳- 'احمد بیگ خان' (پنج آہنگ طبع اول ۱۸۵۹ء ص ۲۸۸ و
طبع دوم ۱۸۵۳ء ص ۲۹۲) -

۴- 'می رفتند' (پنج آہنگ طبع اول ۱۸۵۹ء ص ۲۸۹ و
طبع دوم ۱۸۵۳ء ص ۲۹۲) -

۵- 'تواند نیش' (پنج آہنگ طبع اول ۱۸۵۹ء ص ۲۸۹ و
طبع دوم ۱۸۵۳ء ص ۲۹۲) -

از وے بکف آرند و بمن رسانند - ہم دریں روزها یکے از
 سترگان فرنگہ بمن گفت کہ کرنیل ہنری اسلاکب از جہاں
 رقت - وائے بروزگار من کہ دریں دیار -^۱ فرماں روا
 سر بستگ میزیم و جان بہ ناکامی می دهم - عدو جہاں مند
 و مال دار و من ہی دست و تنها - خلقے سر آزار من دارد
 و گروہ تشنہ خون من است - خدا را اگر بہ کانپور و ازاجا
 بہ لکھنؤ رسیدہ بعشرت کدہ خویش آرمیدہ اید ، سطرے
 چند از اوضاع دادگاہ کلکتہ بمن رقم فرمائید تا رواں بہار آمد
 و دل بشکبید - و السلام

نامہ^۲ ہفتم ، ایضاً

صاحب من دیدہ بمشاہدہ آئینہ سکندر فروغائے گردید و
 صفائے عبارتتش گہر برشتہ نظارہ کشید - بیان ہائے غرض^۳ و
 خبر ہائے مختصر و نکتہ ہائے دل بستہ و رقم ہائے نظر قریب
 دارد - فرمان شاہر جان و دل روانست و مرا در روائی
 این اوراق کوشش فراوان مردم این دیار ہسکہ از
 نامعتمدی^۴ اخبار 'جام جہاں نما' ملول اند - ذوقے درست باخبار
 ندارند - انصاف بالائے طاعت کم اتفاق می افتد کہ صاحب
 'جام جہاں نما' دریں ہفتہ خبرے نگارد کہ در ہفتہ دیگر

۱- 'بے فرمان روا' (پنج آہنگ طبع اول ۱۸۳۹ء ص ۲۸۹) -

۲- پنج آہنگ طبع اول مطبع سلطانہ دہلی ۱۸۳۹ء ص ۲۹۹ -

پنج آہنگ طبع دوم ۱۸۵۳ء ص ۳۰۱ - کلیات نثر غالب طبع اول
 مطبع نولکشور لکھنؤ ۱۸۶۸ء ص ۱۳۷ -

۳- 'خوش' (پنج آہنگ طبع اول ۱۸۳۹ء ص ۳۰۰ و طبع دوم

۱۸۵۳ء ص ۳۰۱) -

خود مکذب آن نکردد - در یک هفته جنگ اهالی سرکار
با والی^۱ لاهور پیش از رسیدن موسم زمستان به سلک تحریر
می کشد و بعد از دو هفته می نویسد که آن خبر دروغ بوده
است - در یک هفته خبر می دهد که مسجد قلعه اکبر آباد
و روضه تاج محل بدین بها فروخته شد - بعد از دو هفته رقم
می کند که فرمان دهان کونسل این بیع و شری را نداشتند -
پیر حال امروز، که یک شنبه چارم شنبه است، نامه
نامی باوراق اخبار بمن رسیده است - مبارزالدوله نواب
حسام الدین حیدر خان بهادر و فخرالدوله نواب امین الدین
احمد خان بهادر دیدند و خریداری این را نه پسندیدند -
زنی پس هر که از اعیان دیار هر چه بمن خواهد فرمود، بشا
عرض خواهم کرد - والسلام -

نامه^۲ هشتم

جناب عالی ! امروز که آدینه روز سیزدهم از اپریل
است فرصت نامه نگاری یافته ام و عذر^۳ تقدیر می خواهم -
نهمین مباد که لارڈ ولیم کونٹس بنشک بهادر بروز بست و
ششم از مارچ بدین دیار رسیده بکونٹی وسیڈنی فرود آمد و
بعد از دو روز لشکر و بازار لشکر را رشته جمعیت از

- ۱- پنج آهنگ طبع اول مطبع سلطانی دهلی ۱۸۵۹ء ص ۳۰۱ -
- ۲- پنج آهنگ طبع دوم مطبع دارالسلام دهلی ۱۸۵۳ء ص ۳۰۲ - کلیات
نثر غالب طبع اول مطبع نواکشور لکھنؤ ۱۸۶۸ء ص ۱۳۷ - به خط
بھی مولوی سراج الدین (کاکته) کے نام معلوم ہوتا ہے -
- ۳- 'تقدیر خورش' (پنج آهنگ طبع اول ۱۸۵۹ء ص ۳۰۱ -
و طبع دوم ۱۸۵۳ء ص ۳۰۲) -

گسست و مردم را برفتن دستوری داد و ازان چہلہ خیام خاصہ بہ شمالا روان شد۔ صاحبان سکرٹر جا بجا در شہر رخت اقامت افکندند۔ مولوی محمد محسن و مولوی سید محمد دو شبہ روز غم کدہ راقم را آرام گاہ^۱ داشتہ۔ کا شانہ درخور گنجائی خویش بہ ہمسایگی کوٹھی رسیدنی بکرایہ گرفتند و در آن جا فرود آمدند۔ شاہ دہلی با نواب عالی جناب نہ پیوست۔ رقتن صاحب سکرٹر بہادر ہم پائے صاحب ریڈنٹ بہادر بہ ہارگاہ خسروی و رسیدن مختاران شاہی بہ حضور گورنری صورت بست پس^۲ پنجم اپریل صلائے بار دادند و گروہ ہا گروہ مردم ہاہہ بہاہہ زمین بوسیدند۔ رسم منع نذر از میان برخاستہ بود و نیز ہر شے بہ سزا قرار نیافتہ۔ ہر کس خواست نذر گزرائید و ہر کس خواست ہاں کورنش بجائے آورد۔ نخستین بار نواب فیض محمد خان بہادر سرزبان جھجر با برادران^۳ و ہسر خود سعادت بار اندوختہ یکہ صد و یک اشرفی پیش کشیدہ و بقبول نذر و عطائے خاتم الہاس نگین چہرہ نشاط افروختہ و بہ^۴ بمن از جاگیر داران دگر بود مثل نواب امین الدین خان و اکبر علی خان و دوندے خان۔ زین پس امرائے

۱۔ 'آرامش گاہ' (پنج آہنگ طبع اول ۱۸۳۹ء ص ۳۰۱ و طبع دوم ۱۸۵۳ء ص ۳۰۳)۔

۲۔ یہ لفظ پنج آہنگ طبع اول ۱۸۳۹ء و طبع دوم ۱۸۵۳ء میں نہیں ہے۔

۳۔ پنج آہنگ طبع دوم ۱۸۵۳ء میں 'برادرو' ہے۔

۴۔ 'دوہیں' (پنج آہنگ طبع اول ۱۸۳۹ء ص ۳۰۲ و طبع دوم ۱۸۵۳ء ص ۳۰۴)۔

شاہی و عابد^۱ و وکلای^۲ و کار گزاران دفتر ہائے سرکار -
 ہویدا بادکہ دریں ہنگامہ میر حامد علی خان داساد اعتماد الدولہ
 پسر فضل علی خان نیز ملازمت حاصل ساختہ و بہت
 اشرفی قدر کردہ و بیافتن انگشتی آبرو یافتہ - دیگر چہ
 نویسم کہ مقصود جزایی قدر اظہار نبودہ است -

نامہ نہم^۳

نزدیکان را نشاط، دوران را بشارت کہ شاہ فرمان داد و
 حاجب بارگہ سخن گستران را ایوان نظارت نشان داد
 کہ روز آدینہ بست و پنجم فروری بدان خجستہ نشیمن
 بیائید و جام سخن بر یک دگر بیائید - گروہ از شاہزادگان
 بابرہ و تنے چند از آزادگان شہر فراہم آمدند - جا بر مردم
 تنگی کرد، گونی پیکر اندر پیکر ہی خزید - تخت سلطان الشعراء
 شیخ محمد ابراہیم ذوق زخمہ بر تار زد و غزل سلطان را
 بدان نوا برخواند کہ زہرہ از سپہر فرود آمد - سپس

۱- 'عابد شہر' (پنج آہنگ طبع اول ۱۸۵۹ء ص ۳۰۲ و طبع دوم ۱۸۵۳ء ص ۳۰۴) -

۲- 'وکلای اطراف' (پنج آہنگ طبع اول ۱۸۵۹ء ص ۳۰۲ و طبع دوم ۱۸۵۳ء ص ۳۰۴) -

۳- پنج آہنگ طبع اول مطبع سلفانی دہلی ۱۸۵۹ء میں اس خط کا سراغ نہیں ملا - البتہ پنج آہنگ طبع دوم مطبع دارالسلام دہلی ۱۸۵۳ء کے صفحہ ۳۸ پر موجود ہے - کلیات نثر غالب طبع اول مطبوعہ مطبع ٹولکیشور لکھنؤ ۱۸۶۸ء کے صفحہ ۲۳۸ پر یہ خط ہے - اس سے پہلا خط 'میر مہدی' کے نام ہے اور اس خط کے آغاز میں جلی قلم سے 'ایضاً' لکھا ہوا ہے - اس لیے یہ خط بھی 'میر مہدی' کے نام ہی معلوم ہوتا ہے -

شاہزادہ یوسف دیدار ہایوں آثار مرزا خضر سلطان بہادر غزل طرح ہدان لحن سرود کہ ہنداری پروین بر بساط^۱ افشاند۔ میرزا حیدر شکوہ میرزا نورالدین و میرزا عالی بخت^۲ را ساز سخن بلند آہنگ شد۔ غالب آشفته نوا کہ بہ^۳ پہلوئے عالی جا داشت، دہ بیت از خویشتن خواند۔ ’مجموعی‘ نام امر دے از مے آشامان غم کدہ ’صہباتی‘ نشید مستانہ زد۔ میرزا حاجی شہرت کما بیش ہفتاد بیت در زمین طرح بر سامعہ انجمن نشینان عرضه داد۔ من بہ بہانہ آب تاختن از بزم بیرون آدم و راہ غم کدہ گرفتم۔ در دکان ہا کشودہ بود و چراغ ہا روشن۔ ہانا نیمہ از شب تہ گزشتہ بود کہ بر بوریائے بینوائی دور جام بادہ روئی داد۔ بادہ آشامیدم و خفتم۔ بامداد بہ ارک ہایوں روئے آوردم۔ ہر چہار سلطان زادہ کہ نام نامی آں بر زبان قام رفت زمزمہ شبانہ تازہ کردند۔ من نیز غزل را دوبارہ خواندم۔ از ہم دہان شنیدہ شد کہ شب در ہنگامہ سر آمد و نزدیک بدمیدن سپیدہ سحر بزم بر شکست۔ گویند سلطان الشعراء ہایان انجمن دو غزل از خویشتن سرود، اما نہ در طرح۔ از امروز ہست و یک روز در نوروز باقی است تا بلبیل طبع مرا بکدام نوادر خروش آورند۔ در نامہ شہا سخنے کہ دل را از جائے بر انگیزد نبود۔ اہی خود غلط است کہ اجنٹ بہ جے پور ہمی آید۔ آوے ہی آید۔ اگر از

۱۔ پنج آہنگ مطبوعہ مطبع دارالسلام دہلی ۱۸۵۳ء (ص ۳۹) میں ’بساط‘ کے بعد ’بزم‘ بھی ہے۔

۲۔ پنج آہنگ طبع دوم ۱۸۵۳ء (ص ۳۹) میں ’میرزا عالی بخت‘ کے بعد ’عالی‘ بھی ہے۔

۳۔ پنج آہنگ طبع دوم ۱۸۵۳ء (ص ۳۹) میں ’ہر‘ ہے۔

گوالیار بہ اجمیر میرسد ہم دران ہتھ می آساید ۔ دو غزل پیشی و سیومی و این غزل شا را کہ منع می کنند کہ پیش راجہ بخوانید چرا بخوانید؟ اگر بتوانید بخوانید ، بلکہ این کاغذ کہ من همی فرستم بگزرانید ۔ نے نے برادر این رائے نہ نکوست ۔ بہ میاچی^۱ گری را اول روشناس شدہ ام ۔ ہر آئینہ نیاید کہ ہیچ نگارش از جانب من جز بتوسط وے بگزرند ۔ شا از پیش خود نیز اگر نگزرانید خوشتر شنوندہ سخن ور نیست ، سخن رم نیست ، سخن دان نیست کہ بشنیدن سخن نغز دلش از شادی پیالہ و از شا سیاس پذیرد و ارمغان را کراسی دارد ۔ مرا خود اندکے خون در سینہ گرم شدہ بود ناگہ از جوش فرو نشست ۔ مصرع :

خود غلط بود الحیہ ماہنداشتم

غزل ہا را خود نگاہ دارید و دیدہ و گوش را بہ پژوہش راز گہارید و الحیہ بشنوید و ہنگرید بن نگارید ۔ جان لارنس بہادر^۲ کہ کلکٹر و مجسٹریٹ دہلی دیار بود کہن برادر این ہنری لارنس^۳ بہادر است کہ توقع اجنٹی راجستان دارد و ہمیدون در قلعرو لاہور کمشنر است و فرمان روائے بزرگ است ۔ این را از کہ ہرسم ۔ جہانے داند و من نیز ہمی دانم ۔

۱۔ بخوانند چرا بخوانند اگر توانند بخوانند بلکہ این کاغذ

کہ من همی فرستم بگزرانند (پنج آہنگ طبع دوم ۱۸۵۳ء ص ۴۴)

۲۔ 'بہ میاچی گری را دل' (پنج آہنگ طبع دوم ۱۸۵۳ء

ص ۴۴) ۔

۳ و ۴۔ پنج آہنگ طبع دوم ۱۸۵۳ء (ص ۴۴) میں 'بہادر'

نہیں ہے ۔

ایہا برادر ہمہ را بگزار و از ہمہ بگزر و غزل ہائے طرح
بنگر۔

نامہ ۲ دہم بنام مبارز الدولہ ممتاز الملک مرزا حسام الدین حیدر خان بہادر حسام جنگ

قبلہ حاجات ، مدظلہ العالی ! چون ہندگان کم خدمت کہ
ز شرمساری سر در پیش انگنند بضود فرو می روم و بسا
صدگونه خضوع عرض می کنم کہ طبعم بہ ذکر نثر نمی گراہد
و پاسخ نگاری^۱ این نامہ از من نمی آید۔ زیرا کہ اگر خواہم
کہ بہ منجارب خاصہ خود سخن رانم این جیستان ہا بدان ستایش
و این مکتوب بدان جواب نیرزد۔ جواب این نامہ چنان کہ
این نامہ است ، سرسری باید نہ پهلوی و دری و اگر خواہم کہ
روش بگردانم ہر آئینہ ناموس سخن وری^۲ مرا زیباں دارد
و چون حال چنین است امید کہ ملا زمان نیز بندہ خود را
دریں کشاکش نہ پسندند ، خاصہ وقتے کہ خلعتے شایستہ
بجائے آورده و نہ ہزہرفتن فرمان را بہ خوش ترہی بمطالعے تلافی
کرده باشم و آن اینست کہ چہار رباعی در مدح خواہیکہ
شاہ والا نظر دیدہ است^۳ بگزرانم۔ دریں اندیشیدہ ام کہ این
چہار رباعی بر ورقے زر اندودہ چنان کہ ببازارہا می فروشند

۱۔ پنج آہنگ طبع دوم ۱۸۵۳ء (ص ۳۳۰) میں 'غزل' ہے۔

۲۔ پنج آہنگ طبع اول مطبع سلطانی دہلی ۱۸۳۹ء میں یہ

خط موجود نہیں ہے۔ البتہ پنج آہنگ طبع دوم مطبع دارالاسلام دہلی

۱۸۵۳ء کے صفحہ ۳۳۱ پر اور کلیات نثر غالب طبع اول مطبوعہ

مطبع نولکنور لکھنؤ ۱۸۶۸ء کے صفحہ ۲۳۹ پر یہ رقمہ موجود ہے۔

۳۔ 'ہاں' (پنج آہنگ طبع دوم ۱۸۵۳ء ص ۳۳۱)۔

۴۔ 'بہ نظر می گزرانم' (پنج آہنگ طبع دوم ۱۸۵۳ء ص ۳۳۱)

نگاشته در نسامه موسومہ ظفرالدولہ مظفرالدولہ فرستادہ آہد
و ایشان بحضور شاہ عرضہ دارند کہ مبارزالدولہ در سیاس
یاو آوری و عطائے مثنوی کورنش بجا آورده و این چہار رباعی
در چشم روشنی رویائے صادقہ بحضور فرستادہ اند - قبلہ نگاہا!
دریں صورت نوازش خسروی را سیاس ادا می گردد و خواہی
قزواہی سخن تا شاہ می رسد - جواب نامہ فتح علی خان و ستایش
کتاب چیستان خود چہ قدر کار است کہ از نامہ نگاران عامہ
صورت نہ بندد -

رباعی^۱

بر دل از دیدہ فتح یاب است این خواب
باران امید را سحابست این خواب
زہار گان مہر کہ خوابست این خواب
تعبیر ولایے بوتراب است این خواب

رباعی

بینائی چشم مہر و ماہ است این خواب
آراہش^۲ پیکر نگاہ است این خواب
بر صحت ذات شد گواہ است این خواب
بیداری^۳ بخت بادشاہ است این خواب

۱- پنج آہنگ طبع دوم ۱۸۵۳ء (ص ۴۴۱) میں 'ہذا رباعیات'

۲-

۳- 'پیرایۂ پیکر نگاہ است این خواب' (پنج آہنگ طبع دوم

۱۸۵۳ء ص ۴۴۲) -

رباعی

ابنِ خواب کہ روشناسِ روزش گویند
چون صبح مراد دلِ فروزش گویند
زان رو کہ بروزِ دیدہ خسرو چہ عجب
گر خسرو ملکِ نیمِ روزش گویند

رباعی

خواہے کہ از فروغِ دیں جلوہ گر است
در روزِ نصیبِ شاہِ روشن گہر است
پید است کہ دیدنِ چنینِ خوابِ بروز
تعمیلِ تیجہٴ دعائے سحر است

زیادہ حد ادب - از اسد اللہ بے دست گہ -

نامہ^۲ یازدہم - ایضاً

قبلہ و کعبہٴ دو جہاں سلامت ! دو بار بدرالدین رسید و
از جانبِ ملازمانِ دو غزل از سنِ طلہید - در نخستیں وہلہ

۱۔ 'خواہے کہ فروغِ دیں از و جلوہ گر است' (پنج آہنگ
طبع دوم ۱۸۵۳ء ص ۴۴)۔

۲۔ پنج آہنگ طبع اول مطبعِ سلطانی دہلی ۱۸۴۹ء میں یہ
خط موجود نہیں ہے۔ البتہ پنج آہنگ طبع دوم مطبع دارالسلام
دہلی ۱۸۵۳ء میں صفحہ ۴۴ پر یہ خط موجود ہے۔ 'کلیاتِ نشر
غالب' طبع اول مطبع نولکشور لکھنؤ ۱۸۶۸ء کے صفحہ ۲۳۰ پر یہ
خط ملتا ہے۔ یہ خط بھی مرزا حسام الدین حیدر کے نام معلوم
ہوتا ہے۔

گفتم - مگر گویندہ غلط کردہ است و مثنوی را غزل دانستہ۔
 پاسخش ہم بریں قاعدہ گزاردم - رفت و باز آمد و گفت آنجہ در
 کورت اول گفتہ بودم گفتم - من و ایمان من کہ بیان بہ
 فرستادن دو غزل نہ ہستہ ام اینک پس از رفتنش بعد از
 کاو کاو اندیشہ ہائے فراخ و تاب دادن سررشتہ خیال ہائے
 دراز بظاہر گزشت کہ ہانا حضرت نواب صاحب قبلہ دو شعر
 فرمودہ افد گزارندہ^۱ دو غزل می سنجد ، و ہو ہذا :

یاد باد آن ذوق کاندہ قطع صحرائے جنون
 خود عصائے بود گر در ہائے خارے داشتم
 اتفاق سفر افتاد^۲ بہ پیری غالب
 آنجہ از ہائے نیامد ز عصائے آید
 تا^۳ سر خار کد امیں دشت در جان می خلد^۴
 کز هجوم ذوق می خارد و کف ہایم هنوز
 ہم اشکے چو بخاکم بفشانی از مہر
 خاک بالہ بخود و مہر گیا خمزد ازو
 بسکہ لریز است ز اندوہ تو سر تا ہائے من
 نالہ می رود چو خار ماہی از اعضائے من

۱۔ 'و گزارندہ' (ہنج آہنگ طبع دوم ۱۸۵۳ء ص ۴۴۲)۔

۲۔ 'افتادہ' (ہنج آہنگ طبع دوم ۱۸۵۳ء ص ۴۴۲)۔

۳۔ ہنج آہنگ طبع دوم ۱۸۵۳ء (ص ۴۴۲) میں اس شعر سے
 پہلے 'ایضاً للراقم' ہے اور آئندہ بھی ہر شعر پر ایضاً للراقم
 درج ہے۔

۴۔ 'خلید' (ہنج آہنگ طبع دوم ۱۸۵۳ء ص ۴۴۲)۔

خمیز کہ راز درون در جگر نے دسم
 نالہ خود را ز خویش داد شنیدن دهم
 زمینی ہرزہ بہ ہے حاصلی علم گشتم
 چو باد ہمہ ہدید آمد امالہ ما

دست بستہ عرض می کنم کہ مقصود من از تحریر این
 ایات نہ آنست کہ مشتمل بر مضامین عدا تصور کردہ باشم ۔
 اما چون اندرین ہنگام اوراق مسودات خودم در نظر بود
 شعرے چند کہ مناسبت و ملائمت بمدعا داشت عجالتاً انتخاب
 کردہ شد ۔ زیادہ حد ادب ۔

راقم مجد اسد اللہ

ایضاً - نامہ ^۱ دوازدهم

خداوند نعمت ، سلامت ! جوہرے عرض جوہر ہے
 ارز می گرداب روئے عہد وفا برد ۔ ہر چند چون منے را نسزد
 بملازمان زحمت ہے حساب دادن و پا از جادۂ ادب فرا تر
 نہادن ۔ اما چہ کم کہ چارہ جز ابرام ندام ۔ بیکسی عذر خواہ
 گستاخی ^۲ من است ۔ ایدوں حرفہ خویشتن دران می نگرم کہ
 ملازمان کس فرستادہ اندرجیت و ہیرا لال را بحضور بخوانند

۱۔ پنج آہنگ طبع اول مطبع سلطانی دہلی ۱۸۴۹ء میں یہ
 خط موجود نہیں ہے ۔ البتہ پنج آہنگ طبع دوم ۱۸۵۳ء کے صفحہ
 ۳۳ پر موجود ہے ۔ کلیات نثر غالب طبع اول مطبع نول کشور
 لکھنؤ ۱۸۶۸ء میں یہ ملتا ہے ۔ یہ خط بھی مرزا حسام الدین حیدر
 کے نام معلوم ہوتا ہے ۔

۲۔ 'گستاخی ہائے' (پنج آہنگ طبع دوم ۱۸۵۳ء ص ۳۳)۔

و در انجمن بشانند و آن کہ مرا یاد فرمایند تا پیام و سر کلامہ گفتگو بکشایم ۔ آنچه گفته آید ماحصل آن ہمہ حرف و سخن این باشد کہ اسد اللہ دام پرست شما و سر رشتہ توانائیش بدست تھا است ۔ حالاً از اندوہ تنگ دستی دل ریش و درماندہ بکار خودش است ۔ دستش گیرید و بیک ہزار روپیہ دیگر بکارش آئید ۔ سعی شما ضائع نخواہد رفت و خواہد بود ہم برای این بے چارہ و ہم برای شما ۔ چہ خوش باشد کہ ہم امروز عیار این اتفاق نیز گرفتہ آید تا ہر چہ پس این پردہ نہانست روئے نماید ۔ زیادہ حد ادب ۔

دریوزہ گر اسد اللہ

ایضاً ۔ نامہ ^۲ سیزدہم

خدمت جناب نواب صاحب ، قبلہ و کعبہ دو جہاں ، مد ظلہ العالی ۔ آداب کورنش بجا آوردہ معروضی می دارد ۔ بندہ امروز آہنگ ملاقات بکے از صاحبان انگریز دارد ، لیکن ازان جا کہہ مسکنش بیرون شہر در چھاؤنی قریب باغ بھلدار خان است ، رہے از سطوت آفتاب مر داد خیلے ہراسانست ۔

۱۔ 'فقط چہ خوش' (بنچ آہنگ طبع دوم ۱۸۵۳ء ص ۴۴)۔

۲۔ بنچ آہنگ طبع اول مطبع سلطانی دہلی ۱۸۴۹ء میں یہ

خط موجود نہیں ۔ البتہ بنچ آہنگ طبع دوم ۱۸۵۳ء ص ۴۴ پر

موجود ہے ۔ کلیات قتر غالب طبع اول مطبع نول کشور لکھنؤ

۱۸۶۸ء کے صفحہ ۲۴۱ پر بھی یہ موجود ہے ۔ اس کے مکتوب الیہ

ابن مرزا حسام الدین حیدر معلوم ہوتے ہیں ۔

۱۔ 'پالکی' عنایت کردد در سایہ عطوفت گرامی رہ گرائے مدعا
تواند گردید۔ مگر التماس اینکه وقت ملاقات دوپہر روز برآمد
قرار یافتہ است، بہ کہازان فرمان باید داد کہ ہر گاہ آدم
فلانے بیاید پالکی ہم پائے او ہرند۔ چہ آن وقت جناب در
خواب راحت خواہند بود۔ زیادہ جز تسلیم چہ عرضہ دارد۔
فقیر اسد اللہ

رقعہ ۵ چہاردہم

نور دیدہ غالب آشفته نوا یوسف مرزا کہ چہ گویم از
رفتشی بر من چہ رفت۔ فرا رسیدہ باشد کہ ہرزہ رہ بریدند
و ریخ رھروی کشیدند۔ جیدہ ماجدہ خود را بہ فروغ آباد
نیافتہ باشند۔ بارے سعادت کہ در ہم گساری و خدمت گاری
خال فروغ قال اندوختہ اند مفت ایشانست۔ میر سہدی کہ
بہ جے پور رفتہ اند و یار عزیز یوسف علی خان کہ در بنارس
جا دارد سلام ہا بہ شا ارمغان می فرستند۔ کاشی بیابند تا آن ہمہ
کہ نزد من فراہم است از من بستانید۔ نامہ شا بمن رسیدہ است
و این کہ من می نویسم پاسخ آنست زنہار با مردہ آن شہر میاویزید
و طرح ستیزہ مریزید۔ گفتار موزوں کہہ آن را شعر نامند در

۱۔ و ۲۔ 'پنس' (پنج آہنگ طبع دوم ۱۸۵۳ء ص ۴۴)۔

۲۔ 'می توان گردید' (پنج آہنگ طبع دوم ۱۸۵۳ء ص ۴۴)۔

۳۔ 'رود' (پنج آہنگ طبع دوم ۱۸۵۳ء ص ۴۴)۔

۵۔ پنج آہنگ طبع اول مطبع سلطان دہلی ۱۸۴۹ء میں یہ
خط نظر نہیں آیا۔ البتہ پنج آہنگ طبع دوم ۱۸۵۳ء کے صفحہ ۴۴
پر یہ موجود ہے اور آخری خط ہے۔ 'کلیات نثر غالب' طبع اول
مطبع نول کشور لکھنؤ ۱۸۶۸ء صفحہ ۲۴۱ پر بھی یہ خط ملتا ہے۔
یہ خط بھی مرزا حسام الدین حیدر کے نام معلوم ہوتا ہے۔

ہر دل جا۔" دیگر و در ہر دیدہ رنگے دیگر و سخن سراپاں
را ہر زخمہ جنبشے دیگر و ہر ساز آہنگے دیگر دارد۔ از
دید و دانست دیگران چشم پوشیدہ! و در افزون آگاہی
خویش کوشید۔"

اسد اللہ

خط ہانزدہم "بہ یکے از دوستان کلکتہ

کرم "گسترا! والا نامہ رسید و نوید فراق دائمی
مرزا احمد بیگ رسانید۔ چہ مایہ سنگین دل و سخت جانم
کہ نامہ در تعزیت دوست انشا می کنم و اجزا۔" وجودم از
ہم نمی ریزد۔ می گفت کہ بہ دہلی می آیم۔ وعدہ فراموش

۱ و ۲۔ "پوشند، کوشند" (پنج آہنگ طبع دوم ۱۸۵۳ء
ص ۳۳۳)۔

۳۔ پنج آہنگ طبع اول مطبع سلطانی دہلی ۱۸۴۹ء (ص ۳۰۷)
طبع دوم مطبع دارالسلام دہلی ۱۸۵۳ء (ص ۳۰۷)۔ کلیات نثر غالب
طبع اول مطبع نول کشور لکھنؤ ۱۸۶۸ء (ص ۱۳۰)۔ پنج آہنگ
و کلیات نثر غالب تینوں نسخوں میں اس خط کے عنوان کی جگہ
'ایضاً' لکھا ہوا ہے۔ اس خط سے پہلے ۱۵ خطوط پر بھی 'ایضاً'
لکھا ہوا ہے۔ ان پندرہ خطوط سے پہلے خط پر مکتوب الیہ کی جگہ
یہ الفاظ ہیں "خطوط بنام مولوی سراج الدین احمد" اس سے اندازہ
ہوتا ہے کہ تمام خطوط مولوی سراج الدین احمد کے نام ہیں اور
بہ خط بھی انہیں کے نام ہے۔

۴۔ "قبلہ و کعبہ" (پنج آہنگ طبع اول ۱۸۴۹ء و طبع دوم
۱۸۵۳ء ص ۳۰۷)۔

۵۔ 'چہ مایہ' سے لے کر 'نمی ایزد' تک کی عبارت پنج آہنگ
طبع اول ۱۸۴۹ء ص ۳۰۷ و ۳۰۸ سے 'ماخوذ' ہے۔ یہ عبارت
(پہلے صفحہ ۵۶ پر)

راء گرداندا و نامہ^۲ بسر منزل دیگر راند - گرفتہ کہ خاطر
دوستان عزیز نداشت ، چرا بجال خورد سالان خود نہ پرداخت
و سایہ از سر شان بازگرفت - وائے^۱ بے یاری یاران^۳ و دریغ
پدرے^۴ پسران وے - ہر چند از مرکب نتوان نالید و گسستن
تار و بود پندار هستی را چارہ نتواند کرد ، لیکن انصاف
بالائے طاعت است - هنوز هنگام مردن مرزا احمد نبود - چرا
آن قدر صبر نہ کرد کہ بہ کلکتہ رسیدے روئے نظر
فروزش^۵ دگر بارہ دیدے ! چرا آن مایہ درنگ ورزید^۶ کہ
حامد علی جوان کشتے و کارہا بہ اندازہ دانش وے روان کشتے

(بقیہ صفحہ ۵۵)

پنج آہنگ طبع دوم ۱۸۵۳ء کے صفحہ ۳۰۷ پر بھی موجود ہے
لیکن 'نکات و رنعات غالب' مطبوعہ مطبع سراجی ۱۸۶۷ء میں
نہیں ہے -

۱- اس سے پہلے لفظ 'بے مروت' غالب ہے پنج آہنگ
طبع اول ۱۸۳۹ء کے صفحہ ۳۰۸ پر اور پنج آہنگ طبع دوم ۱۸۵۳ء
کے صفحہ ۳۰۷ پر موجود ہے -

۲- نامہ (پنج آہنگ طبع اول ۱۸۳۹ء ص ۳۰۸ و پنج آہنگ
طبع دوم ۱۸۵۳ء ص ۳۰۷) -

۳- یاران وے (پنج آہنگ طبع اول ۱۸۳۹ء ص ۳۰۸
و طبع دوم ۱۸۵۳ء ص ۳۰۷) -

۴- 'بے پدری' (پنج آہنگ طبع اول ۱۸۳۹ء ص ۳۰۸ و طبع دوم
۱۸۵۳ء ص ۳۰۷) -

۵- 'نظارہ' (پنج آہنگ طبع اول ۱۸۳۹ء ص ۳۰۸ و طبع دوم
۱۸۵۳ء ص ۳۰۷) -

۶- 'نہ ورزید' (پنج آہنگ طبع اول ۱۸۳۹ء ص ۳۰۸ و طبع دوم
۱۸۵۳ء ص ۳۰۷) -

حیف کہ سرین پسرش خورد سالست ۔ باشد کہ بحقیقت سرمایہ پدر دانا و بگرد آوردن زرہائے ہراگندہ وے توانا نباشد و باشد کہ چون آن سرمایہ فراچنگ^۱ آرد بباد دھد و بر فردستان^۲ ستم کند و کہیں برادران را تا کام گزارد ۔ ہرآئینہ دریں حال امینے باید ہوش مند و حق شناس کہ گرد چارہ برآید و غمخواری بے پدر ماندگان نماید^۳ ۔

سرا باشد از درد طفلان خبر کہ در طفلیم رفتہ از سر پدر والله کہ تیار آن بیچارگان عین فرض و فرض عین است ، ہم بر شا و ہم بر مرزا ابوالقاسم خان بے کسی این جاعہ در نظر باید داشت و غافل نباید بود^۴

ختم شد

۱۔ 'ہینک' (ہنج آہنگ طبع اول ۱۸۴۹ء ص ۳۰۸ و طبع دوم ۱۸۵۳ء ص ۳۰۷) ۔

۲۔ 'فردستان خود' (ہنج آہنگ طبع اول ۱۸۴۹ء ص ۳۰۸ و طبع دوم ۱۸۵۳ء ص ۳۰۷) ۔

۳۔ ہنج آہنگ طبع اول ۱۸۴۹ء طبع دوم ۱۸۵۳ء میں اس کے بعد یہ الفاظ ہیں 'اللہ در من قال' ۔

۴۔ ہنج آہنگ طبع اول ۱۸۴۹ء و طبع دوم ۱۸۵۳ء میں اس خط کے خاتمے پر یہ الفاظ ہیں 'و اللہ لایضیع اجر المحسنین' ۔

لطائف غیبی

تمہید

(بہ قلم خلیل الرحمان داؤدی)

مرزا غالب نے اغلاط 'برہان قاطع' کو بہ عنوان 'قاطع برہان'، مطبع نول کشور لکھنؤ سے ۱۸۶۲ء میں شائع کرایا تھا۔ اس کے جواب میں سید سعادت علی، سابق میر منشی رزیڈنٹ راجپوتانہ نے 'محقق قاطع برہان' شائع کی۔ مرزا غالب نے 'محقق قاطع برہان' کے جواب میں بہ رسالہ بہ عنوان 'لطائف غیبی' خود لکھا، لیکن اسے اپنے عزیز شاگرد میان داد خان سیاح کے نام سے شائع کیا۔ 'غالب' ہر کام کرنے والے تقریباً ہر ایک شخص نے بہ تسلیم کر لیا ہے کہ یہ تصنیف واقعی مرزا غالب کی کاوش فکر کا نتیجہ ہے۔

'لطائف غیبی' ۴۴ صفحات کا رسالہ ہے جو مطبع اکمل المطابع دہلی سے ۱۸۶۴ء میں شائع ہوا تھا۔ اس کی قیمت آٹھ آنے مقرر ہوئی تھی۔ یہ رسالہ صرف ایک بار ۱۸۶۴ء میں چھپا تھا۔ اس کے بعد آج تک اس کی اشاعت کی نوبت نہیں آئی۔

بیس لطائف کا یہ مجموعہ صفحہ ۴۱ پر ختم ہو جاتا ہے۔ صفحات ۴۲ و ۴۳ پر قطععات تاریخ ہیں۔ منشی جواہر سنگھ جوہر، مرزا یوسف علی خان عزیز، مرزا شمسداد علی بیگ رضوان، بہاری لال مشتاق کاتب الحروف کے قطععات تاریخ ہیں جن سے ۱۸۶۳ء اور ۱۲۸۱ھ برآمد ہوتا ہے۔

'لطائف غیبی' عرصہ دراز سے ناپاب ہے۔ اس کا ایک
 انتہائی نادر نسخہ مولانا عبد المجید سالک صاحب کے پاس
 تھا۔ وہ نسخہ نواب سعید الدین احمد خان ابن نواب
 ضیاء الدین احمد خان نیر درخشاں کا تھا جو انہیں زمانہ
 طالب علمی میں نواب علاؤ الدین احمد خان علائی نے
 دیا تھا۔ پاکستان میں اگرچہ اس کے دو تین نسخوں کا
 سراغ ملتا ہے لیکن ان سے نسخہ لے کر اشاعت کے لیے
 متن نقل کرتا بہت ہی دشوار کام ہے۔ بہر حال کسی نہ
 کسی طرح مجھے اس کا متن حاصل ہو گیا اور اب اس نعمت
 غیر مترقبہ کو مجلس ترقی ادب، لاہور کے ذریعے عام
 کر رہا ہوں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

سیاح بھر و بر، ہیچمدان بے ہتر، سیف الحق میاں داد خان
 حق شناسوں کی خدمت میں عرض کرتا ہے کہ میں
 رہنے والا اورنگ آباد، دکن کا ہوں۔ میں نے بعد تحصیل علوم
 رسمہ سیاحت اختیار کی بنگالہ، دکن، پنجاب، وسط ہند،
 بلاد و قرا کی۔ کہاں تک نام لوں، قلمرو ہند میں سرتاسر
 بھرا ہوں، بلکہ سند و کابل و کشمیر و قندھار بھی دیکھ
 آیا ہوں۔ ان دنوں میں دو رسالے نثر کے میری نظر سے
 گزرے۔ ایک قاطع برہان اور ایک محرق قاطع برہان۔
 پہلا نسخہ، یعنی قاطع برہان کا مؤلف ایک شخص ہے، معزز
 اور مکرم، والا رتبہ، عالی شان، عالی خاندان، انگریزی
 رئیس زادوں میں محسوب، بادشاہ دہلی کے حضور سے مخاطب
 بہ نجم الدولہ، دبیر الملک، نظام جنگ، یعنی غالب تخلص،
 اسد اللہ خان بہادر، اور محرق کا جامع کوئی شخص ہے
 رعایائے دہلی میں سے کہ کبھی کسی زمانے میں کسی
 محکمہ انگریزی کا سررشتہ دار ہو گیا تھا اور اب
 خانہ نشین ہے، موسوم بہ منشی سعادت علی۔ نہ نثر سے واقف،
 نہ نظم سے آگاہ، نہ عقل کا سرمایہ، نہ علم کی

دست گاہ - کسی ہستی میں ، کسی گاؤں میں ، کسی گھاٹ پر ، کسی بات پر اس بزرگ کا نام کسی سے نہیں سنا ۔
 اللہ اللہ ! غالب نام آور نامدار ، کوئی شہر ایسا نہ دیکھا جس میں ان کے دو چار شاگرد ، دس بیس معتقد نہ دیکھے ہوں ۔
 ایک عالم ان کی فارسی دانی اور شیوا بیانی کا معترف ۔ نظم میں ظہوری و نظیری و عرفی کے برابر ، نثر میں نثاران سابق و حال سے بہتر ۔ کلیات نظم نسخہ سحر ساسری ، نثر میں

پنج آہنگ سلک در خوش آب ، دستبویگوہر نایاب ، مہر نیم روز شہرت آفتاب ، ہر نکتہ ایک کتاب ، ہر کتاب محتج الجواب ۔
 جو بلاغت اور فصاحت کو جانتے ہیں اور معنی کا حسن پہچانتے ہیں ، متفق علیہ ان کا یہی عقیدہ ہے ۔ اگر ایک آدمی کا عوام میں سے یہ عقیدہ نہ ہوا تو وہ آدمی بے شک ایک گروہ کا مردود ہو گا :

گر نہ بیند بروز شیرہ چشم چشمہ آفتاب را چہ گناہ

بھرق کی عبارت ، واہ کیا کہنا ہے ، متبدا کچھ ، خبر کچھ ، روابط نامربوط ، ضائر محذوف ۔ اول سے آخر تک سوال دہکر جواب دہکر کا التزام ۔ عبارت یک قلم حشو اور حشو بھی قبیح ۔
 اہی ہمہ وہ رسالہ سراسر بغض و عناد و سوء ظن و حقد و خبط و سب و نفحش کا مجموعہ ہے ۔ آیا خاطر میمون منشی صاحب میں کیا آیا جو اس رسالے کی تحریر کا قصد فرمایا ۔
 کتاب خوگیر ، عبارت خوگیر کی بھرق ۔ جو اشعار بہ چشم داشت سند لکھے ہیں ، وہ زیر تنگ ، زیر تنگ ۔ سوار ناینا ، مرکب کہنہ لنگ ، کتاب گدڑی ، ہر فقرا ٹکڑا ، ہر ٹکڑے کا نیا رنگ ۔ کیا منشی جی نے یہ قیاس کیا ہے کہ تمام

ہندوستان میں کوئی عاقل کوئی منصف نہیں ہے ؟ اللہ اللہ !
 ہندوستان مجمع فضل و کمال ہے ۔ منشی جی کے حق کا پردہ
 کھل جائے گا ، بلکہ مولانا غالب کا ایک ایک شاگرد منشی جی
 کا خاکا اڑائے گا ۔ مجھ کو تو حمیت اور رعایت حق اس تحریر کی
 باعث ہوئی ، تا کہ میں نے اس لطائف جمع کیے اور اس
 نگارش کا لطائف غیبی نام کہا ۔

درہس آئینہ طوطی صفتم داشتہ اند
 آنچہ استاد ازل گفت ہگو میگویم

این خمر که شک آرنج چنگ برای چنگ

منست از دور آرنج تو مگر عشق مرقع میا خاود خان روح انکاحی بر طالع ای این شکران کنی



بجواب مرقع قاطع بر دامن بسمت تمام و سست ماه کلام مستین بار

با تمام میر محمد الدین علی الطالع بی طراز الطالع مر

لطائف غیبی

لطیفہ ۱

ضارب سیف قاطع کا ایک فقرہ ہے ”در چہارده سالکی از آموزگار پرورش یافتم“ صاحب تب عرق اس فقرے کو دست آویز استہزا سمجھ کر بار بار لکھتے ہیں اور کہلی کرتے ہیں اور جگت بولتے ہیں۔ ظاہرا منشی جی بطن مادر سے پڑھے لکھے روبکاریاں لکھتے ہوئے نکلے ہیں۔ سیف الحق، سن! یہ بات نہیں ہے۔ جانے گا تو اگر سمجھنے والا ہے۔ یہاں کچھ دال میں کالا ہے۔ منشی جی اپنے نزدیک بہت دور ہیں، لیکن اقتضائے ”المرء یقیس علی نفسہ“ سے مجبور ہیں۔ جس طرح منشی جی پر استاد سے فتح باب ہوا ہے، جانتے ہیں کہ ہر شاگرد اپنے استاد سے اسی طرح فیض یاب ہوا ہے۔ اور سنیے، خان غالب اپنی طبع کی وصف میں لکھتے ہیں: ”غلط پسند جز پرستی میبوند“۔ منشی جی نے یہ سبیل طنز اس جملہ مرکہ کو اپنا تکیہ کلام ٹھہرایا ہے۔ لکھتے ہیں اور ہنسی کے مارے لوٹے جاتے ہیں۔ یا رب اس ترکیب پر کون ہنسنے کا، مگر وہ کہ پیٹ بھر کر احمق ہوگا۔ اس لطیفے میں یہ بھی لکھ دینا مناسب ہے کہ منشی جی نجم الدولہ۔

مرزا اسد اللہ خان بہادر کا آدھا نام لکھتے ہیں ، یعنی مرزا اسد اللہ خان غالب ۔ ہائے فردوسی طوسی اس مقام پر کیا خوب لکھتا ہے :

چو اندر تبارش بزرگی نبود
نیاوست نام بزرگان شنود

جس شخص کا بادشاہی دفتر میں اسد اللہ خان نام لکھا گیا ہو اور نواب گورنر جنرل بہادر کے محکمہ محتشمہ سے 'خان صاحب' بسیار مہربان دوستان مرزا اسد اللہ خان، لکھا جاتا ہو ، اگر ایک شخص کم نام رعایائے دہلی میں سے اس کا نام ہکاڑ کر لکھے ، تو اس نامور کا کیا ہگاڑا ، مگر لکھنے والے کا حلق مع البغض ثابت ہو گیا ۔ اس سے زیادہ گرم ایک فقرہ اور سنئے ۔ منشی جی قاطع کی عبارت کو برا بتاتے ہیں اور پھر کہیں کہیں اسی انداز کے ایک دو جملے لاتے ہیں ۔ فقرہ پورا کب لکھ سکتے ہیں ۔ دو چار لفظ جمع کیے اور ٹھیک نکل گئی ، جسے بڑھا تو نادن بھر میں کبھی حق اللہ پاک ذات اللہ بول اٹھتا ہے اور باقی تمام دن ٹپ ٹپ کیا کرتا ہے ۔ مانا کہ قاطع برہان کے جواب میں لکھنے سے منشی جی کی مراد یہ تھی کہ کنج خمول سے باہر آئیں اور ایک صاحب نام و نشان کے مقابل ہو کر خود بھی نام پائیں ۔ یہ نہ سمجھے کہ مشہور نہ ہوں گے ، مگر اشتہاری ہو جائیں گے ، عزت نہ ملے گی ، مورد صد گونہ خواری ہو جائیں گے ۔ مولوی روم علیہ الرحمة ، جو بڑا صاحب کمال ہے ، یہ شعر اس کا جناب منشی صاحب کے حسب حال ہے :

چون خدا خواہد کہ پردہ کس درد
میش از اندر طعنہ پاکان برد

اہل نظر قاطع و محرق جب باہم دیکھیں گے ، قاطع کی عبارتیں موتی کی لڑیاں نظر آئیں گی ۔ ہمارے منشی صاحب از روئے علم و فن منشی نہیں ، از روئے پیشہ و حرارت منشی ہیں ، جیسے منشی بھروں ناتھ اور منشی گیندا مل ۔

لطیفہ ۴ :

اے صاحبان فہم و انصاف ، عبارت محرق قاطع برہان کو دیکھا چاہیے ، خلط مبحث ، اطناب و ممل ، سوء ترکیب ، تباہی روزمرہ ، غلطی فہم ۔ اس سے مجھے کچھ کام نہیں ۔ بھلا عامیان معوج الذہن کی نثر اور کیسی ہوگی ۔ غالباً اللہ یہ بتاؤ کہ یہ مناظرہ ہے یا پھکڑ ؟ صاف معلوم ہوتا ہے کہ ایک ہجڑا تالیاں بجا کر گالیاں دیتا ہے ، یا ایک سڑے کو کسی نے چھیڑ دیا ہے ، وہ فحش بک رہا ہے ۔ ایک شخص عالی خاندان ، نامور باوجود صفت امارت ، صاحب کمال ، یگانہ روزگار ، اہل ہندوستان کا مطاع ، مسائل منطق فارسی کا مفتی ، ہاں ہمہ دریغ و مرجحان ، گوشہ نشین ، آزاد ، وارستہ ، فروتنی اس کا شیوہ ، مروت اس کا پیشہ ، طرز بیان میں ایک عالم اس کا معتقد ، حسن خاق میں ایک جہان اس کا مداح ، بادشاہ کا مصاحب ، حکام کا معزز ، متوسل ان صفات کا جامع اور پھر معمر ستر برس کا آدمی یعنی اسد اللہ خان غالب طال بقاؤہ و زاد علاؤہ ۔ ایسے شخص کی نسبت ناسزا کہنا متناقض شان علم و ادب بلکہ خلاف آئین آدمیت ہے ۔ منشی سعادت علی نے قطع نظر اور حالات و کالات سے کبر سن کا بھی پامن نہ کیا ۔ شیخ سعدی علیہ الرحمة فرما ۔ ” ہیں :

کہ حق شرم دارد ز موتی سفید

جس سے خالق کو شرم آئے مخلوق اس سے نہ شرمائے۔
 مابہ النزاع یہ ہے کہ حضرت غالب نے برہان قاطع کی اغلاط پر اعتراضات لکھے ہیں۔ کہیں کہیں از راہ شوخی طبع ظریفانہ بطریق بذلہ و تم سنج ہوئے ہیں۔ منشی جی نے حضرت غالب کی شان میں سفیانہ وہ کلمات ناسزا لکھے ہیں کہ ایسے کلمات کوئی شریف النفس بہ نسبت کسی آدمی کے نہ لکھے گا۔
 محمد حسین دکنی کے انتقام لینے کا بہانہ مسموع و مقبول نہیں۔ وہ دکنی منشی جی کا کون تھا، جو ان کو اس کی مذمت سن کر ایسا غصہ آگیا کہ چہرہ گرمی سے لال ہو گیا، بدن میں پسینا بہنے لگا، منہ میں جھاگ آ گئی، آنکھیں بند کر لیں، گالیاں بکتے لگے۔ مزا ایک اور ہے کہ منشی جی بذات خود سنی ہیں اور حقیقی بھائی ان کے شیعہ سی ہیں۔ محرم میں بھس اڑاتے پھرتے ہیں، حاضرین کھاتے پھرتے ہیں۔ اصحاب ثلاثہ رضی اللہ عنہم کو برا کہتے ہیں اور منشی جی کے ساتھ ایک گھر میں رہتے ہیں۔ ان پر منشی جی کو کبھی غصہ نہ آیا، خلفائے راشدین کی مذمت سے منع نہ فرمایا۔ اس باب میں کوئی عذر پیش لائیں، اس کی وجہ بیان فرمائیں۔ یہی تو یہی ہے کہ منشی جی کو دکنی کا پاس اپنے بزرگان دین سے زیادہ ہے۔ ظاہر اس سے باطنی استفادہ ہے۔ گاہ گاہ خواب میں آیا کرتا ہوگا اور منشی جی کو رگڑے جھکڑے بٹا جایا کرتا ہوگا۔ ان کو فارسی دان کیا ہے، علم کا تلوا اتار دیا ہے یا بوں ہے کہ جامع برہان قاطع مر کر بھوت بن گیا ہے اور صاحب تب عرق یعنی مؤلف عرق قاطع برہان پر چڑھا ہے۔ بھلا صاحب! جب دکنی طالب اور منشی جی مطلوب، وہ محب اور یہ محبوب ہیں، تو چاہیے کہ از روئے ناز و کرشمہ،

جوت ہزاری ، گلی گوت سے اس کو رجھائیں ۔ اوروں نے کیا گنا کیا ہے کہ ان کو بھوک سٹائیں ۔ منشی جی کو میں نے دیکھا نہیں جو کہوں کہ گورے ہیں یا کالے ہیں ۔ ان کی تحریر سے اس قدر پایا جاتا ہے کہ سیدھے سادے بھولے بھالے ہیں ۔

لطیفہ ۳ :

آجین کی بحث میں منشی جی نے نہ فیجی ہے ، بلکہ گل گیر سے گل کترے ہیں ۔ چوتھے صفحے سے نویں صفحے تک ہانچ صفحے سراسر سیاہ کیے ہیں ۔ ان کی عبارت کو قتل کرنا اپنے کو بہ تکلف پاگل بنانا ہے ۔ صفحوں کے اشارے کو مکتفی جانتا ہوں ۔ بحسب ضرورت کوئی فقرہ لکھ بھی دوں گا ۔

خارب سیف قاطع یعنی نواب اسد اللہ خان غالب کی عبارت یہ ہے : ”قید خشک کردن بدن مردہ سے جان میں مغلطہ نہ تنہا میں بے چارہ را افتادہ دہکراں را نیز روئے دادہ است ۔ مصرع فردوسی ”ندارم بمرگ آجین و کفن“ مفید معنی حصر نیست ، چنانکہ چادر کہ آن نیز جزوی از اجزائے کفن است و افتادہ معنی انحصار ندارد ۔ آجین اسم جامہ ایست کہ پس از شستن دست و رو بدن جامہ ہم از دست و رو چہنند و در عرف آن را رومال گویند ۔“ منشی جی چوتھے صفحہ کی ۷۱ سطر میں لکھتے ہیں کہ اوہو جی غالب نے آجین خاص اس کپڑے کو ٹھہرایا جس سے آدمی ہاتھ منہ پونچھتا ہے ۔ سیف الحقی پونچھتا ہے کہ مولانا ! غالب کی عبارت سے تخصیص کہاں پیدا ہوتی ہے ؟ یہاں مردے کے بدن پونچھنے کو مقدر جھوڑ جانا کمال بلاغت ہے ۔ کس واسطے کہ جامع برہان قاطع اس خصوصیت کا مدعی

ہے اور مولانا خصوصیت کو مٹاتے ہیں ، جیسا کہ فرماتے ہیں : ”قید کردن بدن مردہ“ بے جا قید کے نافی ہیں اور نفی سے ثابت ہوا کہ مردے کے بدن پونچھنے کو بھی تسلیم کرتے ہیں اور زندہ کے بھی ہاتھ منہ پونچھنے کو جائز رکھتے ہیں ۔ آگے بڑھ کر منشی جی ہاتھوں صفحہ کی ساتویں اور آٹھویں سطر میں اپنے سوء ظن کا جال دکھلاتے ہیں ، جہاں رقم فرماتے ہیں : ”ایں نگارندہ گلے پس غسل نم بدن از رومال بچیدہ و نہ کسی با برگ و نوا را شنیدہ کہ پس غسل نم بدن از رومال چیدہ باشد۔“ فقیر سیاح کہتا ہے کہ یہ تو امیر خسرو کی آملی ہوئی ’چیل بسولا لے گئی تو گلے سے پھتکون راب۔‘ نہا کر بدن رومال سے کون پونچھتا ہے اور کون کہتا ہے ؟ غسل اور حمام کا نہ برہان میں نام نہ قاطع میں ذکر۔ منشی جی کہیں سے فرہنگ رشیدی اٹھا لائے ہیں اور حمام و استحمام و چادر و مادر کو دکھلا رہے ہیں۔ ہم اس کو کب مانتے ہیں۔ رشیدی کے ادعا کو لغو جانتے ہیں۔ نہا کر بدن پونچھنے کے کپڑے کو لنگ یا چادر کہتے ہیں اور یہ ہندیوں میں اور عجیبوں میں مشترک ہے اور کہیں اوانگوچہ خاص اہل ہند کی بولی ہے۔ ان کپڑوں کو آجپین کہنا جھک مارنا ہے۔ آجپین اور رومال ان دونوں کا مسمل ایک ہے ، چاہو اپنا منہ پونچھو چاہے مردے کا بدن۔ آجپین فارسی قدیم ، رومال مستحدث۔ ہاں اگر مردے کے بدن پونچھنے کے کپڑے کو صرف آجپین کہتے ہوتے اور رومال نہ کہتے تو منشی جی کا قول معقول تھا۔ لیس فلیس۔ اور یہ جو منشی جی اچھلتے کودتے ہیں کہہ غالب فردوسی کو مسلم الثبوت نہیں جانتا اور اس کے کلام کو نہیں مانتا ، اہل علم و ہوش

سمجھ لیں گے کہ ”مصرع فردوسی مفید معنی حصر نیست“ یہ عبارت ہرگز فردوسی کے انکار کے معنی نہیں دیتی۔ ماقبل مصرع مذکور یہ فقرہ کہ ”مغلطہ تنہا نہ این بے چارہ را افتادہ دیکراں را نیز روئے دادہ است“ اس فقرہ میں این بیچارہ کا مشارالہ محمد حسین دکنی ہے اور دیکراں سے اور فرہنگ نویس مراد ہیں۔ فردوسی شاعر تھا فرہنگ نویس نہ تھا۔ مولانا غالب تخطیہ کرتے ہیں فرہنگ لکھنے والوں کے قیاس کا اور منشی جی اس کو فردوسی کا تخطیہ گبان کرتے ہیں۔ فقیر سیاح کے ایک بات یہاں خیال میں آئی ہے کہ محمد حسین دکنی فردوسی کے شعر کو نہ سمجھا اور منشی جی خان غالب کی اثر کے معنی الٹے سمجھے۔ غلط فہمی کی صفت بین الصاحبین مشترک ہوئی اور یہ بات ثابت ہے کہ دکنی استاد اور منشی شاگرد ہے اور یہ بھی متفق علیہ جمہور ہے کہ شاگرد بیٹے کی جگہ اور استاد باپ کی جگہ ہوتا ہے۔ پس اب چاہیے کہ اس مقام پر ’الولد سر لایہ‘ کہیں گے اور منشی جی خوش ہو کر ہم کو سلام کریں اور ’لاریب فیہ‘ کہیں۔ ایک راوی ثنہ ناقل تھا کہ کسی شخص نے فہم الدولہ بہادر سے پوچھا کہ تم کیا فردوسی کے کلام کے منکر ہو۔ نواب صاحب نے ہنس کر کہا کہ میرے نزدیک فن سخن میں فردوسی کا کلام ایسا ہے جیسا کہ امور دینی میں آیت اور حدیث۔ جو فارسی شعر کہے یا فارسی اثر لکھے اور فردوسی کو سند نہ جانے اس کا حال و مال بعینہ وہ ہے جو منکر آیت و حدیث کا مال ہو۔ دیکھو منشی جی لعنة الله علی الکاذبین اور لعنة الله علی الکاذبین کا تازیانہ فردوسی کے منکروں کی اور غالب پر تہمت رکھنے والوں کی کیسی برابر کھال اڑا

رہا ہے۔ اور سیف الحق سیاح تو کیا کہہ رہا ہے؟ منشی جی کو کلام الہی سے کیا علاقہ؟ وہ جانیں اور مسلمہ کذاب یعنی محمد حسین دکنی جامع برہان قاطع۔ قصہ مختصر، منشی جی بعد از ہزار گونہ ہڈیاں کہتے ہیں: ”اطلاق آجین بر پارچہ نم چنیدہ از بدن مردہ مانع اطلاق آجین بر پارچہ نم چنیدہ از بدن زندہ نیست۔“ یا رب، اس فقیر طالب علم کے داد ملے۔ یہ فقرہ حضرت غالب کے کلام کا سراسر موید اور جامع برہان کے ادعا کا مبطل ہے یا نہیں؟ بلکہ خود منشی جی کے قول کا مکذب ہے۔ اوپر لکھ آئے ہیں کہ نہاکر کوئی رومال سے بدن کو نہیں ہونچھتا اور یہاں نیچے آکر آجین و رومال کے معترف ہوئے ہیں: ”بہ پارچہ نم چنیدہ از بدن زندہ۔“ پھر اس فقرے کے انجام میں لکھتے ہیں: ”پس حال آجین مانند لغات مشترکہ و اضداد گشت۔“ یارو، منشی جی تو ایک جاثانہ سراپا ناز ہیں۔ میں ان کے غنج و دلال کے قربان جاؤں، کوئی ان کو سمجھا دو کہ یہاں تخصیص مٹی ہے، لغت مسخ ہو کر منجملہ اضداد نہیں بن گیا۔ ہاں آجین جس طرح ہاتھ منہ کو خشک کرتا ہے اگر ہاتھ منہ کے بھگونے کا بھی آلہ ہوتا تو لغت اضداد میں سے ٹھہرتا۔ و الا فلا۔ اس چوتھے صفحے کے حاشیے پر منشی جی نے لکھا ہے: ”معرف و پیشگو آنست کہ در مجلس کسی را بشناسد۔“ یا رب، بشناسد بہ تختائے لغت کہاں کا ہے؟ ظاہر اذکن کا لغت ہے اور نقال دکنی سے سینہ بسینہ و شکم بشکم منشی جی کو پہنچا ہے۔ فعل لازمی کے متعدی بنانے کا دستور یہ ہے کہ مضارع میں سے مصدر بنا کر اس میں الف و نون بڑھاتے ہیں، جیسے گردد جو گشتن کا مضارع ہے اس میں سے گردیدن اور گردیدن سے گرداندن بناتے ہیں۔

اسی طرح شناختن کا مضارع شناسد - مصدر مضارع مفروض شناسیدن ، متعدی شناساندن - اس کا مضارع شناساند - نون کی جگہ تحتانی لکھنی حماقت محض ہے -

لطیفہ ۴ :

’فراز‘ صیغہ امر کا ہے ، ’فرازد‘ مضارع ، افراختن مصدر ہے - موافق قاعدہ کلیہ کے جب کوئی اسم اس کے ماقبل آئے تو فاعل کے معنی دیتا ہے ، جیسے سرفراز و گردن فراز - بمعنی مصدری بھی مستعمل ہے ، جیسے نشیب و فراز - یہی فراز عالی کا ترجمہ ہے ، فراز فلک ، یعنی بالائی فلک اور فرا اس کا مخفف ہے - در صورت تخفیف بلند و بلندی کے معنی متروک ہو جاتے ہیں - عالی کے معنی جس کا ترجمہ فارسی میں ہر اور ہندی میں اوپر ہے ، بحال و برقرار رہتے ہیں - اور واسطے افادہ حسن کلام کے زائد بھی آتا ہے - بعد اس تفصیل و توضیح کے مقصود اصلی میں کلام کیا جاتا ہے - درکھولنے کو فارسی میں درکشادن و در باز کردن کہتے ہیں اور دروازہ بند کرنے کو در بستن و در فراز کردن کہتے ہیں - یہ لغت اضداد میں سے نہیں - اگر اضداد میں سے ہوتا تو جہاں در کے ساتھ فراز کا لفظ لکھا پاتے ، پڑھنے والے قرینہ ڈھونڈتے پھرتے کہ آیا دروازہ کھلا ہے یا بند - قصہ کوتاہ برہان قاطع نے فراز کو اضداد میں سے لکھا ہے اور خارب سیف قاطع نے اس کلام کو رد کیا ہے - صاحب تپ عرق ہتھیار پکڑ کر میدان میں آیا ہے اور پانچ شمر ڈھونڈ کر لایا ہے اور ان اشعار کی رو سے ثابت کرنا چاہتا ہے کہ در فراز کنید ، کیواڑ کھول دو اور دروازہ بند کر لو ، دونوں

معنی دیتا ہے ۔ وہ ہانچ شعر پہلے لکھ لوں ، پھر اس باب میں
کلام کروں ۔ سعدی علیہ الرحمة :

بروے خود در طاع باز نتوان کرد
چو باز شد بدرشتی فراز نتوان کرد

حافظ رحمة الله علیہ :

صنعت مکن کہ ہر کہ محبت نہ راست باخت
عشقش بروے دل در معنی فراز کرد

کہال اسماعیل رحمة الله علیہ :

جہاں ہناہا از یمن دولت امروز
دہان فتنہ فراز است و چشم عافیہ باز

ان شعروں میں تو منشی جی فراز کو بمعنی کشادہ نہیں کہہ
سکتے ۔ رہا چوتھا شعر کہ یہ بھی استاد کا ہے اگرچہ منشی
جی نے پیش مصرع کی حشوم میں ”ارجہ کہ افکنده ایم“ ٹھونس
دیا ہے ، لیکن ہم صحیح لکھتے ہیں :

چو مطرح ارجہ سر افکنده ایم و بے سپرم
بہ ہشتے تو چو مسند شوم سینہ فراز

سبحان الله منشی سعادت علی گویا شعر کے قائل ہیں کہ
مصرع کی دھڑ سے صاف سر اڑا دیا ۔ قصہ مختصر اس شعر میں
مفتوح اور مسدود سے کچھ بحث نہیں ، فراز بمعنی بلند ہے اور
بلندی مسند کی صفت ہو سکتی ہے نہ کشادگی ۔ مسند عالی
مسموع ہے نہ مسند مفتوح و کشادہ ۔ یہ چار شعر خان

غالب کے کلام کے موید اور محمد حسین اور منشی جی کے قول کے مبطل و مکذب ہیں۔ اگر منشی جی کو سمجھ ہوتی تو یہ چار اشعار کبھی نہ لکھتے۔ جھگڑا سارا حافظ کے اس شعر پر ہے :

حضور مجلس انس است و دوست دان جمع اند
و ان یکاد بخوانید و در فراز کتید

ظاہر صاحب تب محرق نے یہ بحث بحران کے دن لکھی ہے کہ بے تکلف و بے مبالغہ سراسر ہڈیاں ہے۔ منشی جی خود نہ سمجھے ہوں گے کہ میں کیا بک رہا ہوں۔ آیات و احادیث عبارت میں درج کیے ہیں حالانکہ ان کے اندراج کا نہ موقع، نہ محل، نہ فائدہ۔ مع ہذا عبارت بھونڈی، روزمرہ فارسی نصیب اعدا۔ روابط ایسے مفقود جیسے گدھے کے سر پر سے سینک۔ ایک فقرے کا مفہوم فقرے کی نفیض۔ نقل کفر کفر نباشد۔ ناچار اس ناہکار عبارت میں سے دو چار فقرے لکھنے پڑے۔ ایک جگہ آپ لکھتے ہیں : ”احباب مجلس انس کہ یک حال و قال و شنیدن سماع و سرود و خور و نوشی شراب و کباب مست۔“ عبارت کی خوبی وجدانی ہے، اہل بصیرت ہادی النظر میں معلوم کر لیں گے۔ سیف الحق کی مراد یہ ہے کہ منشی جی مجلس انس کو بزم شراب مان گئے ہیں۔ آگے بڑھ کر لکھتے ہیں کہ ”در باز کردن این نکته ایست کہ تا کسے مشاہدہ حال مجلس نمی پردازد، شریک و شامل افعال و اقوال آن مجلس نمی گردد۔“ ایہا الناظرین العبصرین ! سابق کے فقرے سے اس فقرے کو ربط دے کر دیکھو کہ وہ پیر ناہبالغ، معنی منشی انشا نا آشنا صریح ترغیب فسق

وفجور کرتا ہے اور پھر فرماتا ہے : ”بہیں اسباب علماء و مشائخ
از آمدن بیگانه در محفل وعظ و حال منع نمی فرمایند کہ تا اکنون
مردمان از بشنیدن و دیدن بعلقہ شریعت و طریقت می در آیند ۔
ہیں اگر از اغیار ہم بعد در باز کردن حال اہل مشاہدہ کند و
بسوئے بزم گراید و ادراک کیفیت کردہ شامل حال و قال
اہل مجلس گردد عین مراد پیر چہاں دیدہ است ۔“ سیاح منصف کو
یہاں ایک شعر عامیانہ یاد آیا ہے ۔ منشی جی کی خرافات ،
عبارت کی لغویت ، مطالب کی موہومت دیکھ کر وہ شعر
لکھتا ہوں :

عارض کا چمکنا کہوں یا زلف کا چٹھنا
مسی کی اوواہٹ کہوں یا بان کی سرخی

مجلس انس آگے بزم شراب ٹھہر چکی ہے ، اب مجلس حال و قال
قرار پائی ۔ اس کو کون مانے گا اور ان دونوں مجلسوں کو
ایک کون جانے گا ۔ مجلس انس گویا بھانمتی کی کاغذی ٹوپی
ہے کہ بارہ ٹوپیوں کی ہیئت اس سے پیدا ہو جائے ۔ یہ
بندۂ خدا اتنا بھی تو نہیں جانتا کہ مجلس وعظ کی اور صورت
ہے اور مجلس حال کی اور حالت ہے ۔ اہل خرد سمجھیں گے
کہ منشی جی کس بات پر الجھے ہیں ۔ آخر فراز کو اضداد
میں سے جانتے اور فراز کردن کو ذومعین مانتے ہیں ، پھر
اتنا کیوں نہیں پہچانتے ہیں کہ جس گھر میں فسق و فجور
کی مجلس ہو اس کا دروازہ بند کر لیتے ہیں یا کھلا رہنے
دیتے ہیں ۔ قرینہ کیا چاہتا ہے اور اقتضائے مقام کیا ہے ؟
یہاں ایک اور دقیقہ ہے ۔ منشی جی تو خاک سمجھیں گے ، میں
ضیافت اہل علم و عقل کے واسطے تقریر بڑھاتا ہوں ۔ در

فراز کنید ، دروازہ کھول دو کے معنی جب دے گا کہ پہلے سے دروازہ بند ہوگا ۔ پس اگر دروازہ بند تھا تو دوست کدھر سے آگئے کہ بعد ان کے اجتماع کے افتتاح باب کا حکم صادر ہوتا ہے ۔ ہارے اس شعر میں بھی یہ قرائن و دلائل در فراز کنید کے معنی یہی ثابت ہوئے کہ دروازہ بند کر دو ۔ اے سیف الحق سیاح ! اب تیری خامہ فرسائی کی کچھ حاجت نہیں ۔ منشی جی عالم تصور میں بزم شراب کو دیکھ آئے ، جیسا کہ فرماتے ہیں ”مجلس آنس و بزم احباب و حرکات دوستان بے تکلف را خامہ در بزم شراب چنان در ضمیر نقش بستم کہ گویا مجلس آنس را پیش نظر داشتم۔“ دوستان بے تکلف کی حرکات بزم شراب میں سب جانتے ہیں کہ کیا ہیں ۔ فحش ، لات ، مکے ، جوتی ہزار ۔ پھلا صاحب بڑی بات ہوئی کہ منشی جی گالی گلوٹ سن آئے ، دھبے میں شریک ہو آئے ، متنبہ ہو گئے کہ اب ایسی مجلس میں دروازہ کھولنے کا حکم نہ دیں گے بلکہ بند کروائیں گے اور قفل اندر سے لکوائیں گے۔ آیت ’وان بکاد‘ کی شان نزول اور حدیث شریف کا خارج از مبحث اور شور چشم کا شور ، کوئے کی کائیں کائیں ، ان کی طرف التفات تضحیح اوقات ۔ اتنی اطلاع ضرور ہے کہ محب کی نظر محبوب کو ، والدین کی نظر اولاد کو ، صاحب متاع کی نظر متاع کو لگ جاتی ہے اور عقیدہ متفق علیہ جمہوری اس بحث میں بوجہ کا بتا دے کہ منشی جی جامن کھانے چلے گئے اور آلوسیہ کا جھکڑا نکالا ۔ مجھ کو آلوسیہ کے لفظ میں آلوسیہ کی صورت نظر آئی ۔ مترجم و متفر بہاگا ۔ بھاگتے ہی آویزہ میں الجھا۔ اب اس آویزش کی حقیقت سنو ۔

جامع برہان قاطع لکھتا ہے ”آویزہ بروزن ہساکیزہ گوشوارہ گویند۔“ یہ تقریر اس کی غلطی ہے کہ آویزہ کو بہ افراد گوشوارہ لکھا، حالانکہ آویزہ مخصوص ہکوش نہیں۔ تاج و چتر و کلاہ بلکہ ہاتھی کی جھول اور گھوڑے کی زین پوش میں بھی لگاتے ہیں۔ خان غالب لکھتے ہیں : ”حاشا کہ آویزہ و گوشوارہ یکے تواند بود۔“ اس ادعا کو کون غلط کہہ سکتا ہے۔ واقعی آویزہ و گوشوارہ ایک چیز نہیں۔ یہاں تک تو ٹھیک مگر نجم الدولہ بہادر لکھتے ہیں کہ ”گوشوارہ چیز بست زر نگار یا مرصع بجواہر آبدار کہ بر دستار پیچند و آویزہ پیرایہ است کہ در نرمہ گوش سوراخ کنند و آن پیرایہ را دران اندازند تا آویزاں باشد۔“ قصد اچھا، بیان قصد کے خلاف ہے۔ چاہے تھا کہ آویزہ کی تخصیص بتاتے اور اس کی تعیم میں کلام کرتے نہ کہ گوشوارہ کے اصل معنی چھوڑ کر گوشوارہ اصطلاحی کا ذکر کیا اور آویزہ کے معرف اس نہج پر ہوئے کہ دیکھنے والا گمان کرے کہ شاید آویزہ زیور گوش ہے۔ بالتخصیص خدا کی قدرت، ایسا صاحب کمال عظیم المثال ایک سہل تقریر میں دو مغالطے کھائے۔ ہاں انسان جائز الخطا ہے خصوصاً ستر برس کا آدمی۔ فقیر سیاح تو یہ کہتا ہے کہ حضرت غالب کے حسن تحریر پر ان کے ہم نشینوں میں سے کسی کی نظر آنے لگی۔ چلو اچھا ہوا کہ آپ سے ہمہ دان عظیم النظیر سے بسبب سہو و غفلت کے ہزار بات میں دو باتیں ایسی بھی ہوئیں کہ جس سے منشی جی کا دل خوش ہوا اور یقین ہے کہ میان محمد حسین دکنی کی روح خوش ہوئی ہوگی۔ دوسرا مغالطہ جو اس محقق

اکمل کو واقع ہوا ہے وہ یہ ہے : اسف کی مشتقات کو افسوس کی مشتقات میں سے لکھا ہے ۔ یہ سہو طبیعت ہے ، قصور فہم نہیں ہے ۔ اکابر امت کو مسائل فقہ اور مناظرہ فن کلام میں ایسی سہو واقع ہوئی ہیں ۔ علامہ تفتازانی کو سید جرجانی سے مقولہ علم میں تا دہر سکوت رہا ہے اور صاحب متن کیدانی کو ایسا نا ہموار مغالطہ پیش آیا ہے کہ اس نے اشارۃً سیابہ فی التحيات کو یہ آن کہ مسنون ہے عمرات صلوة میں لکھا ہے ۔ نہ اس سکوت سے علامہ تفتازانی کی تصدیق لازم آتی ہے نہ اس بیان سے صاحب متن کیدانی کی تکفیر ہوسکتی ہے ۔ شعرا کے اشعار میں اور بلغا کی عبارات میں بشرط تفحص و غور بہت ایسے سہو خلل پائے جائیں گے ۔ حضرت سعدی علیہ الرحمة ۔

ہمرہ اگر شتاب کند ہمرہ تو نیست
دل در کسے میند کہ دل بستہ تو نیست

مولوی جامی علیہ الرحمة :

ہرو این دام بر مرغ و گرنہ
کہ عنقا را بلند است آشیانہ

ان دونوں شعروں میں ہائے اصلی و ہائے مخفی کا قافیہ ۔
خواجہ حافظ علیہ الرحمة :

صلاح کار کجا و من خراب کجا
بہہ این تفاوت رہ از کجاست تا بہ کجا

اس شعر میں روئے متحرک قافیہ ۔

نصیب اعدا سیف الحق کا مقصود یہ ہے کہ یہ جو

مولانا غالب کو دو سہو واقع ہوئے ہیں اسی قبیل سے ہیں جیسے آن از رنگوں کو عارض ہوئے ہیں اور یہ ماہرین فن کے نزدیک سہو طبیعت ہے۔ یہ بات جواز الزام و اعتراض کے لیے حجت نہیں ہو سکتی ہے۔ مع هذا غالب کا بیان ہے کہ جامع برہان قاطع نے افسوس بروزن مینوش اور فسوس بر وزن عروس کو لغت واحد سمجھا ہے اور یہ خطا ہے۔ افسوس بمعنی دریغ و حسرت جداگانہ لغت اور فسوس بمعنی استمہزا جداگانہ لغت ہے۔ اور یہ جو نواب صاحب افسوس کو لغت عربی لکھ گئے ہیں سہو طبیعت ہے۔ عربی نہ سہی، فارسی سہی لیکن دکنی کا ہستور حقی ثابت رہا کہ اس نے افسوس و فسوس کا تفرقہ ملحوظ نہ رکھا۔

الطیفہ ۶ :

یہاں مجھے تین عبارتیں یا خلاصہ ان کا لکھنا پڑا۔ برہان قاطع ”اشار با شین نقطہ دار بمعنی افشردن باشد یعنی آب بزور دست از چوڑے گرفتن در پزندہ و ریختن پے در پے را نیز گویند و امر بدو بے معنی نیز هست یعنی بخلا و افشار و بریز و بمعنی مدد و معاون و شریک و رفیق نیز گفته اند معجو دزد افشار و نام طائفہ ہم هست از ترکان قاطع برہان صیفہ امر را بمعنی مصدر و فاعل آوردن و پایاں کار بسوے معنی امر ایما کردن سکھ اوست، آن را تا کجا گویم؟ آئینہ از لفتن نیز نیست این است کہ افشردن و فشردن بمعنی ریختن و خلانیدن زہار نیست و بیش از سہ معنی ندارد۔ یکے از جامہ نمناک یا از میوہ تازہ آب گرفتن، ہندی آن نچوڑنا۔ دوم بزور در آغوش گرفتن یا بسہ شکنجہ کشیدن، ہندی بھیجننا۔ سہ دیگر چون ہاپائے یا با اقدام استعمال کنند معنی استوار کردن

و ہندی آن کاڑھنا ۔ ایس شوریدہ مغز اڑیں دو معنی صحیح
 یعنی در کنار گرفتن و استوار کردن قطع نظر کرد و دو معنی
 غریب یعنی ریختن و خلانیدن آورد ۔ ہر آئینہ موافق مذهب
 وے فشار قبر کہ ترجمہ ضغطہ است سہل افتاد۔“ عرق کی
 عبارت کو لکھنا قلم کا منہ کالا کرنا ہے ۔ ہاں بقدر ضرورت
 ناچار لکھوں گا ۔ جس صاحب کو وہ ہفوات سب دیکھنے
 منظور ہوں ۱۲ صفحہ کی دوسری سطر سے ۱۵ صفحہ کی
 پانچویں سطر تک معائنہ فرمائے ۔ اب میں کہتا ہوں کہ
 خان غالب کا اعتراض یہ ہے کہ جب فشردن کے معنی ریختن
 و خلانیدن لہرے تو اس صورت میں اس کے مذهب کے موافق
 فشار قبر کے معنی رہ گیا ۔ قبر بزور پانی نہیں یعنی قبر میں ریختن
 و خلانیدن کی صفت نہیں ہے ۔ اس اعتراض کا واقعی اگر منصف
 ہے تو معترض کے کلام کو تسلیم کرے اور بحث ہے تو
 آب گرفتن و ریختن و خلانیدن سے فشار قبر ثابت کرے اور
 یہ جو وہ لکھتا ہے کہ ”فشار از فشاردن و افشار از افشاردن
 صیغہ امر است لاکن ہر گاہ کہ فشار و افشار بسوئے قبر
 مضاف سازند و گویند کہ فشار قبر ہکسر را دریں
 صورت فشر بمعنی مصدر خواہد بود یعنی تنگ گرفتن قبر۔“
 بوڑھا خرا جنازے کے ساتھ اسی کو کہنے ہیں ۔ صیغہ ہائے امر
 کا استعمال بمعنی حاصل بالمصدر اور اسم کے ساتھ ترکیب پانے
 سے معنی فاعل کا پیدا ہونا دنیا میں کون ہے جو نہیں جانتا
 اور فشار قبر کو کون ہے جو صحیح نہیں مانتا ۔ فشردن کے
 معنی تنگ گرفتن اس دکنی نے کہاں لکھے ہیں؟ آب گرفتن
 و ریختن و خلانیدن سے فشار قبر کے معنی ثابت کرنے چاہئیں۔
 منشی جی نے تنگ گرفتن لکھ دیا تو کیا ہوا ۔ برہان قاطع

والا تو پانی لیتا ہے اور گراتا ہے اور چھوٹا ہے۔ عبارت برہان قاطع سے تنگ گرفتار ثابت ہو تب اعتراض رفع ہو۔ مائن فید پہلے سمجھ لیتے ہیں تب عجیب ہوتے ہیں۔ سوال دیگر جواب دیگر۔ علم تو معلوم یہاں تمیز ہی نصیب اعدا ہے۔ اور منشی جی لکھتے ہیں کہ ”صاحب فرہنگ رشیدی فشاردن و انشاردن بمعنی خلانیدن و ہرزہ و فحش گفتن آوردہ۔ چنانکہ شعر مولوی می نویسند :

ایں چہ کفر است ایں چہ ژاڑ ہست و فشار
ہنبہ اندر دھان خود بفشار

صاحب فرہنگ رشیدی نے پانی لینا اور گراتا چھوڑ دیا چھوٹا رہنے دیا اور ہرزہ و فحش بڑھا دیا۔ مولوی کے شعر کو ہم معتمد علیہ اور مسلم الثبوت جانتے ہیں، رشیدی کے قیاس کو کب مانتے ہیں؟ چاہتا ہوں کہ مختصر اور موجز لکھوں مگر موقع ایسا ہی آ پڑا ہے کہ تقریر کو طویل دے بغیر نہیں بنتی۔

نالہ را ہر چند می خواہم کہ پناہاں ہر کشم
سینہ می گوید کہہ من تنگ آمدم فریاد کن

میاں سر رشتہ دار معزول! سنو، ژاڑ و ہرزہ بے شک مرادف ہم دگر ہیں یعنی سخنہائے بے اصل و بیوج۔ ہرزہ و فحش مرادف بالمعنی کیوں کر ہوئے۔ فحش وہ گفتار ہے جس میں مرد و عورت کے اندام نہانی کا نام آنے اور جو رو بہتی ہتی جائے۔ فشار کے یہ معنی زنہار نہیں ہیں۔ مولوی کے دونوں مصرعوں میں فشار یہ، معنی تنگ گرفتار و استوار کردن ہے۔ پہلے

مصرع میں یہ معنی حاصل بالمصدر، چون کہ ”تنگ گرفتار“ موجب حصول رنج و آزار ہے، یہاں ”فشار“ کے معنی رنج و آزار دادن ہیں، ہندی جس کی ستانا۔ دوسرے مصرع میں یہ معنی حقہ یعنی محکم کن، ہندی جس کی مضبوط ٹھونس دے۔ پس یہ فقرہ منشی جی کا ”معنی“ فشار کہ صیغہ امر است بخلان ست، یعنی ”ہنبہ فرو بر“ ہڈیاں محض ہے۔ بخلان کی ہندی ”چبھو دے“ ہو سکتی ہے ”فرو بر“ کیوں کر ہوئی؟ فرو بر کی ہندی ہے نکل جا۔ بہر حال ”ہنبہ در دھن بخلافت و فروبر“ کے معنی یہ ہوئے کہ روئے منہ میں چبھو اور نکل جا، جیسا کہ شاعر کہتا ہے :

تھوڑی سی روئی دھن سے لے آ

منہ میں چبھو دے اور نکل جا

اللہی روئی کاٹا ہے جس پر چبھونا صادق آئے؟ کوئی ملائی کا نوالہ ہے آدمی جس کو نکل جائے؟ یہاں ایک اور مزا ہے :

ابن چہ کفر است وجہ زائر است و فشار

یہ مصرع مولوی روم کی مثنوی کی بھرا ہے۔ دوسرا مصرع

ہنبہ اندر دھان خود بفشار

حکیم سنائی کے حدیث کی بھرا ہے۔ اصل مصرع یوں ہے :

”ہنبہ اندر دھان خود فشار“ مگر چون کہ منشی جی دکنی کے

دستور کے موافق صیغہ امر سے بے اضافہ ہائے زائدہ معنی

مقصودہ استخراج نہیں کر سکتے اور طبیعت موزوں نہیں ہے

جو تقطیع کا خیال کرتی، بے تکلف فشار کی جگہ بفشار لکھ گئے

اور یہ جو منشی جی از روئے مدار الافاضل فشار بہ معنی

حامی و مددگار لکھتے ہیں، اس سے صرف یہ ثابت ہوا کہ یہاں

صاحب مدارالافاضل کو بھی مغالطہ ہوا ہے ۔ کہاں افشار ، کہاں مددگار ۔ افشار صیغہ امر کا ہے اور قاعدۂ کلیۃ فارسی کے موافق اسم کے ساتھ ترکیب پا کر افادۂ معنی فاعلیت کرتا ہے اور مغول ایرانیہ میں ایک قوم کا نام بھی افشار ہے ۔ ہم اب سیاح غریب منشی جی سے پوچھتا ہے کہ یہ جو تم نے مولوی معنوی کا شعر لکھا ہے :

دلہ دزد و نظر او دزد و آن دزد
عجب آن دزد دزد افشار چونست

دوسرے مصرع کے معنی میں بتاتا ہوں ۔ دزد موصوف دزد افشار صفت ، یعنی چور بھی ہے اور چور سے از راہ زبردستی مال مسروٹہ چھین بھی لیتا ہے ۔ یہاں کوئی سخن فہم دزد افشار کے معنی حامی ” دزد نہ کہے گا ، کسی واسطے کہ مولوی صاحب از راہ استعجاب لکھتے ہیں ” دزد دزد افشار “ ۔ پس اگر حامی کے معنی لیے جائیں تو تعجب کا بل نہ رہا ۔ چور البتہ مددگار اور شریک چوری کا ہوتا ہے ۔

بعد اس ہوش افزا شرح کے میں متوقع ہوں کہ پہلا مصرع منشی جی مجھ کو پڑھا دیں اور معنی اس کے سمجھا دیں ۔

لطیفہ ۷

اے منشیِ خیرہ سر ، سخن ساز نہ ہو
عصفور ہے تو مقابل باز نہ ہو
آواز تری نکلے اور آواز کے ساتھ
لاٹھی وہ لکے کہ جس میں آواز نہ ہو

انگشہ و انگشتہ کی بحث سزاوار التفات نہیں ۔ میں نے انگشتہ کے ہم وزن کو دیکھا تو خربشتہ

نظر آیا ۔ ناچار وہاں سے بھاگا ، مگر نہیں جانتا کہ خاور کو جاتا ہوں یا باختر کو ۔ اگر کہوں خاور سے بھاگا اور باختر کو کہا تو مستمع سمٹ کو ہرگز نہ سمجھے گا اور متردد رہے گا کہ

آیا سیاح مشرق سے بھاگ کر مغرب کو گیا یا بالعکس ۔ منشی سعادت علی صاحب ۔ ” بڑا غضب کیا کہ خاور اور باختر کو ایک کر دیا ۔ میں جو سیاح ہوں ، اگر کسی سے فارسی میں کہوں گا کہ ”در اقصای ملک خاور شہرے دیدم“ ، سننے والا کس قرینے سے سمجھے گا کہ وہ شہر انتہائے مشرق میں ہے یا انتہائے مغرب میں ؟ مگر مجھ سے پوچھے گا تو ناچار مجھ کو مشرق کہنا پڑے گا اور فارسی کا ترجمہ عربی میں کرنا ہوگا ، یہ بھی گفتگوئے زبانی میں ۔ اگر مثلاً میں کسی دوست کو خط میں لکھوں گا کہ ”در ملک باختر ابن مصیبت گزشت“ یا ”در ملک باختر ابن قاعدہ و رسم دیدم“ مکتوب الیہ کیا جانے گا کہ کاتب خط کو مشرق مقصود ہے یا مغرب ؟ اب جب وہ پھر خط لکھے اور میں عربی میں باختر کا ترجمہ لکھ بھیجوں ، تب جھکڑا چکے ۔ مرزا صاحب نے کس عبارت بلیغ سے اس مقدمے کو لکھا ہے ۔ کوئی نہ سمجھے تو اس کے فہم کا قصور ہے ۔ منشی جی جو آیات کلام الہی میں الفاظ متضادہ کے وجود کی سند لائے ہیں ان کا ہرگز موقع ، محل نہیں ہے ۔ آیا حضرت سمجھے نہیں کہ آفتاب اور سونا اور آنکھ اور چشمہ ضد ہم دگر نہیں ہیں ؟ صفت نور و ضیا آفتاب اور سونے اور آنکھ میں مشترک ہے اور روانی چشمہ و آفتاب میں ۔ ”عین“

اضداد میں سے جب ہوتا کہ تقابل و تضاد پایا جاتا ۔ ”عین“ لفظ کثیر المعنی ہے ۔ لفظ کثیر المعنی کو اضداد میں سے شمار کرنا خلق کو اپنے اوپر ہنسانا ہے ، جس کو جگ ہنسائی کہتے ہیں ۔

صاحب ”صراح“ کا قول میرے مفید مطالب ہے۔ وہی آنکھ کے معنی بیان بھی ماحوظ ہیں اور اگر آنکھ کی پتلی کو آنکھ سے جدا سمجھیں گے تو ایک معنی اور پیدا ہو جائیں گے۔ کثرت معنی بڑھ جائے گی، نہ کہ ضدیت پیدا ہوگی۔ اعداد میں سے جب ٹومہرے کہہ جیسا آفتاب کو کہتے ہیں کسوف کو بھی کہتے ہوں۔ رہے اشعار ان میں انوری کا شعر مرزا صاحب کے کلام کا مؤید ہے :

وے ز خاک خاوران چون ذرہ مجھول آمدہ
گشت امروز اندر و چون آفتابِ خاوری

خاوران نام شہر کا، بلاد شرقیہ ایران سے ہے۔ آفتاب خاوری وہی آفتاب مشرقی ہے۔ کوئی سخن فہم اس شعر میں سے خاور کے معنی مغرب کے ثابت کر دے یا آفتاب خاوری کو آفتاب مغربی بتا دے تو ہم جانیں۔ منشی جی اگر خاوران کو سمجھیں گے کہہ کوئی شہر مغرب میں ہوگا، ہم کہتے ہیں احتمال کے کیا معنی؟ بلد غریبہ کو خاوران نہ کہیں گے۔ دلیل اس کی یہ کہ انوری۔ اس قصیدے میں اوپر اپنا نام لکھ دیا ہے۔ آمدہ منسوب بہ انوری ہے اور انوری کا وطن خاوران ہے۔ خاوران کو خاور بھی کہتے ہیں۔ چنانچہ ابتدا میں خاوری تخلص کرتا تھا، پھر بدل کر انوری تخلص رکھا۔ دوستوں نے ہوجھا کہ تخلص کیوں بدلا؟ انوری نے کہا کہ خاوری میں یہ ابہام نکلتا ہے کہ خے اور رے ان دونوں حرفوں کا معمول خر ہے، اس لیے میں۔ تخلص بدلا۔ غرض کہ انوری کا شعر مثبت ہے مرزا صاحب کے کلام کا اور مبطل ہے منشی جی کے ادعا کا۔

چو خورشید سر بر زد از باختر
سیاہی بہ خاور فرو برد سر
چو برزد دو فتنہ از باختر
دواج سیدہ را سفید آستر
چو مہر آورد سوے خاور گریغ
ہم از باختر برزند باز تیغ

ان تینوں شعروں میں خاور سے مغرب مراد ہے اور باختر سے مراد مشرق ہے۔ ہم نے اس کو اس طرح سے مانا کہ اس زمانے تک یعنی سلطان محمود غزنوی کے وقت کے شعرا یوں بھی لکھتے تھے۔ بعد اس کے حکیم سنائی غزنوی و ناصر خسرو عاوی ، خاقانی و انوری اور ان کے معاصرین اور آگے چل کر مولوی روم و سعدی و نظامی و غیر ہم ، ان کے کلام میں کہیں یہ ڈھنگ نہیں پایا جاتا اور جن کے میں نے نام لیے ہیں اگرچہ شعرا سے سلطنت سلطان محمود سے متاخر ہیں ، لیکن علم و فضل میں ان کے ہم سر ہیں۔ انہوں نے یہ دستور جائز نہ رکھا۔ فی الجملہ یہ مقام قابلِ طالب ہے ، بشرطیکہ متامل منصف بھی ہو۔ فارسی قدیم ڈیابغخانہ بہ عربی جو پیش از اجتماع عرب و عجم ایران میں مروج تھی ، اس میں خاور کا مسمیٰ مشرق اور باختر کا مسمیٰ مغرب تھا۔ سامان ہنجم نے دسانیر میں کئی جگہ خاور بہ معنی مشرق و باختر بہ معنی مغرب لکھا ہے۔ جب فارسی بخت لسان عرب سے مختلط ہو کر ایک نیا اردو بنا اور اکابر عرب و عجم نے اس اردو زبان میں شعر کہنا اختیار کیا ، پہلے پہل دو تین صاحبوں نے مشرق و مغرب و خاور و باختر کو مخلوط کر دیا۔

نہ بہت دیر بلکہ چند روز کے بعد اسی ہائے کے اشخاص کی رائے میں یہ آیا کہ کون قرینے ڈھونڈھا کرے اور کیوں ان دو لغتوں کو بے سرو پا کرائیں۔ بدعت کو اٹھایا اور معنی حقیقی اصلی کا استعمال رکھا۔ صدق ہاسمی اسد اللہ الغالب، خاور بمعنی مشرق است و باختر تعنی مغرب و قول دکنی مردود۔

لطیفہ ۸

اس کا بیان ”عرق قاطع برہان“ کے ۲۱ صفحے سے ۲۸ صفحے تک ہے اور اس لطیفے میں مزہ ہائے غیر مکرر ہیں۔ منشی جی کی نا ظرین پر بڑی عنایت کی نظر ہے کہ مرزا صاحب نے عبارت - ۲۱ صفحے میں یہ استیفا لکھ کر اپنے ارشادات لکھے ہیں۔ پہلے مرزا صاحب پر ہنستے ہیں کہ یہ نوالہوس کو بے واؤ لکھتے ہیں۔ فرہنگ جہانگیری میں تو دیکھو، کہ کیا مرقوم ہے۔ اگر فرہنگ جہانگیری میں بے واؤ لکھا ہو تو فرہنگ جہانگیری والا منشی جی کا بڑا مطاع ہے۔ خود بخور کریں کہ یہ اعتراض کہاں پہنچتا ہے؟ منشی جی اس تو کہیں خاص کے باب میں مرزا صاحب کو جس قدر ملامت کریں گے، وہ سراسر جامع فرہنگ جہانگیری کی طرف عائد ہوگی اور جواب بھی اس کے ذمے ہوگا۔ پھر نظیری زمانہ غالب یگانہ سے الجھتے ہیں کہ تو نے سیرابی بیان کیوں لکھا؟ سیرابی نبات و حیوان و انسان کے واسطے ہے، نہ بیان کے واسطے۔ منشی جی فن استعارہ سے آگاہ نہیں ہیں، جو چاہیں سو کہیں۔ اس کے نظائر ہزار ہیں۔ منشی جی کو مقدمات کی مثلین فراہم کرنے سے اور مستفیضوں کے عرائض پر حکم چڑھانے سے فرصت کہاں ملی ہوگی کہ سیرکتب کی ہوگی۔ شگفتگی جبین کی اور زمین

شعر کی صفت پڑتی ہے حالانکہ نہ جبین پھول ہے ، نہ شعر کی زمین - منشی جی تمہیں اپنے ایمان کی قسم ، شاعر کو رنگیں بیاں کہیں لکھا دیکھا ہے تو اس کو جائز رکھا ہے یا نہیں ؟ پس اگر رنگینی بیاں جائز ہے تو سیرابی بیاں بھی جائز ہے - بقول تمہارے بیان نہ سبزہ ہے نہ جانور ، نہ آدمی ، پھر سیراب کیوں کر ہوا ؟ اسی طرح بیاں پھول ہے نہ رنگا ہوا کپڑا ، پھر رنگین کیوں کر ہوا ؟ بیاں کی خوبی کی صفت ہے رنگینی بھی اور سیرابی بھی - اغلب ہے کہ حضرت غالب مفلوب الغضب ہیں - دکنی کے ایسے پریشان بیانوں پر غصہ آگیا ہے ، تب اس کی تحقیق میں کلمات سخت کہے ہیں - فقیر حلیم و بردبار ہے ، قہر درویش بجان درویش پر عمل کر کے جواب لکھے جاتا ہے - سیرابی بیاں کے ناجائز ہونے کا تو مجھے جواب بھی لکھنا ضروری نہ تھا - کون پڑھا لکھا آدمی ہوگا کہ عرق کے صفحہ ۶۳ کو پڑھ کر منشی جی کی ہیچ مدانی اور آشفته بیانی کا معترف نہ ہوگا - یقین ہے کہ مرزا صاحب ان عبارتوں کو دیکھ کر عرق کا یہ شعر پڑھتے ہوں گے :

ہامسن از جہل معارض شدہ نا منفعل

کہ گرش ہجوکنم این بودش مدح عظیم

منشی جی کی عبارت کی نقل کوئی بھانڈ کرے - اہل افشا ایسا مسخر کیوں کریں گے ؟

خلاصہ یہ کہ منشی جی بہ پریشیدن اور بہ پساویدن اور پيسودن^۱ کے ماقبل جو ہائے موحده ہے اس کو

۱۔ پسودن : مص (بہ کسر ہائے اول و سکون ہائے دوم) پسودن دست و حالیدن دست ، دست زدن بہ چیزے ، پسودن و پسودن و پسودن ہم گفته شدہ - (فرہنگ عمید ص ۲۳۸)

جزو کامہ کہتے ہیں۔ اور یہ منشی جی کی اچھل کود مرزا صاحب کی اس عبارت پر ہے، ”ہائے“ صیغہ امر است از پائیدن بہ اضافہ ہائے زائدہ۔ ہمہ کس داند کہ ہائے زائدہ از اجزائے اصلی صیغہ امر نیست۔“ چون کہ یہ کلمات منشی جی نے مع جوابات ۲۳ صفحے سے ۲۶ صفحے تک تب محرق میں لکھے ہیں، میں نے مکرر لکھنے کو باعث صداع ناظرین سمجھ کر جواب الجواب پر قناعت کی۔ ”مصر مفید، منشی پاگل کہتا ہے کہ ہیسودن بمعنی لمس و مساس ہے اور اس میں ہائے موحده جزو کامہ ہے۔ جیسا کہ لکھا ہے ”تا کجا نگارم و از کہ گویم کہ در ہیسودن و ہساویدن“ ہائے موحده زائدہ نیست بل جز لفظ است۔“

اے اہلِ بزم کوئی تو بولو خدا لگی
 ”از کہ گویم“ کس منکر کی نازی ہے۔ ”یہ کہ گویم“ و ”ہا کہ گویم“ چاہیے۔ اس سے بڑھ کر ”بل جز لفظ است“ کے کیا معنی؟ جزو لفظ مع واو لکھنا چاہیے تھا۔ جز۔۔ واو جب لفظ کے پہلے آیا تو سوا کے معنی دے گا۔ ہندی اس کی یہ ہوگی کہ ہائے موحده سوائے لفظ کے ہے اور یہ اقرار ہے موحده کے زائد ہونے کا۔ سبحان اللہ، کلمہ حق کی کیا شوکت اور جلالت ہے کہ منکر کے قلم پر بھی جاری ہو گیا۔ ع
 تا سبہ روئے شود ہر کہ دران غش باشد

اور یہ جو شعرا کے وہ شعر کہ جس میں صیغہ ہائے مضارع بہ اضافہ ہائے زائدہ مرقوم ہیں، سند لایا ہے، یہ اشعار جب لکھے ہو۔ کہ خان غالب صیغہ مضارع کے مقابل موحده کے آنے کے

۲۔ ہساویدن : ہس (یہ کسر یا) ہسودن دست مالیدن ، لمس کردن ، سودن ، ہساویدن ہم گفتہ شدہ۔
 (فرہنگ عمید ص ۲۶۵)۔ مراتب

مانع ہوئے۔ صیغہ مضارع مع موحده یہ نہیں چاہتا کہ یہ حرف زائدہ اصلی ہو گیا ہو اور مصدر میں بھی اس کے اصلیت سراپت کر گئی ہو۔ ”برود“ و ”بنزید“ و ”بگوید“ سے یہ کب ہوتا ہے کہ مصدر بر رفتن و بنمودن و بگفتن ہو، پسودان کو اسم فاعل اور الف نون کو علامت فاعلیت لکھتا ہے۔ صاحبوا! خان غالب یہاں کیا کرے، مگر یہ کہ تم سے داد چاہے؟ موحده کو دور کر کے بھی دیکھو تو پسودان صیغہ فاعل نہیں ہو سکتا اور یہ الف نون حالیہ بھی نہیں قرار پاتا۔ حضرت غالب نے تنک آ کر دیوان قواف کی زبان کا لفظ ٹھہرایا۔ اسی ضمن میں کہا جاتا ہے کہ منشی الف و نون حالیہ کے وجود کا معترف نہیں۔ ”ہارِ عجم“ اور اس کے بعد فی زمانہ چھوٹے چھوٹے رسالے قواعد فارسی کے جو چھاپا ہوئے ہیں، ان میں کوئی رسالہ ایسا نہیں جس میں الف نون حالیہ کا ذکر نہ ہو۔ اس سے بڑھ کر بسہ بات کہ الف نون کو علامت فاعلیت جانتا ہے اور نہیں جانتا کہ مجرد الف فاعل کا ہے اور الف نون حالیہ ہے۔ ”رخشا“، چمکنے والا، ”رخشان“ چمکتا ہوا۔ روا چلنے والا، رواں چلتا ہوا۔ اس کے نظائر اگر کوئی ڈھونڈے تو دس ہزار سے کم نہ مائیں گے۔ اسامے جامدہ فارسی میں الف نون جمع کا ضرور آتا ہے، جیسے درختان و اسبیاں۔ منشی جی نے یہ طریق قیاس مع الفارق صیغہ ہائے امر کے بعد کے الف نون کو بھی کہہ وہ دراصل حالیہ ہے، جمع کا الف نون سمجھ لیا ہے۔ یارب! میرے کسن اعمال کی مکافات ہے جو مجھ کو ایسی اعجب المخلوقات سے ہالا پڑا ہے۔ مقدمات علمی میں منشی جی کا دخل بعینہ ایسا ہے جیسا مسموعات میں بندر کا شطرنج کھیلنا

اور مشاہدات میں بندریا کا ناچنا۔ فرماتے ہیں کہ ”بتائیدن“ بفتح باء موحده و تاء قرشت بہ الف کشیدہ و حمزہ بہ تحتانی رسانیدہ بمعنی گزارشتن است۔“ فقیر سیاح کہتا ہے کہ منشی جی جو نجم الدولہ بہادر کے محب ہوئے ہیں تو جواب مطابق سوال چاہیے۔ سائل کا اس محل میں کلام یہ ہے کہ ”چوں ہدید آمد کہ این عامی اعمول مصادر را بے شمول ہائے زائدہ نمی نویسد، چگونہ دائم کہ ہائے موحده در بتائیدن اصلی است یا زائد و بتاکہ صیغہ امر است ازین مصدر نیز مشتبہ ماند کہ ”بتا“ست یا ہاں تا۔ دریں جامہ ارادمانہ آنست کہ بتائیدن در فارسی بدین معنی نیامدہ است۔ اعتراض برطرز گزارشتن است ورنہ در بتائیدن ہائے موحده اصلی است۔“ جب حضرت غالب لکھ آئے کہ ”در بتائیدن ہائے موحده اصلی است“ پھر منشی جی کے مجموع ارشادات بے محل ہوئے یا نہیں؟ بتائیدن کی باء موحده کے اصلی ہونے سے یا پسودن کے مضارع کے ماقبل موحده کے آنے سے کیوں کر لازم آئے کہ پسودن اور ہساود در اصل ہسودن اور ہساود ہے؟ خالصاً اللہ کوئی میرے خاطر نشان کر دو کہ وہ فقرہ منشی جی کا جو اوپر لکھ آیا ہوں، اس عبارت بلیغ غالب کا جواب کس طرح ہو سکتا ہے؟ آگے بڑھ کر منشی جی تال ”سوسم سب بھول گئے اور کچھ اور ہی راگ گانے لگے۔“ ”مرزا اسد اللہ غالب یہ کہ رہبری ہائے موحده اصلی ہساویدن و ہسودن را زائدہ انگاشتند“ اس موحده کا زائد ہونا تو ایسا بدیہی ہے کہ اطفال مکتب نشین

۳۔ بتائیدن۔ بتائیدن۔ معنی (بہ کسر ہا) گزارشتن، نہادن،

رہا کردن، بتا: کلمہ امر یعنی بگزار، بھل چل تاء، بھل تا نیز

کہتہ شدہ۔ (فرہنگ عمید ص ۳۳۸)

بھی جانتے ہوں گے۔ مع هذا ہم کو پر لکھ آئے ہیں یہاں اتنی ہی پرسش ہے کہ اسد اللہ غالب ”ہ کہہ رہی چنیں می کند۔“ ”ہ کہہ رہی“ کہاں کی بولی ہے؟ او سیف الحقی! وہ کتدہ ناتراش تیرے سوال مختصر کو کیا سمجھے گا؟ واضح کہہ اور کھول کر دکھا۔ حضرت منشی صاحب! ”ہ کہہ کدام رہی“ کی جگہ ”ہ کہہ رہی“ موافق کس کے ہے؟ مگر ہاں فرہنگ نگاران پریشان مقال نے کئی قسم کی فارسی زبانیں قرار دی ہیں۔ اس میں ایک قسم کا نام سغدی ہے۔ چون کہ سغدی زبان میں بھی کدام کے عمل پر نرا کاف نہیں لاتے ہم نے منشی جی کی فارسی کو چغدی ٹھہرایا۔ عفاً سمجھ گئے ہوں گے کہ ہم نے ان کو کیا بنایا؟

صاحبان بصیرت سے التماس ہے کہ بحرق ۲۴ صفحہ سے ۲ صفحہ کی ۹ سطر تک ملاحظہ فرمائیں اور منشی جی کی چغدی فارسی کا حظ اٹھائیں۔ برساں اور برپروشاں کی بحث میں کلام کرنا سفاقت اور حماقت ہے۔ ع

این است جوابش کہ جوابش نہم

لطیفہ ۹

’بسم‘ کی بحث جو ۲۸ صفحہ کی ۱۴ سطر سے شروع ہوئی ہے، اس نگارش کو جو دانش مند سراسر دیکھے گا بہت خوش ہوگا۔ نجم الدولہ بہادر غالب کی عبارت منشی جی نے سراسر لکھی ہے۔ سبحان اللہ، کتنی بلیغ اور باوجود بلاغت کے کس قدر ظرافت آمیز و ذوق انگیز ہے۔ پور ۲۹ صفحہ کی ۱۵ سطر سے ۳۵ صفحہ کی ۱۲ سطر تک منشی جی کی چغدی زبان کی تقریر بہ پیرایہ تحریر لائق دیکھنے کے ہے۔ بالجمہ

حضرت غالب فرماتے ہیں، ”ذبح از برائے جان داران است نہ از برائے اشیا۔“ منشی جی ثابت کرتے ہیں اشیاء کے واسطے حکم ذبح ہے اور ان دو آیتوں کو اپنے ادعاے بے معنی کا ”برہان قاطع“ قرار دیتے ہیں: ”وجعلنا من الہاء کل شیء حی وان اللہ علی کل شیء قدير“ واقعی کلام الہی ”برہان قاطع“ ہے، مگر ”قاطع“ ہے کفر کا، ”قاطع“ ہے کذب کا، قاطع ہے کافر کی عنق کا، قاطع ہے کاذب کی انف کا۔ ”وجعلنا من الہاء کل شیء حی وان اللہ علی کل شیء قدير“۔ ان دونوں آیتوں میں سے شے کا تحت حکم ذبح آنا کہاں ثابت ہوتا ہے؟ قصہ مختصر دکنی کا وہ کامہ کہ ”ہر چیز کہ آن را ذبح کردہ باشند“ غلط محض و محض غلط ہے۔ یہ کلام قابل طعن اور اس کلام کا متکلم اور اس کا معاون سزاوار لعن۔ تذو بدال ہے نقط و تذو بدال فقط دار کی بحث میں تو فیل منگوسی دکنی کا چرکٹا بھی یہی کہتا ہے کہ کرم حام کو کہتے ہیں ۱۔ یہ تو قول ضارب سیف قاطع کا ہے۔ پس منشی بے چارہ عجیب کیا خاک ہوا؟ ”جامع برہان قاطع“ جو بشیر کے نام تذو لکھتا ہے وہ تو بدستور مطعون و ملعون رہا۔ کہاں وہ پرندہ جس کی فارسی تذرو اور ہندی بشیر ہے، کہاں وہ کیڑا جو حام میں پیدا ہوتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ منشی اعتراض کی حقیقت کو زہار نہیں سمجھتا۔ اس کا کلام مجذوب کی سی بڑھے۔ تذو اور تذو کے بعد بے فاصلہ ۲۴ صفحہ کی ۹ سطر میں تو من کا ذکر کرنے لگا۔ اگر آدمی ہوتا تو حضرت غالب کی تحریر کو دیکھ کر اس بحث کے جواب کا عزم نہ کرتا

۱۔ مرزا کا اعتراض یہ تھا کہ صاحب برہان قاطع نے چار اسم چار فصلوں میں لکھے: تذو، تذو، تذرو، تذرو اور سب کے معنی تذرو قرار دیے۔

مگر چون کہ بے حیا ہے ، تقریر سے باز نہیں رہا ہے ۔
اور علی الاتصال تیار کی بحث میں بھی بے ہودہ بکا ہے ۔ ۳۶
صفحہ سے ۳۹ صفحہ تک اہال در اہال ہے ۔

لطیفہ . ۶ :

لو صاحب ۳۹ صفحہ میں جمدھر کی بحث شروع ہوئی ۔
اب دیکھو منشی جی بانک کے ہاتھ کیسے نکالتے ہیں ۔ بانک کے
ہاتھ کیا خاک نکالیں گے ۔ منشی تو صاحب تب ہر تھ ہیں اور آج
ہے دن ہران کا اور آج ہران بہت شدید ہے ، گھبرا رہے ہیں ۔
دیکھو ، ان کے گھر کے لوگوں نے ۳۱ صفحہ کے حاشیے پر کٹار
کی اور نکل کی تصویریں کھینچی ہیں اور ان کو پہلا رہے ہیں
اور وہ ہڈیاں بک رہے ہیں ۔ ذرا ان کو افاقہ ہو جائے تو عرض
کروں کہ حضرت ، ۳۰ صفحہ کی ساتویں سطر سے ۳۳ صفحہ کی ۹
سطر تک کیا کلمات بے معنی ہیں ، جو آپ کی زبان مبارک سے
نکلے ہیں ۔ استناد و استدلال بہ بازیہ اطفال ، یہ کیا قیل و قال
ہے ؟ اس کو مسخر کہوں یا مسخرہ بن کہوں یعنی اگر مسخر
کہوں تو منشی جی نے منشعب بھی نہیں پڑھی جو وہ جانتیں
کہ یہ باب نفع کا ہے ۔ غایت ما فی الباب یہ کہہ شاذ اور
نادر ہے بہر حال قائل کا قول ، تو یہ ہے کہ 'جمدھر' جو
یہ جیم ویم و دال و ہالے مضر و رائے سہملہ حربہ مخصوصہ
ہندی ہے ، کٹار سے علاوہ ہے ۔ کٹار کی وہ صورت ہے ، جو محرق
کی ۳۱ صفحہ کی ۷ سطر کے برابر حاشیے پر اس کی تصویر
کھینچی ہوئی ہے اور 'جمدھر' ایک قبضہ دار ہتھیار ہے ،
خنجر کی مانند ۔ ہاں خنجر کی اور اس کی صورت میں کچھ
فرق ہے ۔ بہر حال جمدھر اور کٹار کی صورت کا اتحاد غلط
ہے ۔ ان دونوں اسموں کا مسہلی ایک نہیں ۔ اس سے بڑھ کر

سائل کا جو سوال ہے اس کا جواب کہاں ؟ جامع برہان قاطع تسمیہ کی وجہیں دو لکھتا ہے : ایک تو یہ لکھتا ہے کہ یہ لفظ در اصل جنب در ہے یعنی پہلو کا بھاڑنے والا ۔ معترض لکھتا ہے کہ اہل ہند ”جنب“ کو اور ”در“ کو کیا جانی جو ان دو لغتوں کو ترتیب دے کر ایک شے کا اسم توصیفی قرار دیں ؟ دوسری وجہ وہ یہ لکھتا ہے کہ جمدھر ترجمہ ہے دندانِ عزرائیل کا ۔ ہم نے ’جم‘ کو عزرائیل سمجھا، ’دھر‘ کو دانت کیوں کر قرار دیں ؟ اس کا بارے منشی جی نے جواب دیا ، جیسا کہ ہم صفحہ کی ۵ اور ۶ سطر میں لکھتے ہیں ”ازیں رو باور دارم کہ صاحب ”برہان قاطع“ ایسی نوشتہ باشد کہ بہ ہندی دھار عزرائیل گویند ۔ مردمان از تصحیف و تحریف دندانِ عزرائیل خواندند و بشتند ۔“

سیف الحق طالب علم کہتا ہے کہ منشی جی تمہارے بھولے پن کے صدقے ہو جاؤں ۔ یعنی دھار اور دندان میں نہ تصحیف نہ تجنیس ۔ کہاں دھار کہیں دندان ۔ مع هذا یہ نہ کہو کہ صاحب برہان قاطع نے دھار عزرائیل لکھا ہوگا ، اس میں تو وہ بے چارہ آلو بن جائے گا ۔ دھار ٹھیٹھ ہندی اور عزرائیل لغت سریانی یا عربی ۔ یہ مضاف و مضاف الیہ کیوں کر ہوں گے ؟ ہم کہتے ہیں کہ یہ بھی جائز ہے ۔ بھلا عزرائیل کی دھار کے کیا معنی ؟ عزرائیل ہندی نہیں فالہ نہیں، چھری نہیں، استرہ نہیں کہ اس کے واسطے دھار ثابت کی جائے ۔ دکنی صاحب دھار عزرائیل نہ لکھیں گے ۔ یہ تمہارا سوہ ظن ہے یہ نسبت ان کے ۔ انہوں نے اگر لکھا ہوگا تو دھار بول عزرائیل لکھا ہوگا ۔ منشی جی کی ہریشان گوئی اور میری بذلہ سنجی میں خان غالب کا مدعا قوت

ہوا جاتا ہے ۔ وہ تو ”برہان قاطع“ کے معتقدین سے ہو چھتے ہیں کہ ہم جمعہ دھر کو جنب دھر کہیں یا دندان عزرائیل ؟

کوئی اس کا جواب دو صاحب

سائلوں کا ثواب لو صاحب

سائل کو بصیغہ جمع میں ۔ ”اس واسطے لکھا ہے کہ میں بھی اس سوال میں حضرت شالب کا ہم زبان ہوں، بلکہ ایک اور بات ہو چھتا ہوں کہ ”برہان قاطع“ مجموعہ ہے لغات فارسی و عربی کا ، اس میں ہندی الاصل لغت کے اندراج کی وجہ کیا؟

لطیفہ ۱۱ :

منشی جی ۳۳ صفحہ میں پل صراط کی بحث میں لغزش ہائے پے در پے کے سبب پل کے آدھر جا رہے ، خدا کرے بہشت میں گرے ہوں ۔ دعا دینے کے بعد کہا جاتا ہے کہ نجم الدولہ نے برہان قاطع مطبوعہ ۱۳ صفحہ میں جو اس کا ذکر کیا ہے تو یہ لکھا ہے کہ اہل اسلام کے سوا کسی اور مذہب و مات میں پل صراط کا ہونا ثابت نہیں، جیسا کہ عیسائیوں میں ، موسائیوں میں اور ہنود میں، کہیں عالم آخرت میں پل کے وجود کا پتا نہیں۔ ہر فریق میں معاد کی صورت جداگانہ ہے ۔ پارسیوں کے کیش میں تناسخ بیش تر ہے ۔ یہ حسب درجات خیر و شر نکوکار کم آزار اچھی صورت پائیں گے اور بدکاروں کو بری صورت ملے گی ۔ نفوس کا ماہ اوکون سے چھٹ جائیں گے ، کواکب بن جائیں گے ۔ ظاہر ہنود کے دھرم میں اور پارسیوں کے کیش میں معاد کا بیان ایک ہی نہج پر ہے ، تفاوت اگر ہے تو کم تر ہے ۔ منشی جی ان دقائق کو کیا جانیں ؟ روئے سخن اہل عالم و عقل کی طرف

ہے۔ دساتیر کے ۱۴ صحیفے ہیں کہ بہ اوقات مختلفہ ۱۴ ہیران پارس پر نازل ہوئے ہیں۔ ان میں سے ساتواں یا آٹھواں صحیفہ زردشت پر نازل ہوا ہے اور عقیدہ پارسیوں کا یہ ہے کہ کلام خدا اہل زمین کی زبانوں میں نہیں ہوتا، وہ آسمانی زبان ہے، السنہ معشر بشر سے الگ۔ ماسان پنجم کہ وہ اپنے کو خاتم ہیران پارس ظاہر کرتا ہے، ان صحیفوں کا زبان دری میں مترجم ہوا ہے۔ نماز کے ارکان اور حبس نفس جو ان کے مذہب میں گزیدہ ترین عبادات ہے، اس کے قواعد، کواکب ہفت گانہ کی پرستش کے رسوم، باہم معاش کے قوانین، میراث کی تقسیم کے اطوار، ثواب و عذاب آخروی کے اخبار مفصل و شرح مضبوط اور مرقوم ہیں۔ فشار قبر اور پرستش نکیرین اور حشر اجساد اور میزان و نامہ اعمال اور عبورِ پل کا کہیں ذکر نہیں۔ صحیفہ موسومہ زردشت بھی ان نقوش سے سادہ ہے۔ ہاں بہشت اور دوزخ کا ذکر ہے، لیکن نہ اس طرح جس طرح اہل اسلام میں ہے، بلکہ لہذا نذر وحانی کو بہشت اور آلام روحانی کو دوزخ کہتے ہیں۔ جب ان صحائف میں، جو زردشت سے پہلے نازل ہوئے ہیں اور زردشت کے صحیفے میں بھی پل کا ذکر نہیں، تو ژند میں کہ وہ سات صحیفوں سے متاخر اور خود آٹھواں، مع هذا اور صحیفوں کے مطابق ہے، شینود و چنود کہاں سے آگیا۔ پارس کے منافقوں نے بعد استیلائے عرب کیش اسلام از راہ فریب اختیار کیا۔ زردشت کی عظمت کے اظہار میں معراج نظارۃ خلد و سقر سے اخبار معاد جیسے عقلائے اسلام سے سنا، ہر شے کا ایک اسم وضع کر لیا۔ ہنی اور کراسہ اور شینود و چنود سوائے نماز کے گڑھے ہوئے ہیں

اور یہ صنعت عرب و عجم کے اختلاط کے تھوڑے دنوں بعد بروئے کار آئی۔ چنانچہ خلیفہ ثانی کی خلافت میں ایک پارسی کی فتنہ انگیزی کتب میر و اخبار میں مندرج ہے۔ اب یہاں غور کرنا چاہیے کہ شعر فارسی کا چرچا مائتہ ثالثہ ہجریہ میں ہوا ہے۔ چنانچہ رودکی مداح امیر اسماعیل سامانی اسی سنہ ۳ میں تھا۔ عسجدی و عنصری و دقیقی و فردوسی، یہ سب سلطنت محمود غزنوی میں (مائتہ رابعہ ہجریہ شروع ہو گیا تھا) بروئے کار آئے۔ کتب عربیہ سے آداب شعر و عروض و قافیہ و میزان بحر اخذ کر کے زبان فارسی میں شعر کہنا اختیار کیا وہ الفاظ مستحدث اکثر درج منظومات کرتے رہے۔ چونکہ ان لغات کے واضح فرہنگ لکھنے کی طرف متوجہ نہ ہوئے تھے، جیسا جس نے سنا، ویسا لکھ دیا، جیسا جس نے لکھا ہوا دیکھا، ویسا سمجھ لیا۔ الفاظ حقو، فارسی قدیم میں بھی بہ حسب ضرورت یا از راہ اظہار قدرت لفظاً و معنیاً تصرف کیا، جیسا کہ خاور بہ معنی مغرب و باختر بہ معنی مشرق لکھا۔ پھر شعراے عہد خود غزنوی کے بعد بدعتیں الہتی گئیں اور الفاظ عربیہ موضوعہ ترک ہوتے گئے، یہاں تک کہ خیوند و جینود فردوسی و اسدی یا شاذ و نادر اور شعرا کے کلام میں ایک آدم جگہ کے سوا کہیں پایا نہیں جاتا اور یہ جو متأخرین میں فرزاندہ بہرام وغیرہ تلامذہ آذر کیوان نے اپنی نظم میں ان الفاظ کا استعمال یا صراط کا ذکر کیا ہے، یہ لوگ تو واضعین لغات کے اخلاف و اعتاب میں سے تھے اور اپنے اسی عقیدہ زردشتیہ پر ثابت قدم تھے، کیوں نہ لکھتے۔ کلام ان علماے عجم میں ہے جو غلطی اہل اسلام میں سے تھے

۱۔ ۳ سے مراد تیسری صدی ہجری۔ امیر اسماعیل سامانی کا عہد حکومت ۵۲۷ھ (۱۰۹۲ء) سے ۵۲۹ھ (۱۰۷۷ء) تک تھا۔

انہوں نے باختر اور خاور کا اعداد میں سے ہوتا متروک اور لغاتِ موضوعہ حادث کا استعمال یک قلم ترک کیا ۔ خاقانی اور ناصر خسرو علوی کی نظم میں کراسہ اور بنی کہیں کہیں نظر آتا ہے ۔ بعد ان کے یہ لغات یک قلم متروک ہو گئے ۔ نظامی و سعدی و جاسی اور ان کے مابعد مجموع ناظمین اور ناثرین نے اس طرف منہ نہ کیا ۔ رہے یہ فرہنگ لکھنے والے، نہ ان کے پاس ماخذ ، نہ ان کے ہاتھ میں کوئی میزان ۔ اشعار قدما میں لغات دیکھ دیکھ کر موانق محل و مقام ، وہ بھی محض از روئے قیاس ، معنی لکھتے گئے ۔ تین سو برس میں یعنی خلیفہ ثالث کے عہد سے محمود غزنوی کے وقت تک نقل در نقل ہونے میں کیا کیا تصحیف و تحریف واقع ہو گئی ہوگی ۔ اس سے بڑھ کر چھ سات سو برس میں کیا صورت ہو گئی ہوگی ۔ فرہنگ جہانگیری اور مثل اس کے اور فرہنگیں جن کے نام جن جن کر ہوچہ ہوچہ کر منشی سعادت علی نے تب محرق میں لکھے ہیں ، ان میں خبط در خبط و غلط در غلط کے سوا حسن تحقیق کہاں ؟ محققین ، امور دینی میں مجتہدین کے قیاسات میں متأمل رہتے ہیں ، حالاں کہ وہ منقولات کا مقولہ ہے اور نقل کا مدار مجتہدوں کے قیاس کو مان لینے پر ٹھہرا ہے ۔ عقلاً امور معقول میں اپنے تعقل کو کیوں دخل نہ دیں اور اپنی عقل و قیاس کو کیوں بے کار چھوڑ دیں ؟ نقیضین ۔ حق نہیں ہیں ۔ ہم کیوں کر قلائدِ متعددہ کو حق مانیں ۔ ہاں اگر زردشتیوں میں سے کسی نے فرہنگ لغات فارسی لکھی ہوتی یا ساسان ہنجم نے کوئی مجموعہ فراہم کیا ہوتا یا متاخرین میں آذر کیوان کی کوئی تحریر موجود ہوتی اور ہم اس کو نہ مانتے اور وہاں اپنے قیاس

کو دوڑانے تو عقل کے فتوے کے موافق کالر ہو جائے۔ کیا مزے کی بات ہے، رودکی و فردوسی و مسجدی و ذہبی سے لے کر مولوی عبدالرحمان جامی تک کہ وہ منتہی العتقدین اور صاحب تصنیفات کثیرہ ہے اور پھر ظہوری و نظیری اور ان کے نظائر سے لے کر شیخ محمد علی حزیں منتہی المتأخرین تک نہ کسی نے کوئی فرہنگ لکھی، نہ کسی نے کوئی قواعد فارسی کا رسالہ تصنیف کیا۔ اہل ہند نے تین تین چار چار سو برس سے شغل فرہنگ نویسی اختیار کیا۔ نہ زبان دان نہ سخنور۔ اشعار شعرا کو ماخذ ٹھہرا کر مطابق اپنے قیاس کے استناد کرتے لکھے۔ قیاس کم تر مطابق واقع، بیشتر غلط، مبلغ علم متفاوت، افہام مختلف، قیاس اور نقل اور تقلید پر مدار، بے اصل دعوے کی حقیقت پر اصرار۔ محقق کو حق بولنے کی وہ سزا ملتی ہے جو منصور کو انا الحق بولنے پر تعزیر ہوئی تھی قصہ مختصر مولانا غالب تو یہ پوچھتے ہیں کہ ان اسامے ستہ میں سے ہل صراط کا کون سا اسم صحیح ہے اور یہ جو منشی ۷۴ صفحہ کی ۷ سطر اور ۶ سطر میں لکھتا ہے: ”یک لغت چیتود بیج فارسی و تہائی و نون و واؤ و دال بے نقطہ کہ در زبان ژند و پاژند نیز در آن کتاب ہون و بدانت سرزا اسد اللہ الغالب نیز درست ہون، آن را پناہا نمود“ اور پھر ۶ سطر میں رقم کرتا ہے: ”کہ در فائدہ دوم بحوالہ قول ہرزدہم عبدالصمد آموزگار خویش کہ اشفاق و الطاف داشت از روی لغزنگاشت کہ چیتود بہ اعراب مجہول یا معنی ہل صراط است۔“ فقیر سیف الحق پہلے ہزار بار آیہ ”لعنة الله علی الکاذبین“ پڑھتا ہے اور مولانا غالب کی عبارت نقل کرتا ہے: ”اگر گفتہ آید کہ چون پارسیاں کہش عرب گزیدند و نام

صراط شنیدند بہ زبان خویش از ہر آن اسمے تراشیدند ۔ پس ازاں کہ این قاعدہ را روا داشته باشیم ، می پرسیم کہ از شش اسم صحیح کدام است ۔“ جانتا ہوں کہ منشی صاحب تو کیا خاک سمجھیں گے مگر اہل علم کو آگہ کرتا ہوں کہ ”روا داشته باشیم“ ”لو فرضاً“ کے محل پر ہے اور یہ حریف کے الزام کی تاکید کے واسطے کہا جاتا ہے ۔ سخت احمق ہے وہ شخص جو اس میں سے معنی تسلیم کے لینے کا قصد کرے ۔ فائدہ دوم کی عبارت جس کا منشی جی حوالہ دیتے ہیں ، وہ یہ ہے ”چینود بہ اعراب مجہول بد معنی ہل صراط نتیجہ لفظ آفرینی ابن گروہ بے شکوہ ست ۔“ معنی اس کے یہ ہیں کہ چینود اس طرح پر کہ جس کے لفظوں کے اعراب معلوم نہیں ، گڑھا ہوا اور بنایا ہوا اس گروہ بے شکوہ کا ہے ۔ اس گروہ کی ضمیر پارسیوں کی طرف راجع ہے ۔ پھر حضرت غالب لکھتے ہیں کہ ”مولانا ہرمزدثم عبدالصمد ابن راز با من می گفت و بر فریب و بیرنگ پارسیان می خندید و نگارندہ“ ”دستان مذاہب“ را یکے از ایناں می دانست ۔ معنی اس کے یہ ہیں کہ عبدالصمد یہ بھید مجھے کہتا تھا اور پارسیوں کی مکاری پر ہنستا تھا اور ”دستان مذاہب“ کے مصنف کو من جملہ ان لوگوں کے جانتا تھا ۔ اب اہل علم و فرہنگ غرض کریں کہ ان دونوں عبارتوں میں سے یہ بات کہاں نکلتی ہے کہ عبدالصمد نے اسد اللہ خان کو سمجھایا کہ چینود بمعنی ہل صراط ہے اور خان عالی شان نے مان لیا ۔ الفاظ میں سے طریقہ استنباط معنی کا تو منشی جی کا استاد یعنی وہ دکنی بھی نہیں جانتا تھا ۔ بھلا اتنا تو سمجھے ہوئے کہ استاد شاگرد کو لفظ بتائے اور اعراب چھپا رکھے ! لاحول ولا قوۃ الا باللہ ۔

لطیفہ ۶۲ :

اب منشی جی زن حائضہ اور الت نون حالیہ کے پیچھے
 بڑے ہیں۔ فقیر اس کا جواب لطیفہ سابقہ میں لکھ چکا ہے۔ ’فرجد‘
 کی بحث میں کلام کیا جاتا ہے اور یہ بحث محرق کے ۷۱ صفحہ
 میں موجود ہے۔ ابتدائے کلام اس بحث میں سیاح کی طرف سے
 یہ ہے : منشی جی کا مطاع برہان قاطع میں لکھتا ہے ”فرجد
 بہ وزنِ اجد پدر جد را گویند کہ پدر سیوم است ، خواہ مادری
 باشد خواہ پدری۔“ حضرت غالب قاطع برہان میں رقم کرتے ہیں
 ”در عربی و فارسی از پدر پدر جد اسمے خاص معین نیست۔ در عربی
 آن سو تر از جد صیغہ جمع نویسند، یعنی اجداد و در فارسی
 جمع نیا نویسند یعنی نیاگان۔“ پس یہ کلام مسکت اور تول فیصل
 ہے۔ نجم الدولہ کو آگے کچھ ضرور نہ تھا اور اگر کچھ لکھا
 ہے تو سے جانہیں لکھا ہے۔ منشی جی نے صفحہ ۷۰ کی
 ۷۱ سطر سے صفحہ ۷۱ کی سطر تک ”برہان قاطع“ اور ”قاطع
 برہان“ کی عبارت لکھی ہے۔ ہر چند حضرت غالب کی نگارش
 واجب التسلیم ہے، باتفاق عقل و نقل، لیکن منشی جی سوچیں
 کہ جب ہندی لوگ دادا کے باپ کو پردادا کہتے ہیں
 تو فارسی میں چاہیے فرجد کہتے ہوں۔ ’اقول‘ لکھ کر اپنے
 اقوال لکھتے ہیں، سب کو کون نقل کرے مگر ایک فقرہ
 بطریق مشتے نمونہ خروارے لکھتا ہوں، یعنی منشی جی
 علم لغت میں خروار ہیں اور یہ فقرہ مشتے ہے : ”ہاں اگر مرزا
 اسدالغالب از روی اجتہاد زباں ذاتی بہ گبان خویش لفظ فر
 را عربی و لفظ جدرا فارسی قرار دادہ باشند جائے خندیدن است۔“
 فقیر متیف الحق کہتا ہے کہ اہل علم و عقل ارشاد کریں
 کہ مولانا غالب نے ’فر‘ کو عربی اور ’جد‘ کو فارسی کہاں

قرار دیا ہے ؟ فقرہ ان کا نکارش میں مرقوم اور سراسر عبارت ان کی تب تخریق کے ۱۷ صفحہ میں موجود ہے، اس میں سے یہ مطلب نکلے تو میں گنہ گار اور منشی جی رست گار اور یہ نہیں تو منشی جی کا حسن ظن بھونڈا ہے ، نحول علماء میں سے ان کا حسن ظن کسی کو پسند نہ آئے گا اور یہ جو منشی جی لکھتے ہیں : ”آن بادشاہ سلطنت جد خود از پدر خود گرفته بود“ یہ سراسر خلاف ”قرآن السعدین“ اور مذاہب کتب تواریخ ہے۔ بعد سمجھنے مطالب قرآن السعدین اور دیکھنے کتب تواریخ کے ثابت ہو جائے گا کہ امیر خسرو کا مدوح تخت سلطنت دہلی برائے داد کی جگہ بیٹھا تھا اور اس کا باپ بلاد شرقیہ میں جدا گانہ سلطنت کرتا تھا۔ اور یہ جو منشی لکھتے ہیں کہ ”فرہنگ رشیدی“ والے نے فرجد بہ معنی جد اعلیٰ لکھا ہے ، ہم کہتے ہیں کہ یہ صفت ہے جد کی ، جیسے والد ماجد ایسا جد امجد۔ خبر فارسی میں جد امجد کی جگہ فرجد لکھا، حاشا کہ فرجد سے پردادا مراد ہو۔ جیسی جد کی صفت امجد ، ویسا ہی اعلیٰ۔ نہ امجد میں تشبیہ ہے ، نہ اعلیٰ میں۔ جو فقہا پردادا کو جد اعلیٰ لکھتے ہیں از روئے مجاز ہے۔ جب عربی اور فارسی میں پردادا کا کوئی اسم خاص نہ پایا ، تب اس کا جد اعلیٰ اور مورث اعلیٰ لقب ٹھہرایا اور منشی جی جو اسے خسرو کا دوسرا شعر ۳۵ صفحہ پر لکھتے ہیں :

فرجد والاں ز ہر کرم۔ الخ

یہاں ہوی ’والا‘ ماند ’اعلیٰ‘ کے صفت ہے نہ تشبیہ اور اگر صفت افادۂ معنی تشبیہ کرتی ہو تو منشی جی کو از روئے والد ماجد ایک اور باپ والد حقیقی سے بڑا ہم پہنچانا ہو گا اور

یہ جو منشی جی سنائی کا شعر ۵ صفحہ میں لکھ کر کہتے ہیں کہ غالب یہاں بھی فرجد کے معنی کرامت کہے گا۔ میں کہتا ہوں کہ فرجد پیچ مضموم بہ وزن ہرکل مخفف 'فرجود' اور 'فرجود' بہ معنی کرامت ہے، بے شبہ و شک۔ اگرچہ فقیر بسبب منشی جی کی غلط نویسی کے شعر کو درست نہیں پڑھ سکتا، نقل کیے دیتا ہوں :

داشته فرجدش دھے روزے
در سر ایس فضول دھتائے

ہم اس شعر کے پیش نظر مصرع میں اگر منشی جی فرجد پیچ مضموم پڑھتے ہیں تو معارض کو ایک اور دلیل ان کے حق پر ہاتھ آئی اور اگر فرجد کہتے ہیں تو وہی جد امجد یعنی دادا نہ پردادا۔ اور یہ جو فرماتے ہیں کہ "کرامت نام کنیز بود" "ہے" منشی جی بھول گئے۔ نواز کی بحث میں دیکھیں کہ حضرت گھر کا دروازہ بند کیے بیٹھے تھے۔ جب راجہ اندر کا اکھاڑہ آہان پر سے آپ کے گھر میں اتر آیا تو آپ نے اسی لونڈی کو فرمایا تھا کہ کرامت جلد اٹھ اور دروازہ کھول۔ سچ تو یہ ہے کہ منشی جی کا یہ کلام کتنا بلیغ ہے، اس میں کیسا لطف ایہام ہے؟ کرامت یعنی 'فلان نکروا' یہ نہیں ہے اور دروازہ کھول یہ اس ہے۔ ایہام یہ کہ بہ حذف حرف ندا کرامت کنیز کو پکارا ہے۔ خدا منشی جی کو سلامت رکھے۔ غور قارئین تو نور بصر اور راحت جان ہیں۔ کفانہ اور قکانہ کی بحث میں کثرت امتلا سے منشی جی کا پیٹ اتنا

۱۔ کفانہ بیچہ وا گویند کہ نارس از شکم بیفتد و این قلب

قکانہ است۔ (ص ۲۰۱) فرہنگ غالب

پھولا کہ سارے جسم میں فقط پیٹ رہا اور کچھ نہیں۔
 زندگی تھی جو مسعود کے شعر اور اسیر خسرو کے شعر کے
 دو سترے خود ان کی نثر کے ساتھ جس کو رطوبت غلیظ کہنا
 چاہیے، ان کے منہ کے رستے نکلیے۔ مادہ محتبس دفع ہو گیا ورنہ
 بڑی قیاحت ہوتی۔

لطیفہ ۱۳ :

صفحہ ۵۴ کی ۷ سطریں منشی جی لکھتے ہیں کہ ”ماہم
 آفریں صد آفریں حکیم ہندسین دکنی تبریزی را میگویم و میگویم۔“
 کیا خوب! اردو اس کا یہی ہوا کہ ہم آفرین کہتا ہے اور کہتا
 ہے، لفظ ہندی لہجہ انگریزی۔ اسی صفحے میں نقال دکن کی
 ہالی ہوئی کلہری، جس کا نام اس نے کلہری بہ وزن ’ابہری‘ رکھا ہے،
 دیوار پر سے اتر آئی۔ حیران ہوں کہ اس بحث میں منشی جی
 کو کلام کرنے سے مقصود کیا تھا۔ بات یہ ہے کہ دکنی ہاتھی
 نے کلہری کو ذیل لغات فارسی میں لکھا ہے مگر نسخہ کو کے،
 یعنی دراصل کلہری بکاف فارسی مکسور مشہور ہے اور
 برہان قاطع میں بکاف عربی مفتوح بہ وزن ’ابہری‘ مسطور ہے۔
 حضرت غالب کو ہم وزن پر نظر کر کے تعجب و تردد ہوا
 کہ آیا ابہری ہر وزن انوری و اشرفی ہے۔ پس کلہری جو اکہری
 کے وزن پر تھی، کاف عربی کے عجمی و مفتوح ہو جانے سے
 کلہری ہر وزن مسہری ہوتی ہے، یہ ہر وزن ابہری و انوری
 کیوں کر ہو گئی۔ اس راہ سے انہوں نے ہم وزن کو نامانوس
 لکھا۔ سچ ہے جب اس اسم کو دو استحالے بلا فصل واقع
 ہوں، تب ہم وزن ابہری و انوری ہو۔ غالب نے یہ اعتبار
 نادرستی وزن ہم وزن کو نامانوس کہا، ورنہ کون فارسی داں

ہوگا جو نہ جانتا ہوگا کہ ابھر ہلالِ ایران میں ہے
 ایک شہر کا نام ہے۔ ۵۵ صفحہ کی ۹ سطر میں منشی جی رقم
 فرماتے ہیں: ”ابھری را کہ مرزا اسد اللہ غالب لفظ نا مانوس
 می نگارد فی الحقیقت نا مانوس ایشان است و لاکن در ملک
 دکن و ایران در آن زمان چیزے را ضرور گفتہ باشند۔“ پہلے
 تو اس ظن کا لطف دیکھنا چاہیے کہ اس زمانے میں کسی
 چیز کو کہتے ہوں گے؛ پھر یہ تو دوہٹڑ مارنے کا مقام ہے کہ
 ”در ملک دکن و ایران الخ“ کوئی احمق ہوگا جو منشی جی کو
 احمق نہ جانے گا۔ کیا دکن اور ایران کی زبان ایک ہے؟ پھر اسی
 صفحے کی ۱۳ سطر میں لکھتے ہیں: ”پس از نگارش این سطور
 در غیث اللغات نگریستم کہ ابھری ہر وزن احمدی منسوب بہ
 ابھر کہ شہرست قریب زنجان۔“ پھر اسی صفحے کی ۱۵ سطر
 میں فرماتے ہیں کہ ”مرزا اسد اللہ غالب در آگرہ و دہلی بسر
 کرد۔ زنجان و اصفہان کے دید کہ ابھر را میدید۔“ یا رب
 مگر معرفت اسلمے بلاد ان بلاد کے دیکھنے پر موقوف ہے۔ اس
 راہ سے معلوم ہوا کہ غیاث الدین رامپوری موافق منشی جی
 کے عقیدے کے ابھر کو دیکھ آیا ہے۔ اگر کہیں گے کہ کتب
 متداولہ میں دیکھ کر لکھا ہے تو ہم کہتے ہیں کہ ضرور
 نہیں کہ ان لکھنے والوں میں جس کو پہلا ناقل کہیے وہ
 ابھر کو دیکھ آیا ہو۔ اسلمے بلاد و جبال و عیون و آبار و قلاع
 و بحار مسموعات میں سے ہیں۔ ساعت کافی ہے، مشاہدہ ضروری
 نہیں۔ حضرت غالب کی عمر مشاہدہ کتب میں گزری ہے۔ ابھر
 شہر کا نام جانتا کون سی بڑی بات ہے؟ منشی جی اپنی قسمت
 کو پیٹیں کہ اتنی عقل بھی خدا نے ان کو نہ دی کہ بغیر
 غیاث اللغات کے دیکھے جانتے کہ ابھر ہر وزن احمق کسی

شعر کا نام ہے اور یہ بھی عقل کی کوتاہی ہے کہ حضرت غالب ابھری کو بہ اعتبار تفرقہ وزن نامانوس کہتے ہیں اور منشی آچھلتا ہے کہ غالب ابھر کو نہیں جانتا۔ پسودن و پسودن کا ذکر تقریباً اوپر لکھ چکا ہوں، مکرر لکھنے کی حاجت نہیں ہے۔ ہنی اور کراسہ اور چینود کا ذکر بھی مجملہ آگیا ہے، تفصیل کی احتیاج نہیں۔ نسیج کے عربی ہونے میں کچھ تامل نہیں، منشی جی اگر اس کو دکنی لغت ٹھہرائے تو کون مانتا؟ غنیمت ہے کہ انہوں نے لکھا مگر دکنی نے جو جیم فارسی لکھا ہے اس کو بھی جائز رکھا۔ اور خرج کہ بہ جیم عربی ہے اور زبان زدِ خلق بہ جیم فارسی ہے اس کو اس جواز کا نظیر ٹھہرایا۔ سیف الحق چپ ہے، دیکھیے صاحبانِ عام و عقل اس کو مانتے ہیں یا نہیں۔ اے خاک ہائے حرف شناسانِ الٰہ با تا، دکن کے ہنسی سے تمہارا رشتہ ناتا، برہان دکان اور محرق بھی کھاتہ، اس شعر کا صلہ دلو! سخی داتا؛

رہے ہمچوں چہہ تاریک در ویرانہ الخیرہ
سراسر گرد دے از موئے ہمچوں سبزہ زنجیرہ

لطیفہ ۶۴ :

’ہوس‘ بہ فتحین کی بحث جو ’تپ محرق‘ کے ۶۱ صفحہ کی ۱۵ سطر میں مرقوم ہے، اس کے دیکھنے سے معلوم ہوگا کہ جامع برہان لکھتا ہے ”ہوس باثانی مجہول بر وزن طوس بہ معنی ہوا و ہوس باشد۔“ منشی جی نے اس فقرے کی نقل میں ایک صنعت صرف کی ہے یعنی بر وزن طوس کا لفظ نقل نہیں کیا۔ یہاں ہم کو معلوم ہوا کہ منشی جی کی عقل اس دکنی سے زیادہ ہے جو لفظ بے معنی

اور بے محل کا ذکر نہ کیا ، یعنی سرشد اور استاد کا عیب چھپایا ۔ پھر حال خان غالب کا اعتراف یہ ہے کہ ہم وزن غلط ہے ۔ طوس جو ایک پہلوان اور ایک شہر کا نام ہے ، بروزن روس بہ واؤ معروف ہے ۔ دکھی نے بہ واؤ مجہول لکھ کر جو بروزن طوس لکھا ہے ، یہ اس کا حقیق ہے ۔ منشی جی دفع اعتراف میں ایک شعر ابن ٲین کا بطریق سند لکھتے ہیں ۔

رزم بر رزم اختیار مکن ہست مارا بخود ہزاراں ہوسا
فقیر سیف الحق کہتا ہے کہ فرہنگ لکھنے والوں نے یہ شعر مصنف کی زبانی نہیں سنا ، دوسرا شعر بھی قطعے کا سراقوم نہیں جو ہم قافیہ پر تصحیح اور تصدیق کی بنا رکھیں شعراے عجم نے الفاظ میں تصرفات کئے ہیں مگر اس تصرف کے واسطے قواعد قرار دیے ہیں ۔ از آن جملہ حرف ساکن کا متحرک اور متحرک کا ساکن کر دینا جیسا کہ کفن کو بسکونِ فا اور لطف کو بحرکت ثانی لکھا ہے ۔ طالبِ املی علیہ الرحمة :

چوں شدش کار کفن و دفن بساز
خلق گشتند از سزارش بساز

نظامی علیہ الرحمة 'مغزون اسرار' میں فرماتے ہیں :

آب گر آتم لطف افزوں کنند

ابن ٲین کا تین شعر کا قطعہ ہے ۔ فقیر نے دیکھا ہے مگر اب حافظے میں موجود نہیں ۔ اس میں ہوس بسکونِ واو ہے مگر فتحہ ہائے ہوز بدستور بحال و برقرار رہا ۔ اوپر کے دو شعروں

۱۔ ابن ٲین کے مطبوعہ کلام میں ایسا کوئی شعر یا قطعہ موجود نہیں ۔

میں قوس اور فردوس قافیہ ہے ، ہوس بروزن کوس ہرگز نہیں اور اسی قبیل سے یہ مصرع ”در خانہ بجز شعد آتیش ندارم“ کہ جامع فرہنگ جہانگیری اس کو بتائے قرشت مکسور و یائے معروف سمجھ کر تختانی کو مشیع جانتا ہے اور آتش بروزن تابش کا مدعی ہے ، عیاذاً باللہ ۔ ۔ ۔ ہوالافکار ۔ اس مصرع میں ”آتیش“ یہ مشاء تختانی مفتوح ہے ۔ اور یہ مصرع استاد کے قطعے کا ہے جس کے قوافی عیش و طیش و جیش ہیں ۔ فرہنگ لکھنے والوں نے اساتذہ کے کلام میں لغت پایا ، اس کو جس طرح قیاس میں آیا تلفظ میں لائے ۔ لسانِ عربی کے سے قواعد زبانِ فارسی میں کہاں منضبط تھے جو ان قواعد کے مطابق لغات پر غور کرتے ۔ جو جس کو سوجھی وہ بات اس نے ٹھہرا لی ۔ ۱۳ صفحہ میں جو منشی جی نے رقص میمون شروع کیا ہے اس کا مشاہدہ سخت نشاط انگیز ہے ۔ حاشیے پر لکھتے ہیں: ”فروزہ بالضم بہ معنی روشنی و نور۔“ اچھے میرے منشی جی فروزہ بالضم تم کو کس نے بتلایا اور صفت کے معنی تم نے کیوں ترک کیے؟ فروز صیغہ امر کا ہے یہ حذف الف افروختن کے مشتقات میں سے ۔ ما بعد اس کے ہائے مخفی جیسے لرز اور لرزہ ، سوز و سوزہ ۔ پس فروزہ بہ فائے مفتوح چاہیے نہ بہ فائے مضموم، یہاں فائے مضموم مذموم ہے ۔ پھر اسی حاشیے پر لکھتے ہیں: ”شورامہ طعم ذایقہ و ہم غوغاست۔“ اولوالابصار پہلے حسن ترکیب الفاظ دیکھیں پھر معانی کے نون پانی کا مزا چکھیں ۔ ہے جس کو شورامہ و شورابہ میں تمیز نہ ہو وہ متصدی فنِ تحریر ہو اور تحریر بھی مقابلے اس کے کہ جو آج انشاد اور انشا کے مجموع فنون میں ایک آیت ہے آیات الہی میں سے یعنی نواب معلی القاب نجم الدولہ

ذیرالملک اسد اللہ خاں بہادر نظام جنگ سلمہ اللہ العلیٰ
العظیم - یہاں اس مازاب عام سیاح سیف الحق کو میان جرأت کے
خدمت کا ایک بتہ یاد آتا ہے - یہ حسب مناسبت مقام لکھ
دیا جاتا ہے ۔

دیا سلائی جو بیچے تھے یا کہ سرکنڈا
ہوئے وہ صاحب لشکر بنا کے اک جھنڈا
ہوائے باغ جہاں سے ہو کیوں نہ دل ٹھنڈا
کہ ٹہنی مرغی کا بچہ کھٹکتے ہی انڈا
حضور بلبل بستان کرے نوا سنجی

حق تحقیق کہ یہ بھی اسی نسبت کا فیض ہے جو میں حضرت غالب
کی جناب میں رکھتا ہوں ، ادا کرتا ہوں - اور امہ ۱ و شورامہ
دو زمزمے ہیں امی پارس کے مختلف الاصول والاصوات ، جیسے
ہند میں ٹپا اور ٹھہری - شورابہ و تلخابہ و خونابہ و زردابہ
یہ ترکیبیں اور ہیں - معنی مرقومہ حاشیہ منشی جی نے اپنی
گٹھڑی سے نکال کر لغات کو پہنائے ، لیکن صد حیف کہ لغات
بدن پر ٹھیک نہ آئے - ۳۶ صفحہ کی ۱۶ سطر میں ایک
مولوی صاحب کا نام لے کر کہتے ہیں کہ انہوں نے ”قاطع قاطع
برہان“ میں خوب کچھ لکھا ہے - اھا اھا ! اب بھید کھلا ، منشی
جی کو اپنی کتاب کے تسمیہ میں مولوی صاحب کا تتبع منظور
ہے - ”قاطع قاطع برہان“ اور ”مہرق قاطع برہان“ ، مولوی جی نے
قاطع برہان کو کاٹا ، منشی جی نے جلایا - بہر حال منشی جی

- ۱- اور امن : (بد نتیجہ مزہ و میہ) یکے از آہنگ ہائے قدیم
موسیقی ، یکے از آہنگ ہائے فارسیاں - - - اور امن و اورامہ
و اورامین ہم گفتہ شدہ - فرہنگ عمید ص ۲۰۶
- ۲- یہ کتاب جو ”قاطع القاطع“ کے نام سے مشہور ہوئی ،
مولوی امین الدین پٹیلوی متخلص بہ امین نے تصنیف کی تھی -

کو مولوی جی کے ذکر سے اپنے کو اس مثل کا مصداق بنانا ہے کہ میں مرد نہیں میرا بھائی مرد ہے۔ بات یہ ہے کہ فارسی دانان ہند محقق نہیں ہیں، مقلد ہیں۔ اکثر تو قتیل بے سرمایہ کے پیاری، اس کی تالیفات کو آنکھ کی پتلی بنائے ہوئے ہیں۔ جو بلند پرواز ہیں وہ 'برہان قاطع' کو 'عرش المعرفات' جانتے ہیں اور اس کے اقوال کو مانتے ہیں۔ پس جب کوئی محقق حق و باطل کا میز ہو اور دکنی کے اغلاط ظاہر کرے تو وہ حضرات طہور آشیاں گم کردہ کیوں نہ بن جائیں؟ جب ان کا ماخذ تباہ ہو گیا تو وہ اب سند کس کو ٹھہرائیں؟ جس میں یہ دو صفات ثبوتی جمع ہوں گی، یعنی حقیقت زبان فارسی سے آگہی اور انصاف کا ملکہ، مع هذا یہ دو صفتیں سلبی بھی معاً موجود ہوں گی، یعنی مردہ پرست نہ ہوگا اور حسد پیشہ نہ ہوگا، وہ تو غالب کی قدر جانے گا اور اس محقق مدقق کے قول کو مانے گا اور ایسے لوگ دنیا میں کم ہوں گے۔ پس اس صغریٰ و کبریٰ کا نتیجہ یہ نکلا کہ حضرت غالب کے مناقبین و منکرین ہزار در ہزار پیدا ہو جائیں گے۔ ہر چند اہل حق انہیں سمجھائیں گے، لیکن وہ انکار سے باز نہ آئیں گے۔ جہل مرکب کا علاج بحال ہے۔ علم عربی کی قوت سے فارسی ذاتی محض وہم و خیال ہے۔ پھر منشی بخط ۶۵ صفحہ میں حضرت غالب کی طرف جنون کو منسوب کر کے ایک طہیب خاص سے رجوع کرنے کا حکم دیتا ہے۔ کوئی اس سے ہی باز سے بوجھے کہ حکیم کے نام کی قید کیا ضرور؟ اس قدر لکھنا کافی تھا کہ غالب کو سودا ہو گیا ہے، اطبا سے رجوع کرے، فصد کھلاوئے، مسبل لے، ماءالجبن پیے۔ اہل عقل بے اس کے کہ میں کہوں سمجھ جائیں گے کہ منشی جی سڑی ہیں،

یاکل ہیں۔ صفحہ ماقبل یعنی صفحہ ۶۴ سے آخر صفحہ ۶۵ تک جو صاحبِ عبرت و بصیرت منشی جی کی عبارت کو یہ امعانِ نظر دیکھے گا اور مبتدا و غیر و شرط و جزا کی تباہی اور روابط کی برہمی دریافت کرے گا، کیوں کر نہ کہے گا کہ یہ عبارت مجذوب کی بڑبا یا گل کا شل ہے۔ بارے دفع اعتراضات کی تشریح منشی جی نے تب عرق میں تمام کی، اب حضرت غالب کی عیوب شہاری پر آمادہ ہوئے ہیں۔ تو کارِ زمیں را نکو ساختی کہہ بیا آہاں نیز پرداختی۔

لطیفہ ۱۵ :

چراگر اور وچر اگر کے باب میں ۶۶ صفحہ سے ۷۰ صفحہ کی پہلی سطر تک جو کچھ منشی جی نے لکھا ہے، عقل سلیم اس کو قبول نہیں کرتی کہ چراگر پیغمبر کو بھی کہیں اور، طرب کو بھی کہیں۔ یہ بھی مثل خاور اور باختر کے متقدمین کے کلام میں آیا مگر متوسطین نے سوء ادب سمجھ کر ترک کیا اور متاخرین کا اتفاق رائے اسی پر رہا۔ واہ منشی جی چراگر کو کہیں میر کا نظیر سمجھے ہو کہ سادات کو بھی میر کہتے ہیں اور گندھی بھی، میر کہلاتے ہیں۔ حضرت وچر فتویٰ اور وچرگر مفتی، یہ طریق تنزل چراگر پیغمبر کو بھی کہہ لو۔ چراگر نہ مفتی کو کہا جائے نہ پیغمبر کو۔ اگر کسی فرہنگ والے نے لکھا تو وہ غلط فہم، اگر کسی شاعر نے لکھا تو وہ غلط گو۔ صفحہ ۶۹ میں منشی جی ایسا کچھ

۱۔ چراگر : (بہ فتح اول و سوم) خٹیا گر، آوازہ خواں،

مفتی، بہ معنی مفتی و پیش نماز ہم گفتہ شدہ۔ فرہنگ عیدص ۷۷۴

۲۔ وچر۔ وچر : (بہ فتح واؤ و جیم) فتویٰ، دستور

حاکمِ شرع، وچرگر، فتویٰ دہندہ۔ فرہنگ عیدص ۱۲۲۳

کہتے ہیں جس سے معلوم ہو کہ ہرمزد جس کو حضرت غالب، اپنا استاد بتاتے ہیں وہ وجود خارجی نہیں رکھتا تھا۔ ہاں سچ ہے۔ وہ ایسا وجود خارجی نہیں رکھتا تھا کہ نارجم کے ساتھ مترادف بالمعنی ہو۔ ساسان پنجم کی اولاد میں سے رہنے والا ہزد کا ایک امیر زادہ (جلیل القدر) جس نے پچاس برس علاقے عرب و بغداد سے علوم عربیہ حاصل کیے اور طریقہ زردشتیہ جھوڑ کر دائرۃ اسلام میں آیا اور پھر ہندوستان میں تشریف لایا اور حضرت غالب سے ملا اور دو برس ان کا سہانہ رہا۔ اس کو منشی جی کس دلیل سے جھوٹ کہتے ہیں؟ نجم الدولہ جھوٹ نہ بولیں گے، مگر ہاں بموجب اس مصرع کے :

کاذب ہمہ را بہ کیش خود پندارد

منشی جی جیسے آپ ہیں ویسا اور کو بھی سمجھتے ہیں۔ مخالفین مذہب اسلام اس طریق کو جھوٹا جانتے ہیں اور وہ از روئے شمار لا تعد و لا تحصی ہیں۔ عیاذاً باللہ، کیا اس اجتماع سے مذہب اسلام باطل ہوا جاتا ہے؟ منشی جی ایک آدمی اور وہ بھی بہ اعتبار فقدانِ علم و ادب نیم آدمی۔ اگر آدمی نے ایک امر ممکن کے وقوع کا انکار کیا تو ان کے انکار سے کیا ہوتا ہے۔

لطیفہ ۱۶ :

۱۔ صفحہ میں حضرت غالب کی عبارت لکھ کر منشی

اس کا عجیب ہوتا ہے۔ عبارت یہ ہے ”اکنوں در دبستان مذاہب می نگرم کہ یشتن“ و پشتہ بہ تحتانی نوشتہ اند حاشا کہ رقم سنج

۱۔ یشتن : مص (بہ فتح یا و تا) پرستش کردن، ستایش

کردن، پرستیدن، ستودن۔ فرہنگ عمید ص ۱۲۷

’دہستان مذاہب‘ کہ گراں پایہ ایست بہ غوامض دین زردشتیان و نطق پارسیان دانا دریں منطق خطا کند و پشتن را پشتن بیایے حطی نگرد۔ اتفاق کاروان کاروان کاتب است بر لحاظ نوشتن نگردنگان شاعر را شاعر گرفتند و ہم بریں جادہ رفتند۔“ اب یہاں ایک نشاط انگیز بات سنئے۔ منشی جی صفحہ ۱۷ کی ۸ سطر میں لکھتے ہیں کہ ”سرزا اسد اللہ غالب می نگار د کہ اکنون در ’دہستان مذاہب‘ می نگرم کہ پشتن و پشته بہ پایے تحتانی درست و بجا۔“ یا رب یہ حق مجسم اور کذب مصور کیا لکھتا ہے۔ یہ وہی مثل ہے کہ من چہ می گویم و تنبر من چہ می گوید۔ حضرت غالب کب لکھتے ہیں کہ درست و بجا بلکہ لکھتے ہیں کہ حاشا کہ صاحب دہستان مذاہب پشتن کو بہ پایے حطی لکھے، کاتبوں کی غلط نویسی ہے۔ دکنی کی تخطیہ ہمارے غدیدہ ثابت ہوئے سے یہ غصہ آیا کہ منشی جی کی عقل کا چراغ گل ہو گیا۔ بات کچھ ہے سمجھتے کچھ ہیں۔ پھر بعد اس دھڑت کے ایک ٹھہری بہ گاتے ہیں کہ ”صاحب برہان قاطع رقم می زند کہ پوزیدن بمعنی عذر آوردنست“ لو صاحب، یہ منشی جی کی تحریر تو میری مفید مطلب ہے۔ فی الحقیقت پشتن بہ پایے فارسی مصدر اور پوزد مضارع اور پوزدن مصدر مضارع اور پوزیدن مزید علیہ جیسے آوردن اور آوردن۔ پشتن بہ پایے حطی سہو کتابت ہے اور مستند سہو کاتب ہونا حاققت۔ پھر اسی صفحہ میں منشی جی کا ماحصل تقریر یہ ہے رشیدی پوزش کو بہ معنی عذر اور می پوزد کو بہ معنی عذر می کند لکھتا ہے پس از روئے فرہنگ رشیدی بھی پوزش و می پوزد کا وجود متحقق ہو گیا۔ اللہ رے فقدان قوت عاقلہ اور انعدام

قوت منطقیہ کہ لکھتا ہے کہ ہوزدن و ہردن کہیں نظر نہیں آیا۔ کوئی ہوچھے کہ دیکھ دکھی بھی ہوزیدن بمعنی عذر آوردن لکھتا ہے اور واقعی جب ہوزیدن نہ ہو تو ہوزد کس کا مضارع ٹوہرے اور جب ہوزد نہ ہو تو می ہوزد کہاں سے آجائے۔ اصل مصدر ہشتن، اس کے مضارع میں سے ہوزیدن پیدا ہوا، ہوزدن اس کا مخفف جیسے پرداختن بہ الف اور پرداختن بے الف۔ یہ مدارج لکھ کر ہم ہوچھتے ہیں کہ ہوزیدن و ہوزش کے منشی جی قائل ہیں، پس اب یہ فرمائیں کہ اگر ہشتن بہ بے فارسی مضموم اصل مصدر نہیں تو ہوزد کس کا مضارع اور ہوزیدن کیوں کر بنا؟ جب منشی جی کے نزدیک ہشتن بہ تختانی صحیح ہے تو اس میں سے ہوزد و ہوزش بہ تختانی پیدا ہوگا نہ کہ ہوزد اور ہوزش بہ بے فارسی۔ میان دادخان کیوں اپنا دماغ خالی کرتا ہے؟ منشی جی کیا جانیں کہ مصدر اصلی کس درخت کو کہتے ہیں اور مضارعی کس پھل کا نام ہے اور مصدر مضارعی کون سی ترکیبی ہے۔ تماشے کی بات ہے کہ یہ پھر نابالغ جس لغت یا جس ترکیب کو آپ نہیں جانتا اس لغت اور اس ترکیب کی موجودیت کا قائل نہیں ہوتا۔ جو بات اس کے احاطہ علمی سے باہر ہے وہ اس کے نزدیک معدوم ہے۔ ایک فقرہ سب فقرات سے زیادہ لطیف ہے۔ فقیر اگرچہ اس کے معنی نہیں سمجھا لیکن لطف اٹھا رہا ہے: ”ادعائے مرزا غالب بہ ہوشتن و ہشتن و ہوشتن و ہشتن بہ بے فارسی بدون از سند مثل دیگران ہذیان ست۔“ اگر لفظ ’یان‘ دیگر کے ساتھ ربط رکھتا ہے تو دیگران کے معنی کیا ہیں اور اگر یان ہذیان جملہ مرکبہ ہے تو اس کے معنی ہوچھنے سے گزیر نہیں۔ حاشیے پر منشی جی لکھتے ہیں: ”یان بہ تختانی بہ وزن جان سخن نامربوط کہ

آن را هذیان هم خوانند۔“ ہادی النظر میں یوزجان کا لفظ کھٹکتا ہے کہ آیا یہ چغدی فارسی کا لغت ہے یا سفدی فارسی کا ۔ ہائی حال اس کے اعراب کی کیا صورت ہے ۔ بعد خوض اور غور کے قیاس کیا جاتا ہے کہ یان بہ وزن جان کا ہے ، کابی لکھنے والا نون لکھنا بھول گیا ۔ اب یہاں سوال وارد ہوتا ہے یان بہ وزن جان بمعنی ہذیان کس فرہنگ سے منقول ہے ؟ مانا کہ گوہم نے نہیں سنا لیکن وجود اس لفظ کا ہوگا ، چپ اتنے مرحلے طے کیے ۔ سہو کاتب اور وجود لفظ بمعنی ہذیان ان ہنوات کو تسلیم کر لیا تو اب ہم یہ کہتے ہیں کہ الفاظ مترادف بے واؤ عاطفہ نہیں آیا کرتے ۔ غم و الم لکھیں گے ، غم الم نہ لکھیں گے ، عیش و عشرت لکھیں گے ، عیش عشرت نہ لکھیں گے ۔ منشی جی نے یان ہذیان بہ حذف حرف عطف کیا سمجھ کر لکھا ۔

الحیفہ ۱۷ :

اب منشی جی دلع اعتراضات سے فراغت کر کے خان غالب کی عبارت پر اعتراض کر رہے ہیں ۔ یہ وہی بات ہے ’مہ نور‘ میں نشانددو سک بانگ می زند‘ کچھ ان اعتراضات کی اصل ہو تو میں اس کا جواب دوں ۔ منشی جی کی عبارت میں کوئی فقرہ ایسا نہیں جس میں غلطی نہ ہو ۔ ان کو ایک فصل جداگانہ میں کہنا گویا منشی جی کو ایک شخص عالم و فاضل سمجھتا ہے ! مع هذا تکافو اور تساوی لازم ہے یعنی جیسا کہ اس بزرگ نے نجم الدولہ بہادر کی تقریر پر خردہ گیری کی ہے ، جو حق شناس متصدی اعلان حق ہوا ہے ، وہ بہ طریق مکافات بہ مثل منشی کی

۱۔ یوزجان : اصل میں سہو کاتب ہے ”بہ وزن جان“

صحیح متن میں تصحیح قیاسی کی گئی ۔ مرتب

نکارش کے عیوب ظاہر کرے۔ بعینہ یہ وہ بات ہے کہ ایک دایہ کسی آدمی کو لات مارے اور وہ آدمی غصے میں آکر اس دایہ کے لات مارے۔ جن مقام پر کہ فقیر سیف الحق نے منشی جی کی تحریر کی غلطی کا اظہار کیا ہے وہ بہ اقتضائے حقیقت جواب ہے، ورنہ ان کی بے علمی اور فارسی زبان سے ان کی نا آشنائی ایسی نہیں ہے کہ ابراز کی حاجت رکھتی ہو۔

”صفحہ ۷۷ میں ایک مضحکہ ہے کہ اطفال دیستان نشین بھی اس کو پڑھیں تو منشی جی کے پیچھے قالیاں بجانے دوڑیں۔“ فرماتے ہیں کہ زبان دری میں باس بمعنی قدیم مقابل حادث ہے۔ جھوٹے کو خدا شرمائے۔ موافق منشی جی کے ادعا کے لازم آتا ہے کہ ذات باری کو باستانی کہیں اور یہ جو منشیانِ بلاغت شعار کی عبارات میں کتبِ باستانی اور شاہانِ باستان مرقوم ہے، کتابوں پر اور سلاطین پر حکم قدم جاری کر کے تعدد قدما کا اقرار کیا جائے اور یہ جو ہکتے ہیں کہ ثان و طعام کو باسی باعتبار بوسے بد کہتے ہیں، بھلاہانی پر بھی یہی حکم جاری کریں گے؟ اور باسی ہانی سے بدبو ہانی مراد لیں گے؟ نہ منشی جی لوگوں کو اپنے پر تہ ہنساؤ۔ باس ترجمہ ہے ماضی کا۔ ماضی اور قدیم متحد المعنی نہیں ہیں۔ اس مسئلے کو ہم انھیں مولوی صاحب سے تحقیق کر لو جن کا ہم نے ۶۴ صفحہ پر نام لکھا ہے۔

لطیفہ ۱۸ :

ایک دن میرا ایک دوست ظریف طبع ’محرَق قاطع برہان‘ کو دیکھ رہا تھا اور میں بھی حاضر تھا۔ صفحہ ۳۴ سطر ۱۶ میں لکھا دیکھا کہ ”مردم عوام جم گفتن آغازید“ ہم دونوں متعجب ہوئے کہ جمع کی خبر کا استعمال مفرد کے ساتھ کیوں کر

درست ہوگا۔ آغازِ بد کی جگہ ”آغازِ بدند“ چاہیے تھا، نون دال کہاں کیا؟ اگر منشی جی کو بھوک لگی تھی، دال کہا جاتے نون کیا ہوا؟ اس دوست نے کہا نون عربی میں پھلی کو کہتے ہیں، بھلا یہ کیوں کر ہو سکتا ہے کہ منشی جی ایسی غذائے لذیذ چھوڑ دیتے اور آبالی دال پر قناعت کرتے۔ پھر صفحہ ۸۵ کی ۶ اور ۷ سطر میں یہ فقرہ نظر آیا کہ ”لاحول ولا قوۃ الا باللہ من ایں قدر قلم چرا سود“ حیرت ہوئی سودن پسنا فرسودن گھسنا اطفال دبستان آمد نامے میں یوں ہی پڑھتے ہیں۔ سودن صندل اور سرمہ اور غالیہ اور لخلخہ وغیرہ کے واسطے موضوع ہے، قلم کے واسطے فرسودن ہے نہ سودن۔ خامہ فرسائی لکھتے ہیں نہ خامہ سائی۔ اس دوست نے کہا کہ منشی جی نے خفا ہو کر قلم کو سرمہ کی مانند پیس ڈالا ہوگا۔ میں نے کہا کہ من کی خبر سود، بھلا اس کی تو کوئی وجہ اور تاویل کرو۔ سودم کی جگہ سود کے کیا معنی۔ اس ظریف نے کہا کہ سودم میں دم کی صورت پائی جاتی ہے اور منشی جی بے دم ہیں، من جو حرف متکلم کا ہے، یہ دم کے ساتھ آتا تو خدا خواستہ منشی جی دم دار بن جاتے۔ پھر میں نے اس طالب علم ظریف الطبع سے کہا، شاہ عباس ثانی ایران کے عہد میں حکیم شفا فی اصفہانی بڑا شیوا ہیمان اور ہمہ دان شاعر تھا۔ مومن خان یوزباشی میں اور اس میں عداوت پیدا ہو گئی۔ حکیم شفا فی نے اس کی ہجو میں لکھیں۔ ازاں جملہ ایک ترکیب بند نے بڑی شہرت پائی اور مقبول طبع عام و خاص ہوا۔ پہلے بند کے دو شعر یہ ہیں :

مومن ہاتم باڑی چملاں ہکچا رفت
ہاکاری صد در صد کرمان ہکچا رفت

آن گاؤدم از سینہ بروں رستہ کہ می برد
جنت بدرخانہ یاران ہکجا رفت

الواط و اوباش اصفہان ہر رہ گزر میں دف و چنگ کے ساتھ اس ترکیب بند کو گاتے پھرتے تھے۔ مومن خاں سن کر خفا ہوتا تھا، مگر اس طائفہ بے نام و ننگ سے کیا کہہ سکتا تھا۔ ناچار اپنے گھر میں بیٹھ رہا اور دروازہ بند کر لیا۔ اس جماعت نے اس کے در دولت پر شد و سد سے گنا بیانا شروع کیا۔ پایاں کار مومن خاں اپنے ہیٹ میں چھری مار کر مر گیا۔ ڈرنا ہوں کہ منشی جی بھی اس لطائف کو دیکھ کر کہیں اپنے کو ہلاک نہ کریں۔ اس بزرگ نے فرمایا کہ میان داد خاں یہ کام تحیرت والوں کا ہے، منشی جی کہ طرف یہ احتیال ہے جا ہے۔

لطیفہ ۱۹ :

ایک جگہ 'جامع برہان قاطع' نے اپنی کتاب میں خونِ خرس کی خاصیت لکھی ہے۔ جناب نواب اسد اللہ خاں غالب اس کی عبارت کو قاطع برہان میں لکھ کر یہ کہتے ہیں کہ "آیا کس از ہم خواران و بیمارداران وے نبود کہ ہر گزہ این بے چارہ آہنگ نوشتن برہان قاطع کرد و آن مقدمہ جنون بود، خونِ خرس بہ گھومی ریخت وہ بینی می رسید و بہ کفِ ہا می مالید۔ تا از ریخ سودا می ریخت و لب از ہڈیاں می بست۔" منشی جی نے محرق قاطع برہان کے ۹ صفحہ میں اس تحریر کو حضرت غالب کے عیوب و ذنوب میں گنا ہے، حالانکہ جامع برہان قاطع کو مرے ہوئے کچھ اوپر دو سو پرس ہوئے۔ اب منشی جی اپنے مجموعہ ہنوت کے ۶۵ صفحہ میں جیسا کہ میں ۱۱ فائدہ میں لکھ آیا ہوں، حضرت نجم الدولہ کے دشمنوں کو مجنون کہہ کر ایک

طبيب خاص سے استعلاج کا حکم دیتے ہیں۔ میرا اس مقام پر یہ سوال ہے کہ جامع برہان قاطع اہل دین میں نہ تھا، عوام مسلمین اور رعایاے دکن میں سے ایک آدمی تھا۔ بعد اس کے مرنے کے اُس کا برا کہنا عیب اور جرم ٹھہرا۔ اور ایک شخص زندہ اپنے شہر کا رہنے والا یقین ہے کہ باہم شناسائی اور سلام و علیک بھی ہوگی، اس کو برا کہنا بلکہ کہنے سے گزر کر اس کی غیبت میں اپنے گھر میں بیٹھ کر حد سے زیادہ ناسزا باتیں اس کے واسطے لکھنی اور غیبت کے جسم کا مرتکب ہونا کون سا امر خیر اور ثواب کا کام ہے؟ مردے کے برا کہنے والے کو ص ۹۴ صفحہ کی دوسری سطر میں ”الغیبت اشد من الزنا“ سے ڈرانا حالانکہ مردے کے برا کہنے کا نام عقلاً و نقلاً غیبت نہیں ہو سکتا اور خود غیبت کا یہ تقریر و تحریر ارتکاب کرتا یہ نہ اہل دین کا طریق، نہ اہل عقل کا منصب۔ وہ طالب علم صاحب میرے اس کلام کے بیوں عجیب ہوئے کہ اے سیاح! اس حرکت سے معلوم ہوتا ہے کہ منشی صاحب کو جناب مرزا صاحب سے محبت مفراط ہے۔ غیبت سے بدگوئی مراد نہیں بلکہ مقصود یہ ہے کہ شارع کے ارشاد کے موافق منشی جی کے حسنات مرزا صاحب کو مل جائیں۔ میں نے پوچھا کہ حضرت غالب کی طرف جنون کو منسوب کرنے کی کیا وجہ؟ طالب علم صاحب ہنس پڑے اور کہا کہ یہ منشی جی کی عقل کا قصور۔

لطیفہ ۲۰ :

خاتمے میں جو منشی جی نے ایک تحریکہ کیا ہے، اس کی بھی داد دینی ضرور ہے۔ فرماتے ہیں کہ قیامت کے دن ہر حسین دکنی جامع ’برہان قاطع‘ اپنا

منہ فوجتا ہوا اور سر پر خاک کڑاتا ہوا میدان رست خیز
 میں آئے گا اور فریاد کرے گا کہ غالب نے دنیا میں میرا
 منہ کالا کیا اور میری ناموس میں رخنہ ڈالا۔ پھر غالب
 وہاں کیا جواب دے گا؟ یہاں تو منشی جی کو سیف الحق
 جواب دیتا ہے، وہاں مولانا غالب کی زبان جو باری دے گی
 وہ کہہ لیں گے۔ میرا جواب تو یہ ہے کہ ہاں منشی جی
 سچ کہتے ہیں۔ اس محکمہ عالیہ میں مقدمات خفیہ کی ایک
 کچھری ہو گی اور اس کچھری کے سررشتہ دار منشی
 سعادت علی ہوں گے۔ اپنے علاقے کی دو عرضیاں پیش کریں گے
 ایک آسمان کی عرضی جس میں آسمان مدعی اور مجموع شعرا
 مدعا علیہ۔ و جدہ استغاثہ براکھٹا اور کچ رفتار اور ستم شعار
 نام رکھنا۔ دوسری عرضی محمد حسین دکنی کی، جس میں دکنی
 مدعی اور اسد اللہ خان مدعا علیہ۔ خلاصہ نالاش ہتک حرمت
 یہ ذریعہ اظہار عیوب غفی مدعی۔ سو آسمان کی عرضی پھر
 دیکھیے کیا حکم ہو۔ دکنی کے دعوے کا فیصلہ جیسا کہ
 منشی جی 'محقق قاطع برہان' کی ۹۵ صفحہ اخیر میں لکھتے ہیں،
 یہ ہوگا کہ اسد اللہ خان غالب کے حسنات جامع برہان قاطع
 کو ملیں گے، مگر وہاں حیف و میل نہیں ہے۔ معاً
 منشی جی کے حسنات حضرت غالب کو دے جائیں گے۔
 اللہ الشکر واللہ الحمد کہ غالب رند مشرب پھر برابر رہا، دکنی بچا،
 منشی دھرا گیا۔ تعزمن تشاء و تذلل من تشاء پیدم الملک
 و ہو علی کل شیئ تدبر۔

نقطہ نم نم نم

جوہر تیغ فکر منشی جواہر سنگھ صاحب تحصیل دار
پاپ گڑھ متخلص بہ جوہر

اس کہ سیف الحق کی یہ تصنیف ہے
فرق دشمن اس سے ہوگا ریز ریز

ہے اسے اظہارِ حال عسوی
قولِ جوہر کا ”زہ یہ تیغ تیز“

EIA



جب چھپی یہ لطائف غیبی ہر تاریخ اس کی ہاتھ غیب
سر احمد کو کاٹ کر بولا ”طبع کو بھائے یہ لطائف غیب“

 Lippincott Williams & Wilkins

== I T A T ==

قطعه تاریخ سراج الشعرا سلطان الذاکرین
مرزا یوسف علی خان عزیز

جواب بحرق چہا جو نا کہ بہ ضربۂ مضمون صد زد و کوپ
ہوا بہ ثابت کہ ہے عدو پر عمود قدرت کی ضرب لاریب
خیال تاریخ جب کہ گزرا عزیز ایسے معاملے پر
کہا سروش فلک نے مجھ سے لکھو 'طلسم لطائف غیب'



۱۔ ”یہ صرف“ مطبوعہ میں ہے۔ ”یہ خیر“ تصحیح قیاسی

1000

طبع زاد والانهاد مرزا شمشاد علی بیگ خان رضوان ابن نواب عالم بیگ خان مرحوم

جهان فضايل ميان داد خان مخاطب به سيف الحق اندر جهان
به توديد 'عرق' توجه گشت زروے حقانق لطائف نکشت
هانا هنرور به فرمان حق در آن نامه دم زد ز اعلان حق
زسورت به دهل فرستاده است رضاخان به طبعش رضاداده است
به افزائش حسن تمثال طبع ز رضوان طلب کرده شد سال طبع
وفا پيشه گوهر به الهاس سفت حريفانه آمد ظريفانه گفت
ز مصعصام غيبي سر بد سگال برديدیم و هجری شمردیم سال
۸۳ ۱۲ ۲۰ ۱۲۸۱

قطعه تاریخ از خاکسار بہاری لال

کاتب الحروف عفی عنہ

میان سیاح ہو تم کو مبارک

ہوئی جو آپ سے تقریر غیبی

جواب اچھا دیا بحرق کا تم نے

لغضب سوچھی تمہیں تدبیر غیبی

بدی غالب کی یزداں کو نہ بھائی

عدو کو دی ہے ہوں تعزیرِ غیبی

ہوا جب ختم چھپ کر یہ رسالہ

کہ جس کی ہر کشش ہے تیر لہبی

ہوئی جب فکر سال عیسوی کی

نظر آئی مجھے تحریرِ لہبی

مر حاسد آڑا کر دیکھ 'مشاق'

کہ سالِ طبع ہے شمشیرِ غیبی

— ۱۸۶۳-۱۸۷۲ء

تم

الحمد لله و العنت کہ این صحیفہ ساوی یعنی

"لطائف غیبی" بہ شیریں کاریِ کارپردازان

اکمل المطابع بہ تاریخِ بست و نهم ربیع الثانی ۱۲۸۱ھ طبع شد

رسالہ سوالات عبدالکریم

تمہید

(بہ قلم خلیل الرحمان داؤدی)

مرزا غالب کی 'قاطع برہان' کی مخالفت میں سب سے پہلی کتاب 'مہرق قاطع برہان' ظہور میں آئی، جس کے مصنف سید سعادت علی صاحب، میر منشی ریڈیلنٹ راجپوتانہ تھے۔ 'مہرق قاطع برہان' محرم ۱۲۸۰ھ میں مطبع احمدی شاہدرہ دہلی سے شائع ہوئی تھی۔ اس کے جواب میں مولوی نجف علی خان جھجری نے 'دافع ہذیان' لکھی اور خود مرزا نے دو رسالے لکھے۔ پہلا رسالہ بھی 'سوالات عبدالکریم' ہے جو مرزا نے ایک طالب عام 'عبدالکریم' کے فرضی نام سے شائع کرایا اور دوسرا رسالہ 'لطائف غیبی' ہے جو اگرچہ مرزا کی اپنی تحریر ہے لیکن اس کا مصنف میاں زاد خان سیاح لکھا ہے۔ غالبیات پر کام کرنے والوں نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ یہ دونوں رسالے یعنی 'لطائف غیبی' اور 'سوالات عبدالکریم' مرزا غالب ہی کی طبع و قاد کے شاہکار ہیں۔

مرزا غالب نے 'برہان قاطع' کے ۲۸۳ کلمات پر

اعتراضات کر کے 'قاطع برہان' مرتب کی تھی۔ ان ۲۸۳ الفاظ میں سے ۲۴ الفاظ ایسے ہیں جنہیں سید سعادت علی نے اپنی تالیف 'حدائق العجائب' میں صحیح سمجھ کر شامل کر رکھا تھا۔ چنانچہ جب مرزا نے ان کے غلط ہونے کے متعلق لکھا تو سید سعادت علی کو ناگوار گزرا اور انہوں نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ صاحب برہان قاطع صحیح ہیں اور مرزا غالب غلطی پر ہیں۔ چنانچہ مرزا غالب نے 'سوالات عبدالکریم' میں یہی بتایا ہے کہ جو شخص ایسی ایسی غلطیاں کرتا ہے اس سے مرزا غالب کا مقابلہ کس طرح ہو سکتا ہے۔

'سوالات عبدالکریم' صرف ۸ صفحوں کا رسالہ ہے جس پر مطبع کا نام اور سن طباعت درج نہیں ہے۔ لیکن مالک رام صاحب کا خیال ہے کہ یہ بھی مطبع اکمل المطابع دہلی سے ۱۲۸۲ھ میں ہی شائع ہوا تھا۔ ('سوالات عبدالکریم' مشمولہ ماہ نامہ 'آج کل' دہلی، فروری ۱۹۵۳ء)۔ اس رسالے میں ۱۶ سوالات ہیں جو صفحہ ۷ پر ختم ہو جاتے ہیں۔ صفحہ ۸ پر 'استفتاء از جانب سائل' ہے اور اس کے ذیل میں دو سوال ہیں۔ یہ دونوں سوالات سید سعادت علی کے دعاوی سے متعلق ہیں جو انہوں نے 'محرق قاطع برہان' میں کہے تھے۔

یہ رسالہ ایک مرتبہ غالب کی حیات میں ۱۸۶۵ء میں چھپا تھا اور دوبارہ قاضی عبدالودود صاحب نے سہ ماہی مجلہ 'معاصر' پٹنہ (حصہ ۳، مرتبہ عبدالمتان بیدل) میں ۱۹۵۲ء میں شائع کیا ہے۔

رسالہ: سوالات عبدالکریم

اضعف ہندگان رب کریم ، عبدالکریم ، منشی سعادت علی صاحب کی خدمت با برکت میں عرض کرتا ہے کہ میں "عرق قاطع برہان" کو دیکھ کر آپ کی فارسی دانی بلکہ ہمہ دانی کا معتقد ہوا ، مگر اپنے فہم کے تصور سے بعض ترکیبوں کو نہیں سمجھا ۔ ناچار ان کی حقیقت آپ سے پوچھتا ہوں ، اور متوقع ہوں کہ ہر سوال کا جواب جداگانہ بہ عبارت سلیس ، عام فہم لکھیے گا اور یہ سوالات "عرق" مطبوعہ کے ۵۰ صفحے سے متعلق ہیں ۔ اس نسخہ بے نظیر کے ۶۴ صفحے اور باقی ہیں ، جب ان سوالوں کے جواب پا چکوں گا تو سوالات باقی پیش کروں گا ۔

سوال پہلا

صفحہ ۲ سطر ۸ ۔ آپ لکھتے ہیں کہ "پیش ازین چند سالے کتاب مسعلی بہ حدائق العجائب تالیف کردہ بودم" عاصی عرض کرتا ہے کہ "چند سالے" کیا ترکیب ہے ہاں "سالے چند" ، "ماہے چند" ، "روزے چند" یا "چند سال" و "چند ماہ" و "چند روز" مستعمل فصحا ہے ۔ سعدی بجا کہتا ہے : "چار ہائے برو کتابے چند" اب "چند سالے" کی سند

اساتذہ کے کلام سے آپ ہم کو دیں۔ میں تو آپ کے کلام کو سند مان لوں گا، لیکن منکرین کو کیا جواب دوں گا۔

سوال دوسرا

صفحہ ۳ سطر ۹۔ آپ رقم کرتے ہیں کہ ”باوجود این کثرت جون همه لغت باهم ترتیب حروف تہجی از اول لغت تا آخرش چہ جائے باب و فصل بہ تقدیم و تاخیر مرقوم شدند“۔ یہ کو اس فقرے میں تردد یہ ہے کہ جب تک ترتیب کے قبل ہائے موحده نہ آئے ترتیب متعلق بہ فعل کیوں کر ہو۔ اسی صفحے میں اس فقرے کے بعد بے فصل ۱۰ سطر میں تم لکھتے ہو: ”احدے از فرہنگ نویساں چہن عرق ریزی در ترتیب نگردیدہ۔“ پھرے نزدیک یہاں ”نگردیدہ“ غلط محض اور غلط معنی ہے۔ ”نگردہ“ ہوتا تو ”احدے“ اس کا فاعل ٹھہرتا۔ ”نگردیدہ“ فعل لازمی ہے، ”احدے“ اس کے ساتھ ربط کیوں کر ہائے گا؟ اسی صفحے کی ۱۵ سطر میں تم لکھتے ہو: ”ہدون از کتب لغت مندرجہ اشعار استاد اساتذہ سخن وران اہل زبان ایران“ سائل حیران ہے کہ یہ عبارت فارسی ہے یا مجذوب کی بڑ ہے۔ سب کسرات مبہل ہیں، خصوصاً ”اساتذہ سخن وران“ ”اساتذہ“ بھی بصیغہ جمع اور ”سخن وران“ بھی بصیغہ جمع۔ اگر اساتذہ کے آگے سخن ور بصیغہ مفرد ہوتا تو ”اساتذہ“ کا کسرہ توصیفی گنا جاتا۔ ”اساتذہ“ موصوف ہو جاتے اور ”سخن ور“ ان کی صفت ٹھہرتی۔ ”اساتذہ سخن وران“ کا کسرہ کسی طرح توصیفی نہیں ہو سکتا۔ مگر ہاں اضافی ہو سکتا ہے۔ اس صورت میں اس کی ہندی یہ ہوگی کہ سخن وروں کے استاد

اور یہ نہ تمھاری مراد نہ مقام کے مناسب۔ پھر ”سخن وراں“ اہل زبان ایران“، یہ ترکیب سخت نا مربوط اور نامانوس ہے۔ اہل زبان تک فقرہ تمام ہو جاتا ہے۔ ”ایران“ کو

اپنے مابعد سے سر مُوربط نہیں۔ اہل انشاء کے محاورے میں ”اہل زبان“ سے شعرائے ایران مراد ہیں، چاہو شعرائے ایران کہو، چاہو اہل زبان۔ اسم ایران کیا سمجھ کر لکھا ہے؟

سوال تیسرا

۴ صفحے کی ۶ سطر کا فقرہ مخدوش ہے۔ ”حالی ضمیر خرد مندان حق گزین دقیقہ رس سخن شناس مقلدان اساتذہ سخن وراں اہل زبان پیشین خواہد بود“ ”حالی“ مضاف ”ضمیر“ مضاف الیہ۔ پھر ”ضمیر“ مضاف، ”خرد مندان“ مضاف الیہ۔ ”حق گزین“ صفت، ”دقیقہ رس“ صفت در صفت۔ ”سخن شناس“ عائلی هذا القیاس۔ اب احقر کی تقریر سنئے۔ ”حالی“ کا کسرہ اضافی، ”ضمیر“ کا کسرہ اضافی، ”خرد مندان“ کا کسرہ توصیفی، ”حق گزین“ اور ”دقیقہ رس“ کا کسرہ قائم مقام واؤ عاطفہ۔ یہاں تک تو میں سمجھ لیا۔ اب ”حق شناس“ کے سین کو موقوف پڑھوں تو سارے فقرے کو اپنے مابعد سے ربط باقی نہیں رہتا اور اگر متحرک پڑھوں تو اس کو توصیفی نہیں کہہ سکتا۔ ناچار اضافی کہوں اور ”سخن شناس“ کو مضاف ٹھہراؤں اور ”مقلدان“ کو مضاف الیہ بناؤں۔ ”سخن شناس مقلدان“ کی کوئی معنی ہوچھے تو کیا بناؤں؟ ”مقلدان“ کا کسرہ بے شبہ اضافی ہے۔ ”مقلدان اساتذہ“ یعنی اساتذہ کی تقلید کرنے والے۔ لیکن وہاں تو ”اساتذہ سخن وراں“ ہے۔ اس کا

حاصل وہ ہے جو ، ہیں آویر لکھ آیا ہوں ۔ اس صورت میں ہندی اس طولانی فقرے کی یہ ہوئی ، سخن وروں کے استادوں کے مقلدوں کے سخن شناس ۔ پھر یہاں بھی تو حضرت کو سکوت نہیں ”سخن وراں“ کے آگے ”اہل زبان“ ، اس کو کہاں کھپاؤں ؟ غیر اس کو بھی آپ کے پیچھے کی عبارت میں یہ زور ٹھونس دیا ۔ پیشین کو کہاں گھسیڑوں ؟ کچھ فرمائیں ، کچھ بتائیے ۔ تاکہ آپ کا خادم کشاکش سے نجات پائے ۔

سوال چوتھا

صفحہ ۵ سطر ۶ یہ ہے : ”در زمانش آمد شد از ایران و رواج زبان پارسی و شاید از شعرا کلام عم بود“ ہر چند رواج زبان پارسی ہند میں غوریوں کے عہد سے اور ہابیوں کے عصر میں مجدد ہوا ہے اور آپ کی عبارت میں زمانشی کے شین کی ضمیر صاحب فرہنگ جہاں گیری یا جامع برہان قاطع کی طرف راجع ہے اور یہ دونوں ہابیوں بادشاہ کے بعد ہیں ۔ لیکن میں تم کو زیادہ دکھ نہیں دیتا ۔ اسی قدر پوچھتا ہوں کہ آمد و شد کا مضاف کہاں ہے ۔ کون لوگ ایران سے آتے جاتے تھے ۔ اگر زبانی تم نے کہہ دیا کہ شعرا ، میں کب مانوں ، اپنے اس فقرے کی رو سے مجھے سمجھا دو گے تو میں تم کو استاد جانوں گا ۔

سوال پانچواں

صفحہ نواں سطر ۱ ۔ آپ کا یہ فقرہ تعجب التركیب ہے : ”ریخ چشم زخم وغیرہ آن ہا کہ بہ احباب مجلس آنس کہ

مخاطب اندر نرسد، ”ریج چشم زخم آن ها“ کافی تھا۔ ”وغیرہ“ بیچ میں کیوں لائے؟ یہ تو بے محل اور بخل معنی ہے۔ پھر آگے ایک اور ٹھوکر ہے، یعنی مجلس آنس کے آگے کاف کیسا ہے؟ سچ تو یہ ہے کہ آپ کے اقوال کو وہ سمجھے جس نے حضرت سلیمان کو خواب میں دیکھا ہو۔ میرا کیا منہ جو حضرت کے مدعا کا استباط کر سکوں :

من ندیدم شیے سلیمان را
چہ شناسم زبان مرغان را

سوال چھٹا

صفحہ ۱۴ سطر ۱۱ میں تم نے ایک شعر مولانا روم کی مثنوی کا لکھا ہے :

ایں چہ کفر است، ایں چہ ژاڑ است و فشار
ہنہ بہ اندر دھان خود بہ فشار

میں اس کو موزوں نہیں پڑا سکتا۔ پہلا مصرع بے شک مولوی روم کی مثنوی کا ہے اور دوسرا مصرع ازروئے وزن حدیقہ حکیم سنائی غزنوی کی بھر کا معلوم ہوتا ہے۔ دوسرے مصرعے کا ہم وزن کرنا مجھ کو سکھا دیجیے۔ یہ سوال ہے بہت جواب طلب، زیادہ حد ادب۔

سوال ساتواں

صفحہ ۱۴ سطر ۵ اور ۶ اور ۷ سطر کی عبارت یہ ہے :
”از حکومت دزدان را می گیرد و مال از آن ها ستیہ می گزارد و دزدان ایں سبب مال بوے می دهند کہ اگر ندہم

مارا قید خواہند کٹانید، یہاں ”از حکومت“ نکسال باہر ہے۔ ”بہ حکومت“ چاہیے۔ پھر ”ستیدہ“ کس ملک کی فارسی ہے؟ ”ستدن“ بہ ضمتیں و فتحہ دال مصدر ”ستد“ بہ حذف تون و بقائے ضمتیں ماضی ”ستدہ“ بہ اضافہ ہائے غنی مفعول۔ آپ ”ستیدن“ اور ”ستید“ اور ”ستیدہ“ کسی استاد کے کلام میں دکھا دیجیے تو میری تشفی ہو۔ اس سے بڑھ کر یہ پرسش ہے کہ ”دزدان“ صیغہ جمع ”مارا“ صیغہ جمع پھر ”ندہم“ کہاں کی بولی ہے؟ میرے نزدیک ندہم مناسب تھا۔ تم نے ”ندہم“ کیا سمجھ کر لکھا ہے، مجھے بھی سمجھا دو۔

سوال آٹھواں

۱۸ صفحہ کی ۶ اور ۷ سطر میں مرقوم تلم طرفہ رقم ہے۔ ”دومثال بہ اندراج لفظ سراز و لفظ عین تقلیداً مرزا اسداللہ غالب ترکیب دادہ نگاشت“ اس نگارش میں نہ معنی درست، نہ لفظ صحیح۔ معنی کی نا درستی یہ کہ تم لفظ کثیر المعنی کو اعداد میں شمار کرتے ہو اور یہ سمجھا رہے عقیدہ غلط ہے۔ لفظ کثیر المعنی اور ہے اور لفظ مشترک المعنی ہے۔ لفظ کی غلطی اس سے زیادہ کیا ہوگی کہ تقلیداً مرزا اسداللہ غالب لکھتے ہو۔ پیر و مرشد! یا آپ نے بہ تقلید فلانی لکھا ہوتا یا تقلیداً للفلانی لکھا ہوتا ”تقلیداً فلانی“ نہ ترکیب فارسی، نہ ترکیب عربی۔ یہ وہی مثل ہے ”نہ آدھر نہ ادھر، یہ بھلا کدھر۔“

سوال نواں

۲۳ صفحہ میں آپ نے ”سیرابی بہان“ کو جائز نہیں

رکھا۔ ذرا سوچئے کہ آپ کیا کہتے ہیں۔ ”رنگینی“ اور ”سیرابی“ اور ”شادابی“ ”بیان“ کی صفت کیوں کر نہیں ہو سکتی۔ یہ بیان کی خوبی کا استعارہ ہے۔ فن استعارہ کو آپ غلط ٹھہرائیں تو ”سیرابی“ ”بیان“ کی صفت بھی غلط ہو جائے۔ آپ کا قول یہ ہے کہ اس آدمی یا اس جانور کو سیراب کہو جس نے پانی پیٹ بھر کر پیا ہو یا اس کشت و باغ و سبزار کو کہو جس کو خوب پانی دیا، یہ قید تو محض تحکم ہے اور اس قید سے لازم آتا ہے کہ نقط پھول کو شکفتہ کہیں اور جبین کو شکفتہ نہ کہیں اور سوا کپڑے کے کسی چیز کو رنگین نہ کہیں۔ میں تو آپ کا معتقد ہوں اس قید کو مان لوں گا، لیکن اوروں کو کیا کروں؟ شاعر کہتا ہے :

نمود گوهر سیراب در ہنسا گوشش
چو شبنم کہ کشد برگ گل در آغوشش

بہار دانش کے دیباچے میں :

بود از فیض معنی ہائے سیراب
روان در جدول اوراق او آب

اسی صفحے میں ہم نے اوشان کے لفظ کو ضمیر جمع غائب لکھا ہے، حال آنکہ ضمیر واحد غائب شین اور ضمیر جمع غائب شان ہے۔ ضمیر واحد مشنۃ فوقانی اور ضمیر جمع حاضر تان ہے، دونوں جگہ الف و نون ہے۔ اوشان اور شاہان اور مایا وہ متصدیان عامی لکھتے ہیں جو بڑے درجے دروازے پر اور ڈاک خانے کی راہ میں اور کچہریوں کے میدان میں

بیٹھے رہتے ہیں۔ دو باتوں کا متوقع ہوں۔ ایک تو یہ کہ ”سیرابی بیان“ جو قاطع برہان میں مندرج ہے صرف وہ غلط ہے، یا ”سیرابی گوہر“ اور ”سیرابی معنی“ یہ بھی غلط ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ اوشاں کی سند از روئے نظم و نثر اساتذہ عنایت کیجیے۔

سوال دسواں

صفحہ ۲۴ سطر ۱۰۔ آپ کی یہ عبارت ”ہسودن بہ ہائے فارسی نہ در فرہنگ رشیدی و فرہنگ جہانگیری و در مویذ الفضلا و مدارالافاضل ندیدم“ سراسر بے ربط بلکہ خبط ہے۔ نون نافیہ ابتداء سے عبارت اور ”در“ کا لفظ دو جگہ، پھر دو ظروف ذکر کر کے واؤ عاطفہ اور اس کے آگے دو ظرف اور گلستان بوستان پڑھنے والا بہ شرط آن کہ ہاگل نہ ہو گا کبھی نہ لکھے گا۔ اس مطلب کی گزارش کی طرز بے تکلف یہ ہے۔ ”ہسودن بہ ہائے فارسی در فرہنگ رشیدی و فرہنگ جہانگیری و مویذ الفضلا و مدارالافاضل ندیدم“ اس فقرے کے بعد بے فصل یہ فقرہ اور زیادہ تر مضحک ہے ”کہ گان کہ دارند کہ براں ہائے موحدہ ہر آورندگان کتاب از راہ تصحیف زیادہ کردہ باشند“ کم ترین بوجھتا ہے کہ ”گان“ کے آگے کا کاف کیسا ہے اور کیا معنی دیتا ہے؟ اور ”ہر آورندگان کتاب“ سے کون لوگ مراد ہیں؟ نہ مؤلف ”ہر آورندگان کتاب“ ہو سکتا ہے نہ کاتب۔ بھلا میں تم کو قسم دیتا ہوں سعدی کو ”ہر آورندگان گلستان“ کہو گے یا وہ گلستان اگر تمہارے ہاتھ کی لکھی ہوئی ہے تو اپنے کو اس گلستان کا ہر آورندگان لکھو گے؟

سوال گیارھواں

صفحہ ۲۶ سطر پہلی میں تم لکھتے ہو : ”ندام کہ مرزا اسد اللہ غالب یہ کہ رہبری ہائے موحدہ اصلی ہساویدن و ہسودن را زائدہ انگشتند“ فدوی پوچھتا ہے کہ ”یہ کہ رہبری“ کے کیا معنی ؟ یا ”یہ کدام رہبری“ لکھتے یا ”یہ رہبری کہ“ لکھتے ۔ سبحان اللہ ، اس تقریر پر دعویٰ تالیف اور تصنیف کرنا اور پھر جناب حضرت غالب منظر اللہ العالی سے پوچھنا کہ ہائے ”ہساویدن و ہسودن“ کو کس راہ سے زائدہ جانا ۔ میں تم سے پوچھتا ہوں کہ تم اس موحدہ کو اصلی اور جزو کلمہ کس راہ سے جانتے ہو ۔ ہسودن مصدر اصلی اور ہساود اس کا مضارع اور ہساویدن مصدر مضارعی جیسا رستین یہ معنی آگئے کے مصدر اصلی اور روئیدن مصدر مضارعی ۔ اب ایک بات اور سمجھو ۔ مصدر کو یہ اضافہ ہائے زائدہ متقدمین و متاخرین میں سے کسی نے استعمال نہیں کیا ، ہاں صیغہ ہائے ماضی و مضارع و امر کے مقدم موحدہ لاتے ہیں ۔ رفت کو ہرفت اور رود کو ہرود اور رو کو ہرو لکھتے ہیں ۔ اسی طرح استاد نے ہساود ، ہساود لکھا ۔ سوائے تمہارے اور کون ایسا احمق ہوگا کہ ہساود کی موحدہ کو جزو کلمہ اور حرف اصلی سمجھے گا ۔ قصہ مختصر ، میرا سوال یہ سبیل اساتذہ یہ ہے کہ خاص ہساود کی موحدہ کو حرف اصلی سمجھوں یا ہرود و ہکوید و بناید جتنے مضارع ہیں اور یہ ہزار در ہزار ہیں ، ان پر جو ہائے موحدہ لاتے ہیں عموماً ان سب کو حرف اصلی اور جزو کلمہ سمجھوں ؟ اور چون کہ حرف اصلی کا حذف دستور نہیں ، پس ہساود کو لفظ مستقل قرار دوں تو ہساود کو مہمل سمجھوں یا مخفف ؟

سوال بارہواں

صفحہ ۳۰ سطر ۱۹۔ حضرت نے ”مردمان دور و دراز“ لکھا ہے۔ ”دور و دراز“ ”راہ“ کی صفت ہے۔ ”مردمان“ کی صفت لفظ ”دور“ البتہ ”دراز“ کا عطف کیسا؟ اگر ”دراز“ سے دراز قد مراد ہیں تو دراز قد لکھنے سے کیا مراد ہے؟ عیاذاً باللہ! مردم بلاد بعینہ یا مردم شہر ہاے دور دست کی جگہ ”مردم دور و دراز“ لکھنا اور پھر فارسی دانی اور منشی گری اور فرہنگ نویس کا دعویٰ کرنا۔ پیر و مرشد! پہلے خود بنوانا تھا، پھر شیروں کا مقابلہ کرنا تھا۔

سوال تیرہواں

صفحہ ۳۰ سطر ۸۔ ”ما سخن فہان انصاف گزین حق پسند را تکلیف دعوت نہ می دہم“ ما کے خبر نہ می دہم“ مسموع و معلول ہے، ”نہ می دہم“ کہاں کی بولی ہے؟ اس جملہ مرکبہ کی ہندی یہ ہوگی، ہم سخن فہموں کو دعوت کی تکلیف نہیں دیتا۔ اب آپ ہی سوچیے کہ یہ آردو ہے یا انگریزی لہجہ ہے۔ اسی عبارت میں آپ نے ”خندستان“ کا لفظ لکھا ہے۔ آپ بڑے محقق فارسی دان ہیں۔ میں متوقع ہوں کہ ”خندستان“ کی سند اساتذہ عجم کی نظم و نثر میں سے مجھ کو عطا کیجیے۔ اسی صفحہ کی ۹ سطر میں مرقوم قلم اعجاز رقم ہے۔ ”پھر دیدن تماشے خندہ خویش آناں مانند رقاصاں می طلباند“ میں پوچھتا ہوں کہ ”آناں“ کے آگے لفظ ”را“ جو مفعول کی علامت ہے کہوں نہ لکھا اور

”می طلبہ“ کی جگہ ”می طالباند“ کیوں لکھا - تمدی کی کیا حاجت تھی ؟

سوال چودھوان

صفحہ ۵۴ - یہاں بھی ۱۰ سطر میں ”برآوردگان کتاب“ بمعنی مصنفان کتاب لکھا ہے - گویا کتاب ٹیسو ہے جو کہا جائے کہ اب دسہرا آیا ، لڑکے ٹیسو لکا لیں گے - اسی صفحے کی ۱۱ سطر میں تم لکھتے ہو: ”از سرمہ ہمیری دیگر کتاب رفع گردیدہ“ مطلب تمہارا یہ ہے کہ اور کتاب کے مقابلے سے رفع ہو گیا - واہ کیا خوب! ”سیرابی ہان“ غلط اور سرمہ ہمیری مقابلہ صحیح - خیر یہ بھی سہی ”ہمیری“ بمعنی مقابلہ کہاں سے ڈھونڈ کر لائے ہو ؟ ”ہمیری“ لفظ غریب اور مقابلے کا استعارہ غلط - اگر بہ تکلف تمام ہم دوشی اور ہم سہری کا مرادف ٹھہرائیں تو ”ہمیری“ افادہ معنی برابری کرے گا ، مقابلے کے معنی کبھی نہ دے گا - مقابلہ ضدیت چاہتا ہے نہ مشابہت - اسی صفحے کی ۱۳ سطر میں لکھتے ہو: ”ابن حمہ می ماند“ اس مقام پر ”ابن بدان ماند“ یا ”ابن بدان می ماند“ لکھنا چاہئے تھا - ”ابن حمہ می ماند“ کے کیا معنی ہیں ؟ پھر اسی صفحے کی ۱۵ اور ۱۶ سطر میں لکھتے ہو: ”دیدہ وراں انصاف و حقیقت بر این صنعت می خندند و حمقا ظاہرین می سرایند“ پہلے تو یہ ارشاد ہو کہ ”دیدہ وراں انصاف حقیقت“ کیا ترکیب ؟ پھر یہ کہیے کہ حمقا ظاہرین کے کیا معنی ؟ حمقا کے آگے تختانی یا ہمزہ ہو تو ”ظاہرین“ حمقا کی صفت ٹھہرے - خیر اس کو تم نے ناظرین کے وجدان پر محمول کیا ”می سرایند“

عجائز می گویند کے مرادف ہے - یعنی کہتے ہیں - پس اس کے آگے ایک کاف اور اس کے بعد ایک تقریر ضرور ہے - جب تم نے نہیں لکھا تو کوئی کہوں کر جانے کہ ”حقائے ظاہرین“ کیا کہتے ہیں - جس مجمع میں یہ صفحہ دیکھا جانا تھا تو ایک شخص ظریف حاضر تھا - اس نے سب کو ڈانٹا اور کہا تم لوگ نادان ہو ، جناب منشی صاحب نے ”می ستاند“ کی جگہ ”می سراپند“ لکھا ہے - ہم سب نے کہا یہ امر سند طلب ہے - سرودن کے دو معنی ہیں : گانا اور کہنا ، تعریف کرنا کس طرح مسلم ہو سکتا ہے ؟ اس ظریف نے کہا کہ سنو ! ہندی میں تعریف کرنے کو سراہنا کہتے ہیں - منشی جی نے از روئے تقریر میں سراپند لکھا ہے - ہم نے کہا اگر یوں تھا تو ”می سراہند“ چاہیے تھا ، نہ ”می سراپند“ - ظریف نے کہا کہ منشی جی پرو ہیں دکنی کے جس نے پرعان قاطع میں ارتنگ کو ارٹنگ اور ارچنگ اور ارژنگ اور ارسنگ اور ارغنگ لکھا ہے - منشی جی نے ابھی ”می سراہند“ کو ”می سراپند“ لکھ دیا تو غضب کیا ؟ منشی صاحب ! تمہارے سر کی قسم ، اس مجمع میں یہ نسبت آپ کی فارسی عبارت کے ، وہ لطائف ذوق انگیز درمیان آئے ہیں کہ سب اہل محفل منشی کے مارے مرے جاتے تھے - آخر کو باتفاق رائے ہم دگر یہ ٹھہری کہ فرہنگ نویسوں نے فارسی کو سات قسم پر منقسم کیا ہے - ان اقسام سبعہ میں سے ساتویں فارسی سفدی ہے - منشی سعادت علی نے آٹھویں فارسی نکالی ہے - اس کا نام چفدی ہے - چون کہ فدوی آپ کا معتقد اور خیر خواہ ہے ، اس امر سے بہت خوش ہوا اور آپ کی خوشی کے واسطے

اس امر کی آپ کو اطلاع دی ۔

سوال پندرہواں

مجد حسین دکنی جامع برہان قاطع پر طریقت نہ تھا ، شیخ وقت نہ تھا ، مفتی نہ تھا ، مجتہد نہ تھا ، عالم نہ تھا ، رعایائے دکن میں سے ایک شخص متوسط الحال ہو گا ، غایت مافی الباب یہ کہ پڑھا لکھا ہو گا ۔ اس کی بہ نسبت جو حضرت غالب مدظلہ العالی نے کچھ کلمات ظرافت آمیز لکھے ، آپ نے اس کے عوض میں حضرت کو وہ کچھ لکھا کہ کوئی اشراف کسی ادب آدمی کو بھی ایسی باتیں نہ کہے گا ، نہ لکھے گا ۔ بس صاف گالیاں ہیں ۔ یہ آپ کا معتقد آپ سے بہ کمال عجز و انکسار پوچھتا ہے کہ ایک دکنی دنی کے واسطے آپ کو غصہ اٹنا کیوں آگیا کہ آپ نے مناظرے کو بھکڑ بنا دیا اور فحش بکتے لگے اور بھوک دینے لگے ، اس سوال کا جواب شافی لکھیے ۔

سوال سولہواں

آپ سنی ہیں اور اہل سنت جماعت خلفائے راشدین کو اپنا پیر و مرشد اور ان کی تعظیم و تفضیل کو اپنے پر واجب اور سب صحابہ کو گناہ بلکہ کفر جانتے ہیں ۔ آپ کے حقیقی بھائی نے مذہب رفض اختیار کیا ، محرم میں حاضریاں کھاتے اور تعزیه خانوں میں بھس اڑاتے پھرتے ہیں ، تم ان سے کبھی خفا نہ ہوئے ۔ مقام حیرت ہے کہ جامع قاطع برہان کی مذمت پر تو وہ استیلائے غیظ و غضب ہو اور لعن طعن صحابہ سن کر کان پر جوں نہ پھرے اور تیوری پر بل نہ

پڑے۔ کہو گے ہمارے بھائی نے ہمارے سامنے کبھی تبرا نہیں کیا۔ تو میں عرض کروں گا کہ حسبی مملک بجالہ۔ میرا ارادت علی صاحب کا امامیہ ہونا اور مذہب امامیہ میں سب صحابہ کا استحسان بلکہ وجوب مشہور اور اظہر ہے۔ آپ کا سننا نہ سننا برابر ہے۔ فقہ جلد بتائیے کہ سب صحابہ کیوں ناگوار نہ ہوا؟ باوجود اس قسم اور تقدس اور تورع کے جو تم کو حاصل ہے، حمیت دین کی رگ جنبش میں کیوں نہ آئی؟ جیسے وہاں غضب ناک ہونے کا باعث لکھنے کا یہاں خشم گین نہ ہونے کی بھی وجہ لکھنے کا۔

خاتمہ

آپ کا دستور یہ ہے کہ جب فقدان مادہ علمی کی جہت سے حریف کو جواب نہیں دے سکتے، تو غصے میں اندھے بن کر گالیاں دینے لگتے ہو۔ نجم الدولہ اسد اللہ خان بہادر غالب، امیر نام دار اور مع ہذا حلیم اور برد بار ہیں، تمھاری ناسزا باتیں سن کر چپ ہو رہے۔ سننے میں نے ایک دن نواب صاحب محشم المید سے پوچھا کہ آپ نے منشی سعادت علی صاحب کی بد زبانی کا جواب کیوں نہ دیا۔ حضرت نے فرمایا کہ اگر راہ چلتے سڑک پر گدما تم کو لات مار بیٹھے، تو کیا تم ابھی یہ سبیل ثلاثی سڑک پر ٹھہر جاؤ گے اور گدھے کو لات مارو گے؟ میں نے کہا کہ ہرگز نہیں۔ حضرت نے ارشاد کیا کہ پھر میں منشی جی کی خرافات کا جواب کیوں دوں۔ اس امر کے اظہار سے بری غرض یہ ہے کہ حضرت غالب تمھارے مقابلے کو

ننگ و عار سمجھ کر سکوت کر گئے۔ میں دلی کا روڑا ہوں۔
 آپ ہتھ زور ہیں تو میں کوڑا ہوں۔ اگر آپ بھکڑ لڑنے
 کا قصد کیجیے گا میں خم ٹھوک کر موجود ہو جاؤں گا،
 ایک کہو گے دو سناؤں گا۔ زہار میرے سوالوں کا جواب
 جیسا طریقہ شرفاء کا ہے دیجیے گا اور بدزبانی، ژاڑ خالی نہ
 کیجیے گا۔

تمت الخطاب بعون الملك الوهاب عن منتظر الجواب۔ تم تم تم

استفتاء از جانب سائل

سوال پہلا : قواعد مقررہ فارسی کے مطابق صیغہ امر کے بعد، مجرد الف افادہ معنی فاعلیت کرتا ہے اور اسم جامد کے آگے الف نون مفید معنی جمع ہے۔ الف نون سے معنی فاعل کے لئے کا قصد کرنا ناشی غفلت سے ہے یا نہیں ؟

جواب : الف و نون بعد اسم جامد اکثر مفید معنی جمع دیدہ ام و گاہے برائے افادہ معنی "فاعلیت نشیدہ ام - فقط العبد مجد سعادت علی عنی عنہ ، ملازم گورنمنٹ سکول دہلی - بعد صیغہ ہائے امر الف افادہ معنی "فاعلیت" میں کہند و الف و نون بعد اسم جامد برائے جمع ہی آید - الف و نون را کہ بعد اسم جامد میں آید ہر ائے فاعلیت قرار دادن و آن بر عدم واقفیت است - واللہ اعلم - العبد خدا بخشی ، مدرس نورمل اسکول -

اسم جامد کے بعد جو الف و نون آتا ہے مفید معنی جمع ہے ، اس سے معنی "فاعلیت" مراد لینی غفلت سے خالی نہیں ہے - فقط العبد مجد نصیرالدین متعلق نورمل اسکول دہلی -

احقر نے الف و نون بعد اسم جامد مفید معنی جمع ہی دیکھا ہے - فقط العبد مجد لطیف حسین مدرس مدرسہ سرکاری -

الف بعد امر کے البتہ مفید معنی فاعلیت ہوتا ہے اور مع نون آخر اسم جامد میں مفید معنی جمع ہے اور کبھی زائد آتا ہے ۔ معنی "فاعلیت اس سے سمجھنا نا سمجھی ہے ۔ راقم آئم محمد فضل اللہ عفی عنہ ۔

جواب یا صواب است ۔ غیب علی عفی عنہ ۔

فارسی میں الف و نون تین قسم کا ہے ، اگر لفظ جامد کے آگے آئے تو یا زائد ہے یا جمع کا اور صیغہ ہائے امر کے بعد حالیہ ہے ، عموماً ۔ فقط ۔ داد کا طالب ، غالب ۔

سوال دوسرا : رواں و دواں و افتان و خیزان یعنی صیغہ ہائے امر کے آگے الف نون جو آتا ہے وہ حالیہ کہلاتا ہے ۔ الف نون حالیہ کے وجود کا منکر مسلمات جمہور کا منکر ہے یا نہیں ؟

جواب : الف و نون حالیہ بہ کتب اساتذہ مسطور است ۔ منکر آن منکر اقوال شان بالضرور ۔ فقط العبد محمد معادت علی عفی عنہ ، ملازم گورنمنٹ اسکول دہلی ۔

باتفاق جمہور در فارسی الف و نون بعد امر افادہ معنی حالیہ میکنند ۔ منکر آن منکر جمہور است ۔ فقط العبد خدا بخش مدرس نورمل اسکول ۔

ان صیغوں میں الف و نون حالیہ کا انکار اقوال اسلاف کا انکار ہے ۔ فقط العبد محمد نصیر الدین ، متعلق نورمل اسکول دہلی ۔

الف و نون حالیہ کے وجود کا منکر بے شک قول اسلاف کا منکر ہے ۔ العبد محمد لطیف حسین ، مدرس مدرسہ سرکاری ۔

صیغہ امر کے آگے الف و نون حالیہ ہوتا ہے ، جیسے
 خندان ، گریاں ، افتاں ، خیزان اور سمجھنا اس کا
 افادہ معنی "فاعلیت ناشی ہے نا آگہی" قواعد فارسی اور
 بے خبری "معنی" فاعلیت ہے ۔ راقم آثم مجد فضل اللہ عفی عنہ ۔
 نزدیک خاک سار ہم چہیں است ۔ نجف علی عفی عنہ ۔

نامہء غالب
بنام مرزا رحیم بیگ میرٹھی

تہمید

(بقلم خلیل الرحمان داؤدی)

مرزا غالب نے فارسی کی مشہور لغت 'برہان قاطع' کے اغلاط کتابی صورت میں مرتب کر کے مطبع نول کشور لکھنؤ سے بعنوان 'قاطع برہان' چھپوائے تھے۔ قاطع برہان ۱۸۶۲ء میں چھپی۔ اس کے بعد اس کے مسوائفی اور مخالف کتابوں کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ قاطع برہان کی مخالفت میں سب سے پہلی کتاب سید سعادت علی کی 'محق قاطع برہان' ہے جو ۹۶ صفحات پر مشتمل ہے اور مطبع احمدی شاہدہ میں ۱۸۶۳ء میں شائع ہوئی۔ دوسری کتاب 'قاطع برہان' ہے جو مرزا رحیم بیگ میرٹھی کی تصنیف ہے۔ قاطع برہان کے ۱۷۷ صفحات ہیں اور وہ صرف ایک مرتبہ ۱۸۶۵ء میں مطبع ہاشمی میرٹھ سے شائع ہوئی تھی۔ اس کے جواب میں مرزا غالب نے ۱۶ صفحات کا ایک خط کتابی صورت میں تحریر کیا اور اگست ۱۸۶۵ء میں مطبع محمدی محمد مرزا خاں دہلی سے تین سو نسخے چھپوا کر شائع کیا۔ مرزا نے اس کے

پانچ نسخے نواب صاحب رام پور کو بھی بھیجے تھے۔ اس کے بعد یہی خط اودہ اخبار لکھنؤ کی دو اشاعتوں (۱۰ اکتوبر، ۱۷ اکتوبر ۱۸۶۵ء) میں شائع ہوا۔ بعد میں یہ خط 'عود ہندی' میں شامل کر لیا گیا۔ لیکن اس کے باوجود یہ خط ایک مرتبہ اور علیحدہ صورت میں رسالہ 'ہندوستانی' الہ آباد میں ۱۹۳۳ء میں شائع ہوا ہے۔ عود ہندی کی اشاعت اول غالب کی حیات میں ہی منظر عام پر آگئی تھی۔ مرزا کو اس اشاعت کے اغلاط دیکھ کر حد درجہ افسوس ہوا تھا۔ بعد میں بھی عود ہندی کے متعدد ایڈیشن چھاپے گئے، لیکن جب طبع اول ہی اغلاط سے پر تھی تو بعد کے ایڈیشنوں کا کہنا کیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ عود ہندی کے دوسرے مطالب کی طرح 'نامہ غالب' بھی غلط در غلط نقل ہوتا چلا گیا۔ اس لیے اس کے صحیح متن کی اشاعت کی ضرورت پیش آئی اور رسالہ 'ہندوستانی' الہ آباد میں ۱۹۳۳ء (صفحہ ۱۰۷ سے ۱۳۱) میں اس کا صحیح متن شائع کیا گیا۔ مرزا غالب نے چون کہ ۱۶ صفحات کا یہ خط ایک رسالے کی صورت میں تحریر کیا تھا اور اسے علیحدہ کتابی صورت میں شائع بھی کیا اس لیے اس کی حیثیت غالب کی ایک تصنیف کی سی ہو گئی ہے، جو غالب کی زندگی میں خود غالب کے اہتمام سے کتابی صورت میں شائع ہوئی۔ یہ غالب کے دیگر خطوط کی طرح ایسی

”تحریر سرسری“ نہیں ہے جسے ”قلم سنبھال کر اور دل لگا کر“ نہ لکھا ہو، بلکہ اس کی تصنیف پر تو سرزا نے اچھی خاصی توجہ فرمائی تھی اور اسے اشاعت کے لیے کتابی صورت میں قلم بند فرمایا تھا۔

نامہ: غالب بنام میرزا رحیم بیگ

بہ خدمت مشفق مکرمی میرزا رحیم بیگ صاحب نور اللہ
قلبہ بالاسرار و عینہ بالانوار سخنے چند گفتہ می شود :

نہ در منطق پارسی و دری
ہمیں ہندی سادہ و سری

جس طرح توحید میں نفی ماسوائے اللہ دستور ہے ، مجھ
کو تحریر میں حذف زوائد منظور ہے ۔ عزم متاہلہ نہیں ،
مقصد مجادلہ نہیں ، سر تا سر دوستانہ حکایت ہے ، خاتمے میں
ایک شکایت ہے ۔ شکوۂ دردمندانہ منافی شیوۂ ادب نہیں ۔
مع هذا اظہاراً درد دل مراد ہے ۔ کوئی بات جواب طلب
نہیں ۔ احسان مند ہوں آپ کا کہ آپ نے منشی سعادت علی
کی طرح آدھا نام میرا نہ لکھا ۔ ان کے حسن ظن کے مطابق
مجھ کو معشوق میرے استاد کا نہ لکھا ۔ اگر ایک جگہ یہ
الفاظ کہہ بہ قول غالب ” ہا کدام خرم در جوال شدہ ام “

۱ - یہ لفظ ’خطوط غالب‘ از مہر میں نہیں ہے ۔

یہم کہے یا اور دو چار جگہ کاملہ توہین قائم کیے ، میں ۔
 اپنے لطف طبع اور حسن عقیدت سے پہلے فقرے کا مفہوم یوں
 اپنے دل نشیں کیا کہ حضرت نے محمد حسین دکنی جامع
 ”برہان“ کو موافق میرے قول کے خرس یقین کیا ۔ یا
 ”خرس در جوال شدن“ عبارت ہے صحبت سے ، خواہی مدافعت
 کے واسطے ہو ، خواہی محبت سے ۔ مجھ کو اس کا قرب بسبیل
 آویزشی ہے ، تم کو اس کا قرب از روئے آمیزشی ہے ۔ دوسرے
 فقرے کے معنی یہ ٹھہرائے بلکہ بے تکلف میرے ضمیر میں
 آئے کہ خرس کے مدد دینے سے کسوات حاصل ہوئی اور وہ
 کسوات باعث درد دل ہوئی ۔ شدت درد میں آدمی چیختا ہے ،
 چلاتا ہے ، ہائے وائے کرتا ہے ، غل مچاتا ہے ، جیسا کہ
 سعدی ہویستان کی اس حکایت میں جس کا پہلا مصرعہ یہ ہے :

شب زیت فکرت همی سوختم

فرماتا ہے :

کہ ناچار فریاد خیزد ز درد

جناب مرزا صاحب ! کیا تم نہیں جانتے ؟ کیوں کر
 نہیں جانتے ؟ بے شبہ جانتے ہو گے کہ اکابر است کو
 امور دینی میں کیا کیا مشارعتیں باہم واقع ہوئی ہیں کہ
 ثبوت یہ تکفیر یک دیگر پہنچی ہے ۔ اگر فن لغت میں ایک
 شخص دوسرے شخص کا معتقد نہ ہوا ، یہاں تک کہ اس
 کی تحقیق بھی کی تو اور مدعیان علم و عقل اس مسکین کے

۲ ۔ ”کیوں کر نہیں جانتے“ یہ الفاظ ”خطوط غالب“ از مہر
 میں نہیں ہیں ۔

جگر تشنہ خون کیوں ہو جائیں ؟ اور جب تک اس کا نقش ہستی صفحہ دھر سے نہ مٹائیں ، آرام نہ پائیں ۔ ظلم تو یہ ہے کہ جو کچھ میں نے ”قاطع برہان“ میں لکھا ہے ، نہ اس کو سمجھتے ہیں اور نہ جو کچھ آپ لکھتے ہیں ، اس کے معنی سمجھتے ہیں ۔ ”سوال دیگر ، جواب دیگر“ پر مدار ہے ۔ خارج از بحث اقوال کی تکرار ہے ۔ ”برہان قاطع“ والے کی محبت سے دل بے قرار ہے ، لوط غیظ و غضب سے بدن وعشہ دار ہے ۔ منشی سعادت علی نہ ناظم ہے ، نہ نثار ہے ، یہ موجب اس مصرع کے :

مقتضائے طبیعتش این است

ناچار ہے ۔ تم کو معرض تحریر میں تحمل و تحمل چاہیے ، نہ سخن پروری و جانب داری میں تو غل جٹا ہیے ۔ یہ حسب اختلاف طبائع مانو یا نہ مانو مگر پہلے یہ تو جانو کہ غالب سوختہ اختر کا فرہنگ نویسوں کے باب میں عقیدہ کیا ہے ۔

فرہنگ نگاران زبان فارسی

اگرچہ قاطع برہان میں جا بجا لکھتا آیا ہوں مگر اب ہندی کی چندی کر کے لکھتا ہوں کہ یہ عقیدہ میرا ہے کہ فرہنگ لکھنے والے جتنے گزرے ہیں سب ہندی نژاد ہیں ۔ ہاں عالم صرف و نحو عربی میں یہ قدر تحصیل مسلم اور استاد ہیں ۔ علم صرف و نحو کی کتب درسی موجود ہیں ۔ جس نے چاہا ہے اس نے استاد سے ان کتب کو پڑھ

لیا ہے ۔ فارسی کی جو فرہنگیں ؟ حضرات نے لکھی ہیں ، مطالب مندرجہ کسی اصول پر منضبط کیے ہیں اور اس کا علم کس استاد سے حاصل کیا ہے ؟ آخر مقاصد صرف و نحو عربی بھی تو صرف مطالعہ کتب سے نہیں نکالتے ہیں ۔ پہلے تعلیم و تعلم ہے ، پھر کتب قواعد کے جا بجا حوالے ہیں ۔ قواعد فارسی کا رسالہ اہل زبان میں سے کس نے لکھا ہے اور ان سوس پشہ فرہنگ لکھنے والوں نے وہ رسالہ کس فاضل عجم سے بڑھا ہے ؟

شیدائے ہندی سیکروی نے حاجی محمد جان قدسی علیہ الرحمۃ کے ایک شعر پر اعتراض کیا ہے ۔ میرزا جلالائے طباطبائی علیہ الرحمۃ نے شیدا کو خط لکھا ہے ۔ سر آغاز خط کا ایک قطعہ ، جس میں ”حور“ و ”دریا“ قافیہ اور ”برساند“ ردیف ہے ، شعر اخیر کا مصرعہ ثانی یاد رہ گیا ہے :

یعنی یہ مہادیو مقوی برساند

خلاصہ مضمون خط یہ کہ تو صاحب زبان نہیں ہے ، زبان والا ہے ، یعنی مقلد اور کاسہ لیس اہل ایران ہے ۔ حاجی محمد جان کے کلام کو سند پکڑ ، تجھے کس نے کہا ہے کہ اس سے لڑ ؟

کیا تو نے نہیں سنا جو عرفی اور فیضی میں گفتگو ہوئی ہے ۔ اور مومن الدولہ شیخ ابوالفضل کے رو بہ رو ہوئی ہے ؟ لغات فارسی اور ترکیب الفاظ میں کلام تھا ۔

مولانا جہال الدین عرفی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ میں نے جب سے حوش سنبھالا ہے اور نطق آشنا ہو گیا ہوں ، اپنے گھر کی بڑھیوں سے لغات فارسی اور ترکیبیں سنتا رہا ہوں ۔ فیضی بولا کہ جو کچھ تم نے اپنے گھر کی بڑھیوں سے سیکھا ہے ، وہ ہم نے خاقانی و انوری سے اخذ کیا ہے ۔ حضرت عرفی نے فرمایا کہ تفصیر معاف ، خاقانی و انوری کا ماخذ بھی تو منطق گھر کی پر زالوں کا ہے ۔ ہائے تمیز کہاں سے لاؤں جو دیکھے کہ یہ حال قلم رو ہند کے صاحب کمالوں کا ہے ۔ قیاس مع الفارق کی بہار دیکھو ۔ مجرد تقدم زمانی کا اعتبار دیکھو ۔ مانا کہ عرفی تحصیل علوم عربیہ میں ان سے کم تر ہے ، صاحب زبان اور ایرانی ہونے میں برابر ہے ۔ کیا عرفی ، کیا انوری ، کیا خاقانی ، ایک شیرازی ، ایک خاوری ، ایک شروانی ۔ اگر مجھ سے کوئی کہے کہ ”غالب تیرا بھی مولد ہندوستان ہے“ میری طرف سے جواب یہ ہے کہ ہندہ ہندی مولد و پارسی زبان ہے :

ہر چہ از دستگہ پارس نعیما بردند

تا بنالہم ہم ازاں جملہ زبانم دادند

زبان دانی فارسی میری ازلی دست گہ اور یہ عطیہ خاص من جانب اللہ ہے ۔ فارسی زبان کا ملکہ مجھ کو خدا نے دیا ہے ۔ مشق کا کمال میں نے استاد سے حاصل کیا ہے ۔ ہند کے شاعروں میں اچھے اچھے خوش گو اور معنی باب ہیں ، لیکن یہ کون احسن کہے گا کہ یہ لوگ

دعوائے زبان دانی کے باب ہیں۔ رہے فرہنگ لکھنے والے ، خدا ان کے پیچ سے نکالے ، اشعار قدسا آگے دھر لیے اور اپنے قیاس کے مطابق چل دے۔ وہ بھی نہ کوئی ہم قدم ، نہ کوئی ہم راہ ، بلکہ سو بہ سو ہراگندہ و تباہ۔ رہ نما ہو تو راہ بتائے ، استاد ہو تو شعر کے معنی سمجھائے۔ نہ آپ شیرازی ، نہ استاد اصفہانی ، زہے رگ گردن و خیمے دعوائے زبان دانی۔ میرا یہ قول خاص ہے ، نہ عام ہے ، مجموع فرہنگ نگاروں کے محقق ہونے میں کلام ہے۔ یہ کیا بات ہے کہ جامع برہان کا ماخذ فرہنگ رشیدی و جہاںگیری ہے ، عبدالرشید کی کیا شیخی اور میاں انجو میں کیا پیری ہے ؟ قطب شاہ و جہاں گیر کے عہد میں ہوتا اگر منشاۓ برتری ہے تو بے چارہ جعفر زلی بھی فرخ سیری ہے۔

ایک لطیفہ

ایک لطیفہ لکھتا ہوں ، اگر خفا نہ ہو جاؤ گے تو حفظ اٹھاؤ گے۔ جتنی فرہنگیں اور جتنے فرہنگ طراز ہیں ، یہ سب کتابیں اور یہ سب جامع مانند پیاز ہیں۔ تو بہ تو اور لباس در لباس ، وہم در وہم اور قیاس در قیاس۔ پیاز کے چھلکے جس قدر اتارتے جاؤ گے ، چھلکوں کا ڈھیر لگ جائے گا ، مغز نہ پاؤ گے۔ فرہنگ لکھنے والوں کے پردے کھولتے چلے جاؤ گے ، لباس ہی لباس دیکھو گے ، شخص معدوم۔ فرہنگوں کی ورق گردانی کرتے رہو ، ورق ہی نظر آئیں گے ، معنی موہوم۔ ظرافت پر مدار تحقیق نہیں ہے۔ آپ کے خاطر نشیں کرتا ہوں جو میرے دل نشیں ہے۔ فرہنگ نویسوں کا قیاس معنی لغات فارسی میں نہ سراسر

غلط ہے ، البتہ کم تر صحیح اور بیش تر غلط ہے ۔ خصوصاً دکنی تو عجب جاننا ہے ، لغو ہے ، بوج ہے ، ہاگل ہے ، دیوانہ ہے ۔ وہ تو یہ بھی نہیں جانتا کہہ ہائے اصلی کیا ہے اور ہائے زائدہ کیا ہے ۔ حیران ہوں کہ اس کی جانب داری میں فائدہ کیا ہے ؟ خدا جانتا ہے کہہ میں یک رنگ ہوں ، مگر دکنی کے جانب داروں کا چورنگ ہوں ۔ مجھے جو چاہو سو کہو اوروں سے تم کہوں لڑتے ہو ؟ کہیں جامع 'لطائف غیبی' کو برا کہتے ہو ، کہیں نگارندہ 'دافع ہذیان' سے جھگڑتے ہو ۔ جانتا ہوں کہہ دکنی کی عبارت کی خامی ، اس کی رائے کی کجی ، اس کے قیاس کی غلطی ، اگر نہ سب جگہ بلکہ بعض جگہ سچ جانتے ہو ، مگر یہ میں نہیں جانتا کہہ اتنی محبت کرنی اور اس کے رفع تخطیہ کے واسطے توجیہات باردہ ڈھونڈنی کس واسطے ؟ ایسا اس کو کیا مانتے ہو ؟ مجھ پر جدا منہ آتے ہو ، مولوی نجف علی اور میاں داد خاں سے جدا بگڑتے ہو ۔ بھائی صاحب ، مغلقہ پن پر آگئے ، گو ہار لڑتے ہو ۔

اپنی غلطیوں کا اعتراف

سچ ہے غالب آئندہ گوش ہے ، کسی کی نہیں سنتا ۔ اسی آپ کے مقرر کیے ہوئے قاعدے کے موافق یہ حلف کہتا ہوں کہہ تم نے 'قاطع برہان' و 'دافع ہذیان' و 'لطائف غیبی' کو ہرگز نہیں دیکھا ۔ 'آویزہ' و 'انسوس' کے بیان میں مجھ سے وہ سہو ہوا ہے کہہ مجھے اس کا اقرار اور میرا دوست میاں داد خاں شرم سار ہے ۔ جو کچھ اس مصنف نے اس باب میں لکھا وہ قول فیصل اور کافی ہے ۔ مانیں یا نہ مانیں ، ناظرین

کو اختیار ہے ۔

’گاہری‘ ہکاف فارسی مکسور ، بوزن ’المہری‘ ، لغت ہندی الاصل ، اس کی شرح میں جداگانہ ایک ، فصل ، کاف فارسی کی جگہ کاف عربی مفتوح ، اعراب کا بوزن تشریحی وضوح ۔ مجھے اور میرے دوست سہیل الحق کو دو سہو طبعی پر استعذار ، ہوا خواہان بوہرہ دکنی کو اغلاط متواتر کے جواز پر اصرار ۔ فاعتبروا یا اولی الابصار !

’خرہ‘ بے واؤ بہ معنی نور اور ’خورہ‘ مع الواؤ بہ معنی جذام ! ایک ’ویڑہ‘ بہ معنی ہاک اور (ایک) ’اویڑہ‘ بہ معنی ناپاک ۔ ایک یہ اور ہزار ایسے اغلاط سند اور مقبول اور منظور ، گویا یہ مصرع جو حمد میں ہے :

کند ہرچہ خواہد برو حکم نیست

اس کی شان میں صادق سمجھ لیا ہے ۔ چشم بد دور ، اب چاہیے کہ اس کے^۶ ہوجنے والے اس کے نام کے بعد ’جل جلالہ‘ لکھیں اور اگر اتنی جرأت نہ کریں تو نظر بہ افادہ و استفادہ ’عم نوالہ‘ لکھیں ۔ ستر برس کی عمر ، کانوں سے بہرا ، جمعیت کا تفرقہ زیاد ، اور بھر خود داری اور کبر نفسی اور استغنا خدا داد ۔ بے ہودہ ہکتے ہیں اوقات کیوں صرف کروں ؟ پاسخ نگاری کیوں لفظ بہ لفظ و حرف بہ حرف کروں ؟ آپ کو اپنی نمود اور شہرت منظور ہے ۔ خوردہ گیری و عیب جوئی سے مجھ کو نفرت ہے اور حیا آتی ہے زیادہ گوئی

۵ ۔ ایک (یہ لفظ خطوط غالب از مہر میں نہیں ہے)

۶ ۔ اس کے ہوجھنے والے (عود ہندی طبع اول ۱۲۸۵ء)

ہے۔ آپ کے حسن کلمات طبیات سے قطع نظر کر کے ناظرین منصف کے وجدان پر جھوڑ دیتا ہوں اور شکایت موعودہ سے پہلے تین اسر ضروری لکھ لیتا ہوں۔

لفظ صبیحہ

(۱) ”صبیحہ“، یہ معنی آواز اسپ زینہار نیست“ اس کے سچ ہونے میں کیا کلام ہے؟ جو صبیحہ سے آواز اسپ داد رکھے، وہ ناصی ہے اور خام ہے۔ کیا عرفی کا شعر عرفی کے خط سے لکھا ہوا کسی کو نظر پڑا کہ ناظر سے سن کر سمھارا ذہن وقاد و نقاد وہاں جا لڑا؟ لغت کسی باطن کے اندر سے لکھا جائے اور پھر عرفی جیسا شاعر دیدہ ور باز پرس میں پکڑا جائے؟ سمھارا محبوب بوہرہ دکنی شبن منقوطہ مع التحتانی کے بیان میں شبہہ کو گھوڑے کے ہنھانے کی فارسی بتاتا ہے۔ عرفی میں گھوڑے کے ہنھانے کو صہیل پر وزن ذلیل کہتے ہیں۔ صبیحہ یہ وزن بیضہ عموماً یہ معنی ہر مہائے ہول ناک و مہیب آتا ہے۔ میں کیوں کر فرہنگ نگاروں کے اور ان کے مددگاروں کے قیاس کو وحی سمجھوں اور کیوں کر کاتبوں کے املا کو مصحف مجید کی طرح سر پر دھروں؟ یہ تو جب ہو سکتا ہے کہ میں اپنے کو جہاد اور نہات فرض کر لوں۔

(۲) ”جرم و خطائے“ ”بوغ“، ہر گردن بندگان جناب است“ میں آپ کو مخاطب بالفتح ٹھہرا کر یہی فقرہ پڑھ کر چپ رہتا ہوں۔ بعد اس کے تبدیلی“ جیم بہ تحتانی کو نامسموع

کہتا ہوں۔ یعقوب کو یہ تغیر لہجہ انگریزی زبان میں جاکوب کہتے ہیں۔ کہاں مبدل منہ، کہاں تغیر لہجہ۔ حضرت آپ جو کہتے ہیں، خوب کہتے ہیں۔

(۳) ”رید“ اور ”کود“ کو ترجمہ طفل نہیں مانتے اور پھر خاتمے میں ریدگان بہ صیفہ جمع لکھواتے ہو۔ واقعی ہوں ھے کہ جو کچھ لکھواتے ہو بہ نروئے بصر نہیں بلکہ از روئے سمع لکھواتے ہو۔ (ساطع برهان صفحہ ۱۷۳)

استغاثہ

خط تمام ہوا۔ اب مستغیث کی عرضی کی سماعت ہو، لیکن سماعت از روئے انصاف بالا۔ اطاعت ہو۔ مرضی گزارنے سے پہلے مستغیث پوچھتا ھے کہ آپ کے محکمے عالیہ کا سر رشتہ دار دیانت دار ھے یا نہیں؟ سخن فہم و ہوشیار ھے یا نہیں؟ میں تو گمان کرتا ہوں کہ امین نہ ہو۔ دلیل سن لیجیے اگر یقین نہ ہو۔ ”صحیحہ بہ معنی آواز اسب زہار نیست“۔ اس کے ماقبل اور بھی عبارت ھے، سناتے والے نے نہ پڑھی ہو، کتنا بعید ھے۔ کسی واسطے کہ اس عبارت کے مفہوم کو ملحوظ نہ رکھنا اور مجد اکرم پنجابی کا شعر تو قابل التفات نہیں، مگر جال الدین عرفی شیرازی رحمت اللہ علیہ کا شعر بہ تتبع کاتب غلط لکھوا دینا، تم سے بسا بعید ھے۔ انشا میں ناسخوں کی تعریف کو مانتے ہو، املا میں کاتبوں کی غلطی کے کیوں نہ قائل ہو؟ انشا و املا و لفظ و معنی میں تقلید چھوڑ کر تحقیق کے کیوں نہ مائل ہو؟ تفصیر

معاف ، یہ نہ استناد بہ کلام عرفی عالی مراتب ہے ، بلکہ
پہروی خامۂ کج رفتار کاتب ہے ۔

اپنی حالت

کہہ چکا ہوں کہ نہ مجھ کو مناظرے کا دماغ ، نہ
ہجوم امراض جسمانی و آلام روحانی سے فراغ ۔ آگے جو مدت
نہیں ہاری تھی اور غیب سے توقع مددگاری تھی تو یہ اپنا
شعر اردو میرے ورد زبان اور اس ناہنجار سے میں زمزمہ سنج
فغان رہتا تھا :

رات دن گردش میں ہیں سات آہاں
ہو رہے گا کچھ نہ کچھ گہرائیں کیا

اب جو اصلاح حال و حصول مطالب سے دل مایوس ہے
تو طبیعت اسی غزل کی اس بیت کے ترنم سے مانوس ہے :

عمر بھر دیکھا کیسے مرنے کی راہ
مر گئے ہر دیکھے دکھلائیں کیا

کوئی یہ نہ سمجھے کہ بڑا رونا رزق ہے ۔ جب معاش
مقرر ہو تو پھر غم کیا ہے ؟ نہ صاحب یہ باتیں جانوروں
کی ہیں کہ کچھ کھا لیا ، پانی پی لیا اور چین سے سو رہے ۔
آدمی عموماً اور صاحبان تنگ و ناموس خصوصاً باوجود
فراغ معاش ایسی جاں گداز ہلاؤں میں مبتلا ہیں کہ کوئی
کیا کہے^۱۔ یہ حال تو یا صاحب واقعہ جانے یا خدا جانے
دوسرے سے یہ کار افتادہ کیوں کہے اور بغیر کہے دوسرا

کیا جائے ؟ مناظرے کا تو مرکز ارادہ نہیں ، اگر مردہ دل نہ ہوتا تو دو ۱۰ باتیں کہتا ، زیادہ نہیں ، وہ بھی نہ از روئے بحث و تکرار ، نہ یہ انداز استفسار ۔ اظہار سے مقصود نفس اظہار ۔

مولانا صہبائی

یہ جو آپ نے مولوی امام بخش کو امام المحققین خطاب دیا ہے ، کتنے محققین نے آپ کو امام مان لیا ہے ؟ جب تک نہ اجماع محققین کا ہوگا یہ خطاب بہ اجماع اہل عقل ناجائز و ناروا ہوگا ۔ وہ فرماں رواۓ عہد ، شہنشاہ کہلائے گا کئی بادشاہ جس کے فرماں پزیر ہو جائیں گے ۔ ایک سید نے اپنے لڑکے کا نام میر شہنشاہ رکھ لیا ، یہ میر شہنشاہ صاحب کیوں کر شاہجہاں و جہانگیر ہو جائیں گے ؟ اگر حضرت بفتحہ قاف ثانی بصیغہ تنبیہ امام المحققین کہتے تو ایک ماموم آپ ہوئے اور نرائن داس تنبولی دوسرا ہوتا ۔

ساطع برہان کی غلطیاں

ساطع برہان کے تیرھویں صفحہ کی نویں سطر میں آپ لکھتے ہیں : ”و ہم چنیں برافراط و تفریط توضیح را کار بند نشدہ اند کہہ بدان حرف گیری تو اند کرد ۔“ تو اند توانستن کے مضارع کی بحث میں سے صیغہ واحد لحائب ہے ۔ فاعل چاہتا ہے ، خواہی معرفہ جیسے احمد ، محمود ، خواہی نکرہ جیسے قلاں و بہاں ، کسے ، یا شخصے ، مردے یا زنے اور

اگر فاعل مذکور نہ ہو تو اس صورت میں ”توان کرد“ چاہیے کہ ”توان“ مالم بمع فاعلہ ہے۔ کرامت تو مجھے حاصل نہیں، ہاں از روی حسن عقیدت کہتا ہوں کہ آپ نے یوں لکھا: ”کسے بدان حرف گیری تواند کرد“ یا ”تواند“ کی جگہ ”توان“ رٹم فرمایا ہے۔ دیکھیے آپ نے بیل کے جوئے کا بوجھ میری گردن پر رکھ دیا اور میں نے ایک بیل کا بوجھ آپ کی پشت مبارک سے اٹھا لیا۔

آب دہ دست

”او الله داد خواه! جلد آ اور اپنی عرضی لا۔“
 ”حضرت! آیا اور عرضی لایا۔“ پہلے ہانچ کاغذوں کی نقلیں علی الترتیب پڑھی جاویں پھر سررشتہ دار صاحب بہ کمال امانت و دیانت عرضی سنا دیں۔

۱۔ نقل عبارت برہان قاطع

آب دہ دست، بکسر دال ابجد و ہائے ہوز، اشارہ بہ حضرت رسول صلوات اللہ علیہ است خصوصاً و شخصہ را نیز نویند کہ بزرگ مجلس بود۔ آرائش صدر و زینت مجلس^{۱۱} از و باشد عموماً۔

۲۔ نقل عبارت قاطع برہان

از خامی عبارت چشم می پوشم و می غروشم کہ ”آب دہ دست“ مرکب از ”آب“ و ”دہ“ کہ صیغہ امر است از دادن و ”دست“ کہ باوجود معانی دیگر مستند را نیز

گویند ، معنی "ترکیبی" "روقی دهنده مستند" ، هر آینه تا مستند را بطرف ثبوت یا رسالت یا هدایت مضاف نکر دانند به مقام نعم فرونیارند ، بلکه در مدح اکابر و صدور نوز به اضافه لفظا مارت و شوکت و امثال این ها نه نگارند - نه بینی که تنها آب ده دست افاده معنی شویاننده دست میکند و آن خود اهانتی است قبیح - - . چساره در نظم و نثر نعمت آب ده دست رسالت دیده است و نیمه مضمون را نعمت اندیشیده است -

۳ - نقل عبارت ساطع برهان

"آب ده دست" خدا نکند که این اعتراض از جاب مرزای من باشد - کور سواد می همچو من گفته باشد ، بخاطر داشت آن درج کتاب کرد ، ورنه این کنایه فابل اعتراض نیست - چه "آب ده دست" جماعه ترکیبی است - "دست" که در عربی و فارسی بمعنی مستند است ، مضاف و مضاف الیه محذوف باید دانست ، بلکه کلامیست مستغنی مترادف بالا دست مضاف و مضاف الیه^{۱۲} که معنی صدر و مستند و بزرگ قوم باشد - صاحب 'مؤید الفضل' در لغت فارسیه این لغت را بسند دو کتاب که ادات^{۱۳} و قتیة ، باشد ، بهمین صورت و صیث^{۱۴} و معنی نگاشت و در "مدار" نیز و صاحب رشیدی آورده که آب ده دست به معنی بزرگ مجلس

۱۲ - مضاف و مضاف الیه خطوط غالب از مهر میں نہیں ہیں

۱۳ - آواب و قیة باشد (عود هندی طبع اول ۱۲۸۵ هـ)

۱۴ - به همین صورت و صحت به همین معنی نگاشت (عود

هندی طبع اول ۱۲۸۵ هـ)

و معنی ترکیبی آن رونق ده صدر و مستند - قوله - . چاره در نظم
و اثر نعت آب ده دست رسالت دیده و نیمة مضمون را نعت
اندیشیده است انتہی - اقوال جامع این کنایه را در نظم و اثر
بے اضافه رسالت دیده است و همچنان در رشته تخریر کشیده
است - خاقانی گوید :

دست آب ده بجاورانش
ارزن ده برج کوترازش

تبصرہ

ہیں گردان جناب اگر فراموش نکنند در شرح کنایہ
ماہی چشمہ خضر در باب العیم جویند کہ میگویند کہ آب ده
دست استعارہ برائے آنحضرت معلّم از خاقانی از رکاکت نیست -
وای بریں عقیدت کہ اورا بہ پیغمبری برداشتند و باز بہ
نشب رکاکت سرنگون انداختند -“

۴ - نقل عبارت برہان قاطع

”ماہوچی شمع خضر ، کنایہ از زبان و دہان
معشوق است -“

۵ - قاطع برہان

یا رب ماہوچی شمع خضر ، کنایہ کدام لغت است ؟
من در کتاب منطبعہ بدیی صورت دیدہ ام :

فلندہر ہر چہ گوید دیدہ گوید

در ضمیر میگذرد کہ ماہی چشمہ خضر خواہد بود و آن خود

مضمون نیست بطریق استعاره بالکنایه که سخنور بسا خون جگر خورده باشد تا در نظم و نثر خویش آورده باشد - سپس هر که این را در گفتار خویش آورد سرقه خواهد بود - از لغات مستقله و کنایه های مشهوره نیست که بکار دبیران روزگار آید - 'شیر خدا' که ترجمه 'اسد الله' است ، گوئی که یکی از قاصدهای ولایت پناه است - صد هزار کسی در کلام خویش آورده باشند و سرقه نیست - دکنی ۱۵ در باب ۱۶ شین مع الیا 'شیر شروزه غاب' اسم حضرت امیر علیه السلام نوشته ؛ و آن مضمون است که خاقانی در قصیده میمیه ۱۴ بهم رسانده - شیر شروزه خود صفتیست عام که بر هر مرد شجاع و سرهنگ و جنگ جو اطلاق توان کرد و 'غاب' بمعنی بیشه و نیستان است - هر آینه این صفت نه سزاوار شان اسد الهی باشد ، خاقانی خود بطریق تنزل گفته است - این چنین صفت اسم کسی که بعد از خدا و رسول او را به بزرگی توان ستود ، چگونه روا تواند بود ؟ هم چنین آیه ده دست در باب الف محدوده اسم حضرت ختم المرسلین صلوات الله علیه قرار داده است و ایس لفظیست در غایت رکاکت ۱۸ (پس غالب منع کرتا ہے برهان دکنی کو کہ لفظ رکبک آن حضرت کے حق میں صرف نہ کر) چنان که ہم در آن فصل مفصل نوشته ایم - مقصود ما اینست که

۱۵ - دکنی در بحث شین (عود هندی ، طبع اول ۱۲۸۵ هـ) -

۱۶ - قصیده تسمیه (عود هندی ، طبع اول ۱۲۸۵ هـ) -

۱۷ - در غایت رکاکت صفت لفظ (عود هندی ، طبع اول

۱۲۸۵ هـ) -

۱۸ - در بحث شین (خطوط غالب ، از مهر) -

ایں چندیں مضامین لغت مستقل و کنایہ مقبول چرا قرار یابد۔
و جز در شرح اشعارے کہ حاوی ایں کلمات باشد ، چرا نگارش
پذیرد ؟ اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم ۔

”آب“ ترجمہ ماء کا ، ہندی جس کی پانی اور
بہ معنی ”رونی و لطف بھی آتا ہے اور اسلحہ کی تیزی اور
جواہر کی صفائی کو بھی کہتے ہیں ۔ ”دست“ ترجمہ ”ہد“
ہے جس کی ہندی ہاتھ اور بہ معنی ”قسم و نوع اور
بہ معنی“ مسند بھی مستعمل ہے ۔ ہم کو اس مقام میں آب
بہ معنی پانی اور دست بہ معنی ہاتھ اور اس کی ترکیب
یعنی ”آب دست“ اور اس کے مقلوب یعنی ”دست آب“ کے باب میں
کلام ہے ۔ آب دست بہ حرکت و سکون موحدہ عموماً ترجمہ
غسلۃ ہد ہے اور خصوصاً وضو کو کہتے ہیں ۔ تعیم کی
سند ، استاد کا شعر :

ہے تکلف رو بہ ساقی کن اگر دل خستہ
کتاب دست او شفا بخش ہمہ بیمار ہاست

تخصیص کی سند ”نام حق“ کی بیت :

آب دست و نماز باید کرد
دل مقام گداز باید کرد

عرف میں آب دست کس عضو کے غسلے کو کہتے ہیں ؟
ہم تو اتنا ہوجھ کر چپ ہو رہتے ہیں ۔ پس ”آب دہ دست“
اور دست ”آب دہ“ کے معنی وضو کرائے والا ، ہاتھ دھلانے
والا۔ آب بہ معنی ”رونی اور دست بہ معنی مسند کا یہاں ادخال محض
جہل اور صرف اہمال ۔ یہ تو میرا قول ہے کہ ”آب دہ دست

رسالت“ رسول صلعم کو کہہ سکتے ہیں۔ ایک بے ادب فقط ”آبِ دہ دست“ کہتا ہے اور ہم منہ نکلتے ہیں۔ منشی سعادت علی کو نہ عام، نہ فہم۔ اس نے اس قباحت کو نہ جانا۔ میرزا رحیم بیگ صاحب افسوس کی بات ہے تم نے اس بیان خاص ”برہان قاطع“^{۱۹} والے کے قول کو کیوں کر مانا؟ ہے ہے سراسر بے پردہ اشرف الانبیاء علیہ وآلہ السلام کی تذلیل اور توہین ہے اور جو پیغمبر کو ایسا کہے، وہ مجموع اہل اسلام کے نزدیک مرتد اور مردود و بے دین ہے۔ بلکہ مخالفین بھی، جو مسلمان اپنے پیغمبر کو کہے، اس کو برا جانیں گے، یقین ہے۔ پس پیر کا ”آبِ دہ دست“ نام رکھنے والا مورد ”لعنة الله وملائكته والناس اجمعین“ ہے۔

اشعار خاقانی کی شرح

خاقانی کے شعر لکھنے سے آپ کی کیا مراد ہے؟ یہ شعر قطعہ بند اور اس کا پہلا مصرع شعر مجھے^{۲۰} یاد ہے۔ پہلے پوچھتا ہوں کہ ”دست آبِ دہ“ کا فاعل اور شین کا مرجع تم نے کس کو ٹھہرایا اور آن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نشان اس میں یہ طریق مذکور یا مقدر کہاں پایا؟ جب اس مصرع کی رو سے :

دست آبِ دہ مجاورانش

”دست آبِ دہ“ پیغمبر صلعم کا نام قرار پایا، دوسرے

۱۹۔ لاطع برہان والے (عود ہندی، طبع اول ۱۲۸۵ء)۔

۲۰۔ پہلا شعر مجھ کو (عود ہندی، طبع اول ۱۲۸۵ء)۔

مصرع کے مطابق :

ارژن دہ برج کوترا نش

”ارژن دہ“ کا خطاب بھی حضرت پر صادق آیا۔ سبحان اللہ ، چہار مہ طفلی و محبتی و رحمة للعالمین و خاتم المرسلین آپ کے القاب ہیں ، وہاں ”آب دہ دست“ بھی آپ کا لقب ٹھہرایا۔ میرزا جی ! میں ترک جاہل ہوں، چاہے ۔ اگر مجھ کو گالیاں از روئے عتاب دو گے ، خدا کے واسطے ہمسبر کو کیا جواب دو گے ؟ بندہ پرور ! خاقانی کا شعر قطعہ بند ہے اور اس شعر کا پہلا شعر یہ ہے :

روح از بنے آبروے خود را

خلد از بنے رنگ و بوے خود را

دست آب دہ مجاورا نش

ارژن دہ برج کوترا نش

اوپر کے دونوں مصرعوں میں ’را‘ کا لفظ زائد ، پہلا مصرع تیسرے مصرع سے اور دوسرا مصرع چوتھے مصرع سے متعلق۔ نثر اس کی فارسی میں یوں ہوتی ہے : ”روح از بنے آبروے خود دست آب دہ مجاوران اوست و خلد از بنے رنگ و بوے خود ارژن دہ کہوتران اوست۔“ یہ دونوں شعر کعبہ معظمہ کی تعریف میں اور دونوں شینوں کی ضمیر بہ طرف کعبہ راجع۔ اس اظہار کی تصدیق ”تحفة العراقین“ سے کیجیے اور ہندی کی چندی غالب سے سن لیجیے : ”روح اپنی افزائش آبرو کے واسطے وضو کا پانی دیتی ہے کعبے کے مجاوروں کو اور خلد خد رنگ و بو کے واسطے دانہ کھلاتا ہے کعبے کے

کبوتروں کو۔ وضو^{۲۱} کو پانی دینا اور کبوتروں کو دانہ کھلانا ادنیٰ خدمت ہے۔ خدا کے واسطے! مخدوم کو نیز صلعم کو خادم کہنا مدح ہے یا مذمت؟ مع ہذا خاقانی کے مصرع سے ”دست آب دہ“ ہمیں صلعم کو سمجھنا ہے اعتنائی اور غفلت ہے۔ خاقانی نے روح کو ”آب دست دہ“ کا فاعل مانا، تم نے ہمیں کو معاً اس فعل کا فاعل اور ایک فعل کا دو فاعل سے متعلق ہونا کیوں کر جائز جانا؟

”قافلہ شد“ یعنی ”قافلہ رفت“، یعنی قافلہ سالار رفت یعنی رسول مقبول رحلت کرد، بہ قاف مع الالف میں، کلام آسی مستحین رسول صلعم کا ہے۔ ”دست آب دہ“ کی شرح میں تعمیر اور ”قافلہ شد“ میں استہزا ہے۔ ”برہان قاطع“ والا اگر یہ قیاحتیں نہیں سمجھتا تو احمق ہے، اور اگر سمجھ کر لکھتا ہے تو کافر مطلق ہے۔ اب میرے غصوں نابہ زخم دل کی روانی اور قلم کی خوں نابہ نشانی دیکھیے۔

تبصرہ مندرجہ حاشیہ ”ساطع برہان“ کے حق میں کیا فرماتے ہو اور اس فقرہ اخیر کو ”ہاز در نشیب رکاکت سر انداختد“ کس کا لکھا بتاتے ہو؟

مولوی فضل حق خیر آبادی کا بیان

سنو، فخر الفضلا و ختم العلماء امیرالدولہ مولوی فضل حق^{۲۲} رحمۃ اللہ علیہ نے رد عنائد و ہایسہ میں بہ زبان فارسی ایک رسالہ لکھا ہے اور اس عہد کے علماء کی اس پر

۲۱۔ وضو کا پانی دینا (عود ہندی، طبع اول ۱۲۸۵ھ)۔

۲۲۔ مولوی محمد فضل حق (عود ہندی طبع اول ۱۲۸۵ھ)۔

سہریں ہیں۔ اس رسالے میں جناب مولوی صاحب مرحوم لکھتے ہیں کہ اگر کوئی شخص کہے کہ حضرت کو قوت مجامعت بہت تھی، حال آنکہ یہ اس واقعی ہے؛ یا یہ کہے کہ آپ کی ردا میلی تھی، اگرچہ اس وقت میں ہو، لیکن چون کہ ایک گونہ سوء ادب اور اہانت ہے، حاکم اہل اسلام کو چاہیے کہ اس قول کے قائل کو سزا دے۔ اور اگر حاکم سزا نہ دے تو اہل شہر پر عزل حاکم واجب ہے اور اگر اہل شہر ایسا نہ کریں تو وہ شہر^{۲۲} دارالحرب ہے۔ پس یہ موجب فتوے علمائے اسلام فقرۃ مذکور کا لکھنے والا کفر میں شداد سے اشد اور کذب میں مسیئۃ کذاب سے سوا ہے۔ خیر عقبیٰ میں وہ خالق کا مقہور اور دنیا میں^{۲۳} خلق کا مطعون ہوگا۔ مجھ کو کیا ہے؟ مجھے تم پر ہنسی آتی ہے، بعضی بات سمجھی نہیں جاتی ہے۔ خاقانی روح کو آب دست دہ مجاوران حرم کہتا ہے۔ تم کہتے ہو کہ خاقانی ”دست آب دہ“ اسم پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم لکھتا ہے۔ مولوی امام بخش نے تم کو بہت کچھ پڑھایا، مگر طریقہ استنباط معنی نہ بتایا۔ میرے حق میں جو کہتے ہو خود بھی نہیں سمجھتے کہ کیا کہتے ہو۔ میں نے اس کے سوا کہ ”خاقانی بہ طریق تنزل گفتہ است“ اور کیا کہا ہے جو مجھے برا کہتے ہو؟ وہ بھی ذکر ”شیر شرزہ غاب“ میں، نہ ”دست آب دہ“ کے باب میں۔ اس نے جناب امیرالمومنین کے واسطے ایک لفظ سہل سرسری لکھا،

۲۲ - شہر (یہ لفظ خطوط غالب، از سہر میں نہیں)

۲۳ - اہل خلق کا (عود ہندی، مطبوعہ شیخ مبارک علی

میں نے قبول نہ کیا اور اس کے قول کا تنزل ظاہر کر دیا۔
 آنحضرت صلعم کو اس نے 'آب دہ دست' یا 'دست آب دہ' کہاں
 لکھا اور کیوں لکھتا؟ نہ احق تھا، نہ بے ادب۔ جب
 اس نے نہیں لکھا تو میں اس سے کیوں الجھوں اور کب
 الجھا؟ نہ کج فہم ہوں، نہ مغلوب الغضب۔ آب دہ دست
 کے پردے کھل گئے۔ بے اضافہ لفظ آخر دست بہ معنی
 مسند نہ آئے گا۔ آب دہ دست ہاتھ دھلانے والا کہلانے
 کا۔ ہاں ایک طور ہے، تم نے اس کو اور طور سے لکھا ہے۔
 میں یہ طریق ابلغ و احسن لکھتا ہوں، یعنی "تخت و اورنگ"
 سلاطین کے جلوس کے واسطے اور "وسادہ و مسند" امراء
 کے جلوس کے واسطے موضوع ہے۔ نظر اس اصل پر سلطان
 کو "زب افزائے اورنگ" بے افزائش لفظ اسارت لکھو۔ انبیاء
 خصوصاً سید الانبیاء صلعم مسند پر کب بیٹھے تھے؟ ان کے
 غلاموں کو اسارت ننگ ہے اور زمزمہ "الفقر فخری"
 بلند آہنگ ہے۔ میرے خداوند کا فرش حصیر، نمک، کلیم،
 رداے صحابہ بہ سطح خاک۔ میں، مومن مجرم، اپنے اس
 خداوند کو جس کی شان میں اگرچہ یہ مصرع مدح مجمل ہے:

بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

لیکن قول فیصل ہے، 'آب دہ دست و زینت' ۲۵ مسند، کیوں کر
 سمجھوں؟ بلکہ مجموع اہل اسلام بہ شرط فہم صحیح و طبع
 سلیم گوارا نہ کریں گے کہ وہ صنعت عام جو دنیا داروں کے
 واسطے ہے، قبلہ دین و دنیا پر صادق آئے۔ دکنی اور اس

کے فضلہ خوار قابل خطاب نہیں۔ ایہا الاخ المکرم !
 ”فضلہ خوار“ جواب ہے ”پس گردان جناب“ کا۔ یہ کلمہ
 مستوجب عتاب نہیں۔ یقین ہے کہ آپ نے از روئے دلالت
 لفظ و معنی جان لیا ہوگا اور اس فقیر حقیر کو نظر بہ قومیت
 ترک و پیشہ آبائی سپاہ گری ”عسس المحققین“ خطاب دیا
 ہوگا۔ جانتا اس امر کا (ہے) کہ ”آب دہ دست“ میں اگر آب
 سے پانی اور دست سے ہاتھ مراد لیں تو اس کو
 اسم پیہر صاعم سمجھنا کتنی بے ادبی ہے۔ اور اگر آب کو
 یہ معنی رونق اور دست کو یہ معنی مسند مانیں تو بے الحاق
 لفظ نبوت و ہدایت حضرت کو اس ترکیب کا مشار الیہ
 سمجھنا کیسی بوالعجبی ہے۔ ”آب دہ دست“ و ”رونق بخش“
 صفت ہے متعان مال دار کی، جہاں تک کہ اس اصطلاح سے
 تعریف کر سکتے ہیں صرافان و ساہوکاران بلاد و امصار کی۔

ختم کلام

میں اب قطع کلام کرتا ہوں اور آپ کو بہ کمال تعظیم
 سلام کرتا ہوں۔ پیہر صاعم کی تحقیر کو مسلم رکھتے ہو،
 تم جانو اور سید ابرار۔ خاقانی پر بہتان کرتے ہو، تم جانو
 اور وہ میدان معنی کا شہ سوار۔ مجھ کو جس قدر تم نے
 لکھا یا کوئی اور لکھ رہا ہے، اگرچہ وہ سب لغو اور جھوٹ
 ہے، معقول اور راست نہیں، لیکن واللہ مجھ کو عرصہ شر
 میں اس کی باز خواست نہیں :

ز یمن عشق بکونین صلح کل کردیم
 تو خصم باش و ز ما دوستی کماشا کن

تبع تیز

تمہید

(بقلم خلیل الرحمان دادوی)

مرزا غالب کی 'قاطع برہان' کی مخالفت میں 'عرق قاطع برہان' مصنفہ سید سعادت علی ، 'قاطع برہان' مصنفہ مرزا رحیم بیگ میرٹھی ، 'قاطع القاطع' مصنفہ امین الدین پٹیلوی کے علاوہ آغا احمد علی نے بھی 'موید برہان' لکھی تھی ۔ مولوی موصوف مدرسۂ عالیہ کلکتہ میں فارسی زبان کے مدرس تھے ۔ موید برہان کو دیکھ کر مرزا غالب نے اس کے جواب میں ۳۴ صفحات کا ایک مختصر رسالہ بہ عنوان 'تیغ تیز' لکھا ۔ یہ رسالہ مطبع اکمل المطابع دہلی سے ۱۸۶۷ء میں شائع ہوا ۔ اس کے بعد آج تک اس کے دوبارہ چھپنے کی نوبت نہیں آئی ۔

'تیغ تیز' میں ۱۷ فصلیں ہیں ۔ اولیں ۱۶ فصول ہیں مولوی احمد علی صاحب پر ایک ایک کسر کے اعتراضات کیے ہیں اور ساتھ ساتھ ان اعتراضات کے جوابات بھی دیے ہیں ۔ آخری یعنی سترھویں فصل

میں 'برہان قاطع' پر چند اور اعتراضات کیے ہیں جو 'قاطع برہان' میں درج ہونے سے رہ گئے تھے۔ ان ۱۷ فصول کے بعد ادبی استفتاء ہے، جس میں ۱۶ سوالات ہیں۔ ان کے جوابات نواب محمد مصطفیٰ خاں شیفتہ - دے ہیں۔ مولانا الطاف حسین حالی ہانی پتی، مولوی سعادت علی خاں اور نواب ضیاء الدین احمد خاں نیر و رخشاں نے ان جوابات کی تصدیق و تائید کی ہے۔ آخر میں ایکہ 'غلط نامہ' ہے۔ صفحہ ۳۴ پر کتاب ختم ہو جاتی ہے۔

یہ آخری اردو رسالہ ہے جو غالب کے قلم سے نکلا۔ اس کے بعد مولوی احمد علی اور غالب کے معاونین کے درمیان قطعات نظم کی جنگ چھڑ گئی جن کے مجموعے 'ہنگامہ دل آشوب' حصہ اول و دوم کی صورت میں مرتب ہو کر شائع ہوئے۔

تیغ تیز

بسم الله الرحمن الرحيم

اللہ جل شانہ اپنے بندوں کو ورزش اسور خیر کی توفیق دے ! اچھا ہے وہ بندہ جس کو ظلم کی خونہ ہو اور ظلم کے انواع میں ازاں جملہ ایک سخن پروری ہے کہ اس کو بے ایمانی کہا جاہیے ، یعنی کتان حق اور اعلان باطل بہ اصرار - اسد اللہ خان غالب کہتا ہے ”میں نے خاص نظر بہ اعلان حق ’برہان قاطع‘ کی عبارت کی سستی اور بیان کی غلطی اور اطناب محل کی نکوہش میں ایک رسالہ لکھا اور اس کا نام قاطع برہان اور درفش کاویانی رکھا - جب بعد انتطباع وہ رسالہ مشہر ہوا تو پہلے پہل اس مثل ہندی کے مطابق ”بیل نہ کودا ، کودی کون“ ، ایک

مرد بے مغز ، معوج الذہن ، نہ فارسی دان نہ عربی خوان نے میری نکارش کی تردید میں ایک کتاب بنائی اور چھپوائی - ”محرق قاطع“ اس کا نام رکھا اور اس کو مشہر کیا - میرے ایک بار نے اس کتاب کے جواب میں کچھ لطائف جمع کئے اور ”لطائف غیبی“ اس کا نام رکھا ، وہ نسخہ بھی مشہور ہوا ؛ پھر ، ایک سرزا رحم بیگ میرٹھ کے رہنے والے ، بروئے کار آئے اور ایک تحریر مسمیٰ بہ ”ساطع برہان“ نکال لائے ، مطالب

مندرجہ لغو ، بیش تر ”عرق قاطع“ کے مضامین منقول ۔ فقیر نے ایک خط مرزا جی کو لکھ بھیجا ، زیادہ اس طرف التفات کو تضحیح اوقات جانا ۔

”ثالثاً میاں امین الدین کہ اب پٹھالے میں ملقب بہ مدرس ہیں، انہوں نے ایک ”قاطع القاطع“ چھپوایا ۔ استعداد علمی میں سے بعد صرف مقاصد نحو و صرف فارسیت کی اسی قدر رعایت منظور رکھی کہ فقیر کے بعض فقرات کی ترکیبیں اپنی عبارت کے قالب میں ڈھالیں ؛ باقی سوائے عربی قشری اور فارسی مسروقہ کے وہ مطلق کالیاں دی ہیں جو کنجڑے ، ہوشیارے استعمال کرتے رہتے ہیں ۔ کمال یہ کہ ان کا منطقی ہندی اور حضرت کی عبارت فارسی ہے ۔ ہم دیکھتے ہیں کہ کولی جلاہ ان دنوں میں عالم تحصیل کر کے مہذب ہو گئے ہیں ، عامہ باندھے ہوئے پڑے پھرتے ہیں ، فحش نہیں بولتے ، خلاف ان قوم کے صاحب و قبلہ ان کا روزمرہ ہے ۔ یا رب ! میاں امین الدین کس بری قوم کے اور کس باجی گروہ کے ہیں کہ مولوی کہلائے ، مدرس بنے ، مگر الفاظ مستعملہ قوم نہ چھوڑے ۔ اگر میری طرف سے ازالہ حیثیت کی فالش دائر ہو جاتی تو میاں ہر کہسی بنتی ؟ مگر میرے کبر نفس نے ازالہ حیثیت کے لفظ کو گوارا نہ کیا ؛ ان کی تحریر ان کے باجی بن پر سجال ہے ، بہ مہر ذرہ تا آفتاب ۔

”رابعہم مدرس احمد علی صاحب ، عربیت میں امین الدین سے بڑھ کر ، فارسیت میں برابر ، فحش و فاسزا گوئی میں کم تر ، جتنے الفاظ توحیدین و تذلیل کے ہیں ، وہ جن جن کر میرے واسطے صرف کیے اور یہ نہ سمجھا کہ غالب اگر عالم نہیں ، شاعر نہیں ، آخر شرافت و امارت میں ایک پایہ رکھتا ہے ،

صاحب عز و شان ہے ، عالی خاندان ہے ؛ اسراء ہند ،
 رؤسائے ہند ، راجگان ہند سب اس کو جانتے ہیں ۔
 رئیس زادگان سرکار انگریزی میں گنا جاتا ہے ۔ بادشاہ کی
 سرکار سے نجم الدولہ خطاب ہے ۔ گورنمنٹ کے دفتر میں
 خان صاحب ، بسیار مہربان دوستانہ القاب ہے ۔ جس کو
 گورنمنٹ خان صاحب لکھتی ہے ، اس کو سڑی اور کتا اور
 گدھا کیوں کر لکھوں ؟

”فی الحقیقت یہ تذلیل بہ نعوائے ’ضرب الغلام اہانت العولی‘
 گورنمنٹ بہادر کی توہین اور وضع و شریف ہند کی مخالفت ہے ۔
 میرا کیا بکڑا ؟ مولوی نے اپنا باجی بن ظاہر کیا ۔ میں نے
 معلم امین بے دہن کو شیطان کے حوالے کیا اور احمد علی کے
 الفاظ مذموم سے قطع نظر کر کے ان کے مطالب علمی کا جواب
 اپنے ذمے لیا ؛ اس نکارش کا نام ’تیغ تیز‘ رکھوں گا اور بعد اتمام
 اس کو چھواؤں گا اور اپنے احباب دور و نزدیک کی خدمت میں
 بھجواؤں گا اور اگر مرگ نے امان نہ دی تو خیر :

ای بسا آرزو کہ خاک شدہ

اب یہاں سے آغاز فصول ہے ۔ داد کا طالب ، غالب“ ۔

نظم

بر آتم بہ نیروی این ”تیغ تیز“
 کہ مغزِ عدو را کنم ریز ریز
 عدو آن کہ ”برہان قاطع“ نوشت
 بہ گفتارِ سست و بہ چہنچارِ زشت
 اگر گفتمہ آید کہ او مُرد و رفت
 ز مغزش چہ خواہی ہی ای شکست
 ز مغزش خرد جسم اما چہ سود
 کہ در زندگی نیز مغزش نہ بود
 امید آن کہ گفتارِ آن بے ہنر
 کم ہم بہ گفتارِ زیر و زبر
 امید آن کہ چون کار سازی کنم
 بدی نامہ دشمن گذاری کنم
 ز ہی نامہ کز فر اقبال او
 یکے تیز تیغ آمدہ سال او

نا درستی عبارت اس وجدانی ہے، فہم من فہم۔

فی الحال وہ عیوبِ جامعِ برہان کے لکھتا ہوں کہ بدیہی ہیں
 اور حقِ بصر ان کا مدرک ہو سکتا ہے۔ سیکڑوں لغت
 پہلے ”تیز“ سے لکھے ہیں اور پھر ”طوئے“ سے، پہلے حائے حقی
 سے لکھے ہیں اور پھر حائے ہوز سے۔ جو الفاظ واؤ معدولہ
 سے ہیں اور جو بے واؤ ہیں، دونوں کو ایک کر دیا ہے۔ مثلاً
 خوردہ بہ واؤ جو سیغہ مفعول ہے خوردن کا اور خوردہ

یہ خائے مضموم ہے واؤ جو ترجمہ ہے دقیقے کا اور نقدی کو بھی کہتے ہیں، ان دونوں کا تفرقہ اٹھا دیا ہے۔ ہف بالفتح ایک لفظ ہے ثنائی اس میں سے ایک سو کوئی لغت پیدا کیے ہیں، مزا یہ کہ ”برہان قاطع“ میں بھی لکھے اور پھر سواد ملحقات میں بھی رقم فرمائے۔ مولوی صفحہ ۲۰۴ میں اس لفظ کے باب میں ایک صفحہ پورا سیاہ کرتے ہیں۔ میرا اعتراض یہ ہے کہ ہف بہ معنی کار کہ جولاء یا بہ معنی شانہ جولاء و ہفوش اسم طعام، ہفف بہ معنی آواز سگ، اس سے لغت اگر غریب است در صحیح در اول و آخر نکاشت، باقی یک صد و چند لغت از ہفت کہ عدد بہت معروف، س کب ساخت، سراسر گناہ از ہفت سپر و ہفت ستارہ و ہفت کشور و ہفت بردہ چشم۔ مولوی جی پہلے تو مجھ پر اعتراض کرتے ہیں کہ صحیح کے مقابل غلط ہے، نہ غریب، پھر نظام کا حوالہ دے کر ہفت کشور وغیرہ کی صحت میں غلو کرتے ہیں۔ کوئی ہو چھے کہ غالب نے ان الفاظ کو کب غلط لکھا ہے جو تم اس کی صحت کے گواہ گزرا تھے ہو؟ ایک لفظ سے سو لغت بنانے کا عذر کہاں، پس خاتمۃ عبارت میں لکھ دیا کہ ”عبارت دانائے تبریز ہمہ معنول است و قول معترض نا مقبول۔“

میں کہتا ہوں کہ اس عذر نہ کرنے کو میں نے معاف کیا، دوبارہ ملحقات میں انہیں سو لغت کے لکھنے کا تو مولوی جی جواب دیں۔ اغلب لغات کے معنی دس دس دس دس ہیں بلکہ سوا بھی لکھے ہیں۔ بعض مترادف، بعض ضد ہم دگر۔ بحمل کے معنی لکھتا ہے ”عرچیز کہ آن را ذبح کردہ باشند“ میں نے اس مقام پر لکھا ہے ”ذبح بہر جان داراں است نہ از ہوائے اشیاء۔“

اب یہاں صاحبانِ فہم و علم و داد سے انصاف چاہتا ہوں کہ اس بیان میں میں حق پر ہوں یا مؤلف 'برہان'؟ جامع برہان آتش کی نئے کو مکسور بتاتا ہے اور میان انجو کے قول کو سند لاتا ہے، مگر جس حال میں کہ نظامی یہ نقش بٹھاتا ہے :

مٹے، کوست حلوائے ہر غم کشرے
نہ دیدہ بجز آفتاب آتشے

خاقانی یوں فرماتا ہے :

با عین کھالت اے ملک وش
طوبی خسک است و کوثر آتش

ہر چند سعدی کی نظم میں اور بہت سے اساتذہ کے کلام میں فتحہ تحتانی آتش کا نقش علی الحجر ثابت ہے، لیکن میں دو بالغ کلاموں کے کلام کی سند دے کر بلغا اور کبرا سے پوچھتا ہوں کہ کیوں حضرت! خاقانی اور نظامی سچے یا انجو فرہنگ جہانگیری والا اور دکنی برہان قاطع والا سچا؟ وہ دو ایرانی بلند پایہ اور یہ دو ہندی فرومایہ، یہ برہان والا اندھا ہے اور فرہنگ جہانگیری اس کی عصا ہے۔ جامع فرہنگ سے تعجب ہے کہ فارسی زبان کے مالکوں کے خلاف اپنے وہم کی رو سے آتش بد کسرہ لکھتا ہے۔ اہل انصاف سے جواب کا طالب۔ غالب۔

فصل دوسری

اب مولوی احمد علی صاحب کی خدمت میں حاضر ہوتا ہوں۔ 'سوید برہان' کے دوسرے صفحے میں تاکید کرتے ہیں کہ زہار محمد حسین کہہ دکنی نہ کہو، وہ تبریزی ہے؛

آخر ظہوری و نظیری بھی ایران سے آ کر دکن اور ہند میں رہے ہیں ، یہ دکنی ، وہ ہندی کیوں نہ کہلائے ۔ واہ رے قیاس ۔ مع الفارق ! ان دونوں میں سے ایک کا مولد ترشیز ، ایک کا مولد نشا پور ، یہ طریق سیر و سفر ہند میں آئے ، ان کو دکنی اور ہندی کون کہہ سکتا ہے ؟ محمد حسین بے چارے کا دادا پردادا تبریز سے آیا ہوگا ، یہ دکن میں یا ہند کے کسی اور شہر میں پیدا ہوا ہوگا ۔

اچھا مولوی صاحب ! اگر اس کو تبریزی مولد کہتے ہیں ۔ اور صاحب قحاص تھا تو اس کا دیوان دکھائیں ۔ شاہ جہاں کا عہد تھا ، محمود غزنوی کے وقت کے شعراء کے کلام جا بجا موجود ہوں اور شاہ جہاں کے زمانے کے شاعر کے اشعار نہ ہائے جائیں ! دیوان نہ سہی ، کسی تذکرے میں اس کے کلام کا پتا دیں ۔ ہاں ہوں ہو سکتا ہے کہ یہ شخص شعر کہتا ہوگا ، مگر بوجہ او رواہی ، ان اشعار کی تدوین کیا ہو اور ان کو تذکرے میں کون لکھے ؟

پھر ارشاد ہوتا ہے کہ ”ما قال“ کو دیکھو ”من قال“ سے قطع نظر کرو ۔ فقیر ہو چھتا ہے کہ ہے کیا جس کو دیکھیں ؟ نظم مفقود ، اثر مردود ۔ نگاران عہدہ کا ذکر نہیں کرتا ، منشآت سادہ و رام ، انشائے خلیفہ اور جو چھوٹی چھوٹی نثریں فی الحال تالیف ہوئی ہیں ، ہر ایک کی عبارت پر ہاں قاطع کی طرزِ تھریر سے بہتر ہے ۔ آب یہاں پھر توقف کر کے خاص اس باب میں والانظروں سے انصاف چاہتا ہوں ، انصاف کا طالب ، غالب ۔

فصل تیسری

لوطیان ایران میں رسم ہے کہ چند بدعاش جمع ہو کر

ایک اسرد کو کچھ دے کر باغ میں یا کسی مکان میں لے جاتے ہیں اور نوبت بہ نوبت اس سے اعلان کرتے ہیں ، اسی جاعت میں سے ایک شخص اس اسرد کا سر پکڑے رہتا ہے ۔ سو 'سود' کے بالچھوٹے صفحے میں مولوی جی لوگوں کی متبیں کرتے ہیں اور بتاتے ہیں کہ آؤ اور دکنی کا سر پکڑو ۔ پھر مولانا 'سود' کے صفحے ۶ میں اسدی طوسی اور حکیم قطران کو دو فرہنگوں کا موافق بتاتے ہیں ۔ بھلا صاحب ! اگر اسدی طوسی نے فرہنگ لکھی ہوتی تو محمود غزنوی کے عصر سے آج تک سب فرہنگ نگاروں کا ماخذ وہی ہوتا اور اختلاف لفظ و معنی کسی لغت میں راہ نہ پاتا ، لیس فلیس ۔

صفحہ ۱۲ میں حضرت مولوی صاحب موافق مذهب مولوی ارشد جامع 'فانوس خیال' کے شکم و اشکم و سپید و اسپید اور بگو و بشنو ان لفظوں کی حقیقت ایک بتاتے ہیں ، اشکم و اسپید اور بگو اور بشنو کو دری بتاتے ہیں ، شکم اور سپید اور بگو اور بشنو کے حق میں خدا جائے کیا فرماتے ہیں ۔ اصل اس کی یہ ہے کہ سپید و شکم دو لغت جامد ہیں ، ان پر الف وصل لاتے ہیں ۔ چاہو عکس یعنی اشکم و اسپید کو لغت اصلی اور شکم و سپید کو مخفف کہو ۔ بگو اور بشنو دو صیغہ امر ہیں ، گفتن و شنیدن کے اور ان پر موحده زائدہ ہے ، مضارع گوید و شنود اور امر گو اور شنو ۔ کہاں اسم جامد مع الف وصل ، کہاں صیغہ امر مع موحده تختانی ؟ کیوں حضرات کثیرالبرکات ! اس بیان میں میں حق پر ہوں یا مولوی احمد علی صاحب ؟ داد کا طالب ، طالب ۔

فصل چوتھیں

جناب مولانا ۱۸ صفحے میں حکم دیتے ہیں کہ پیدائی و زیبائی صحیح، پیدائش و زیبائش غلط۔ اقول: آخر حاصل بالمصدر بنانے کے لیے دو ہی حرف موضوع ہیں، یا آخر میں شین یا تحتانی۔ موافق مولوی جی کے اجتہاد کے سیکڑوں لفظ متروک و مطرود ہو جائیں گے۔ ہم کہتے ہیں کہ زیبائش اور پیدائش و گنجائش کو زیبائی و پیدائی و گنجائی بھی کہہ سکتے ہیں، مگر آرائش و آسائش و کاہش و رجش کے آگے بے ترکیب شین کی جگہ ہائے حطی نہیں لا سکتے اور یہ مقدمہ نہ دلائل کا محتاج ہے نہ نظائر کا حاجت مند۔

پھر صفحہ ۱۹ میں کندن کو صحیح اور کندیدن کو غلط بتاتے ہیں۔ یا رب! کندن مصدر اصلی اور کندیدن مصدر فرعی بنا ہوا ہے مضارع سے، جیسے آوردن اور آوریدن یا رستن بہ رای مضموم مصدر اصلی اور روئیدن مصدر فرعی نکلا ہوا روید سے ہے، جو رستن کا مضارع ہے۔ خواہدو باید و تواند ماقبل صیغہ ماضی آتے ہیں، کلیہ دستور ہے۔ فرستادن مصدر، فرستاد ماضی، فرستد مضارع، فرست امر، کون اندھا ہوگا جو صیغہ ماضی کو چھوڑ کر یعنی خواہد فرستاد کی جگہ خواہد فرست لکھے گا؟ فرستن مصدر ٹھہرے تب فرست صیغہ ماضی بنے اور اس سے پہلے تواند وغیرہ گنجائش پائے۔ جو لوگ خواہد فرست و باید فرست لکھیں گے، وہ زمرہ بنی آدم سے خارج ہیں اور قابل خطاب نہیں، مگر مولوی جی نے قیل کی پیروی کی ہے کہ وہ غلط غلط محاورے لکھ کر اس کی تصحیح کرتا ہے۔ مثلاً ”نان از مرہائے سیب خوردم“ کو غلط کہتا ہے اور ہدایت کرتا ہے کہ

”نان باسربائے سبب خوردم“ کہو۔ انصاف کا طالب، غالب۔

فصل پانچویں

اسی صفحے میں مولوی صاحب آگہی دیتے ہیں کہ فرستادن کا مضارع فرستد ہے نہ فریسد۔ سلطان، لیکن اگر برعایت قافیہ، نثر یا نظم میں منشی یا شاعر نویسد و فریسد لکھ جائے تو ایسی قباحت لازم نہیں آتی، ہاں شعیدن بمعنی بوئیدن نکسال باہر ہے۔ شنیدن کے دو معنی ہیں سنا اور سونکھنا جیسا کہ حافظ فرماتا ہے بیت :

بوی خوش تو ہر کہہ ز باد صبا شنید
از ہمار آشنا خبر آشنا شنید

اسی ۱۸ اور ۱۹ صفحے میں جہاں کندیدن کو غلط بتاتے ہیں، ماند و خواند کو پروژن چاند غلط بتاتے ہیں اور مند و خند کو پروژن تند و کند صحیح فرماتے ہیں؛ پس اس سے لازم آتا ہے کہ ماندن و خواندن بھی بے الف پروژن کنندن ہو جو ہند میں اسم زر بے غش ہے لاحول ولا قوۃ الا باللہ ! خواندن مع الواو معدولہ و الف اور ماندن مع الالف اور خواندن مع الواو اور الف اور ماند مع الالف مولوی جی کی مثال کے مطابق پروژن چاند صحیح ہے، لیکن اہل ایران الف کو سلا دیتے ہیں اور یہ لہجہ ہے نہ قاعدہ ! شاعر اور منشی کو تتبع قواعد کا چاہیے، لہجے کی تقلید یورپیوں اور بھانڈوں کا کام ہے۔

بہ سب ایک طرف اور صفحہ ۲۰ میں چشم عیب ساز ایک طرف۔ صاحبو ! واسطے خدا کے، چشم کی صفت عیب ہیں۔ یا عیب ساز؟ آنکھ کا کام عیب کا دیکھنا ہے یا عیب کا بنانا؟ جواب کا طالب، غالب۔

فصل چہٹی :

موید کے ۱۲ صفحے میں مولوی جی لکھتے ہیں کہ صاحب فرہنگ سامانی اور خان آرزو مانع تخصیص آجین ہیں اور عموماً رومال کو لکھتے ہیں ؛ پھر نتیجہ اس شکل کا یہ نکالتے ہیں کہ یہ اعتراض ان دو شخصوں کا ہے ، غالب سارق ہے اس اعتراض کا۔ سبحان اللہ ! مضمون کا سرقہ سنا تھا سرقہ اعتراض نہ سنا تھا ؛ اتفاق رائے کا نام سرقہ رکھنا کتنی بڑی نا انصافی ہے ! جامع برہان کی رائے کا اور فرہنگ نویسوں کی رائے سے متفق ہونا استاد اور میری رائے کا سامانی اور آرزو کی رائے سے اتفاق مجھ پر باعث الزام سرقہ ۔

’موید‘ کے ہاتھوں صفحے میں جہاں مولوی جی لوگوں سے دکنی کا سر پکڑواتے ہیں ، وہاں ایک فقرہ لکھتے ہیں ”غم گفتار پارسی زبان خورد“ اور یہ فقرہ درفش کاویانی کا ہے ، مندرجہ صفحہ ۴۶ ، مگر اس طرح ہے : غم تباہی آئین گفتار پارسی خورد ۔ مولوی نے بے معنی کر کے لکھا ہے ، بھلا غم گفتار پارسی زبان خورد کے کیا معنی ؟ غم مترتب ہوتا ہے ہلاک پر ، فوت پر ؛ گفتار کا غم کیا اور پھر گفتار بھی اور زبان بھی جہاں مولوی کی فارسی ذاتی اور سخن رانی کی ٹھیک نکل گئی ۔ اہل عقل و انصاف سے یہ سوال ہے کہ اتفاق رائے اگر سرقہ ہے تو چاہیے سراسر فقرہ بے تغیر لفظ لکھنا ، آچکا بن اور اٹھا ، کیرا بن ہو ۔ جس فعل کے فاعل یعنی آچکے اور اٹھائی کیرے کو اہل ایران بردار و بدو کہتے ہیں ۔

سرقہ فقرہ بے تبدل لفظ سن لیا ، اب سرقہ مضمون بہ تغیر الفاظ سنئے۔ فقیر نے درفش کاویانی کے ۱۲ صفحے میں عبارت لکھی

ہے ”آری دیران پارس را قاعدہ چنان بود کہ بر سر دال ایجد نقطہ نہادندے۔ چون درین اندیشہ وجود دالِ بے نقطہ از میان می رفت و ہمہ دالِ منقوطہ می ماند ، اکابر عرب قاعدہ قرار دادند و تفرقہ دال و ذال را بر آن قاعدہ اساس نہادند۔“ منصہیں ملاحظہ کریں کہ مولوی عربی خوان ، فارسی دان مویہ کے ۲۴ صفحے میں یہ عبارت یوں لکھتا ہے ”بخاطر فاطر چینی می رسد کہ چون درہ زمانہ قدیم و عہد باستان بر زیر دال نقطہ می نہادہ اند ، متاخرین کہ ازین قاعدہ آگا نیستند ، آن را خیال ذال منقوطہ کردہ اند۔“ حضرات کو میں اس امر خاص میں بہت تکلیف دوں گا اور دادطلبی میں اصرار و ابرام کروں گا۔ فرہنگ ہائے ہش میں کوئی بچہ کو یہ مطلب دکھا دے تو میں گنہگار ورنہ مولوی اٹھائی گیرا۔ یہ راز مجھ سے شت ہرمز دئم مولانا و اولانا حضرت مولوی عبدالصمد علیہ الرحمۃ نے کہا ہے ، دوسرا کوئی اس کو نہیں جانتا تھا۔ ایسی نئی بات کو چرانا اور اپنا قول بتانا چوری اور سرزوری ، خیرہ رائی اور بے حیاتی ہے یا نہیں ؟

ای اہل عقل کوئی تو بولو خدا لگی

جواب کا باہرام طالب ، غالب ۔

فصل ساتویں

درفش کاویانی کے ۱۶ صفحے میں فقیر لکھتا ہے کہ ”آرا بمعنی آرائش کجاست ؟ و آرایندہ را کے گویند ، سخن آرا و بزم آرا نظیر بے تواند بود ؟ این خود کلام معترض خواہد بود کہ صیغہ امر ہی افزائش اسم در اول افادہ معنی قاعلیت بے کند۔“

مولوی جی موبد کے ۹۴ صفحے میں فرماتے ہیں کہ ”آرا“
 بمعنی آرائش نزاری نے لکھا ہے“ اور یہ شعر سند لاتے ہیں :-

ہمے باید ہر افزودن آکر مشاطہ فطرت
 جالے را بزبائی نگارے کرد و آرائی

فقیر عرض کرتا ہے کہ میں گستاخی نہیں کر سکتا ، مگر خدا سے
 میرا زور نہیں چلتا کہ وہ فرماتا ہے ”لعنت اللہ علی الکاذبین ۔“
 یہ جھوٹ ہے ، نزاری نے آرا کو بمعنی آرائش نہیں لکھا ،
 آرائی کو بمعنی آرائش لکھا ہے ۔ آرائی میں مصدری تختانی
 آگئی ہے ، پھر آرائش کے معنی کیوں نہ لیے جائیں ؟ یہ شعر
 اس بات کی سند ہے کہ بے تقدم اسم بھی آخر میں رہی
 مصدری لاتے ہیں ، مجرد آرا مصدر کے یا حاصل بالمصدر
 کے معنی کہاں دیتا ہے ؟ وہ سوز و گداز و آہنگ وغیرہ کے
 واسطے خاص ہے ۔ پھر ایک اور استاد کا شعر لکھتے ہیں :

روے بنا و بزم را آرا
 چوں توی آفتاب بزم آرا

غالب خستہ جگر متعیر ہے کہ یہ بیت تو میرے مفید مطلب
 ہے ۔ پہلے مصرع میں بمعنی امر ، دوسرے میں بعد تقدم
 اسم بمعنی فاعل ۔ پھر مولوی جی کیوں لکھی ؟ پس اس
 بھروسے پر کہ میں مولوی اور مدرس ہوں ، آنکھ بند کر لی
 ہے اور لکھنا شروع کیا ہے ، نہ بر محل دیکھنا نہ بے محل
 دیکھنا ، سند کے اشعار لکھ دے ۔

اور سنیے میں نے درائش کاویانی کے ۱۵ صفحے میں لکھا ہے
 کہ ”معنی خیر و خیرات ارزائش است بروزن ہر دانش ۔“

مقصود اس سے یہ کہ دکنی نے 'برہان قاطع' میں خیرات کے معنی ہر آرازش لکھا ہے۔ مولوی موبد کے ۵۱ صفحے میں رد کرتا ہے میرے قول کو اور سند لاتا ہے آرزو کے کلام کو۔ راقم ان اوراق کا، آرزو کا ایسا معتقد کب ہے کہ اس کے ہر قول کو معتبر جانے؟ شاہ نامے میں مولانا فردوسی علیہ الرحمۃ نے ہزار جگہ ارزانش بمعنی خیر و خیرات و ارزانی بمعنی محتاج و خیرات خوار لکھا ہے۔ دکنی اور آرزو نے دہلوی کون ہوتے ہیں کہ ان کا وہ قول جو شہنشاہ قلمرو زبان دری و پہلوی کے خلاف ہو، اس کو کوئی زبان پر لاوے؟ استغفر اللہ !

فصل آٹھویں

حضرت مولوی صفحہ ۸۵ میں اروند اور صمد کے معنی میں مجھ سے الجھتے ہیں؛ سو اروند کے معنی میں میرا اور مولوی جی کا ہین ایک ہے، الفاظ میں تغیر بالمرادف ہو تو ہو۔ رہے صمد کے معنی، جب مولانا عبدالصمد قدس سرہ نے کہ وہ علم عربی کا فاضل متبحر تھا، اروند کے وہ معنی شرح کہے کہ جس کا ترجمہ ہندی زبان میں ٹھوس کا لفظ ہوتا ہے اور بتایا مجھ کو کہ عربی میں ان معنوں میں لفظ صمد ہے کہ ایک اسم اسماء النہی میں سے بھی ہے۔ ہاں سچ بہت اسمائے اقدس ایسے ہیں کہ عباد اللہ پر بھی ان کا اطلاق ہو سکتا ہے جیسے غنی بہ معنی بے پروا، کریم بمعنی سخی، یہاں اور نظائر کے لکھنے کی حاجت نہیں۔

قصہ مختصر بعد ایک مدت کے جب میں دلی آ رہا اور مولوی فضل حق مغفور سے بعد ملاقات ربط بڑھا، ایک روز

بجسب اتفاق هرمزد کا ذکر درمیان آگیا اور اس کے ذکر کے آنے کی تقریب معنی " صمد اور اروند کے اتحاد کی شرح - چون کہ حضرت کو مذہب اسلام میں تعصب بہت تھا ، ایسا کہ اسی شرط تعصب میں جہان دی ، اروند کے لفظ کو برا بھلا کہہ کر فرمانے لگے کہ صمد اسم صفت ہے ، معنی اس کے " نہ چیزے از وے بیرون رود ، نہ چیزے بدرون آید ، نہ زیادہ شود نہ کم گردد ۔ " یہ چاروں فقرے اس مرحوم کی زبانی ہیں البتہ مجھ کو تو اب اس میں کوئی تردد نہ رہا ۔ بہ اعتبار قاریتِ هرمزد مالکِ زبان ، بہ اعتبارِ عربیتِ دونوں فاضل ۔

اسی فصل میں یہ مصرع استاد کا جو حضرت نے لکھا ہے اس کا وزن آپ سے ہو چھتا ہوں ، جس طرح حکم ہو اس طرح پڑھوں ۔ جانتا ہوں کہ کئی نگار کی شامت آئے گی اور غلطی اس سے منسوب ہو جائے گی ، لیکن مجھے مدرس صاحب سے استفادہ منظور ہے ۔ مصرع یہ ہے اور مدرس صاحب اس کو استاد فرخی علیہ الرحمہ کا بتاتے ہیں

چشم مخالفان باژن بہ تیر

بہر صفحہ ۸۰ میں مولوی مجھ کو ابو جہل ہندی اور دکنی کو دانائے تبریزی لکھتا ہے ۔ ہر چند میں اس کو ابولہب جہانگیر نگری لکھ سکتا ہوں ، لیکن چون کہ نگارش میں شرط کی ہے کہ مطالب کا جواب دوں گا ، فحش و ناسزا کا پاسخ نگار نہ ہوں گا اس واسطے طرزِ نگارش میں کلام کا جاتا ہے ! ابو جہل ہند و دانائے تبریز بے جوڑ بات ہے ، جاہل ہند و دانائے تبریز لکھتے یا ابو جہل ہند و ہمہ تبریز لکھتے ۔ ہاں صاحبانِ فہم و فراست ! اللہ فرماؤ کہ

یہ دخل میری طرف سے بجا ہوا ہے جا جواب کا طالب ، داد خواہ غالب ۔

فصل نویں

مولوی احمد علی صاحب نے پانچ سات صفحے 'آوازہ' اور 'آئینہ وار' اور 'آوند' اور 'آہنگ' کے بیان میں سیاہ کیے ہیں ۔ بارے ظرف شراب کو آوند نہیں مانا اور دکنی کے قول کو اس بات میں جھوٹ جانا ، الحمد للہ ! اور بھی بعض ایسا ہی کچھ معلوم ہوتا ہے ۔ یہ تو میں بھی نہیں کہتا کہ جامع 'برہان' مجموع لغات کے معنی غلط لکھتا ہے ۔ البتہ چوں کہ اور کتب سے نقل کرتا ہے ۔ پھر معنی غلط کیوں کر ہوں گے مگر یہاں ایک امر ہے خاص اور ایک امر ہے عام ؛ امر خاص عبارت ہے عامیانہ ترکیب ، نکسال باہر ، اس میں مختص ہے مؤلف 'برہان' ۔ امر عام غلطی قیاس کی کہ اس میں فرہنگ نویس مبتلا ہیں ، خصوصاً جامع 'برہان' کا قیاس تو ایسا بھونڈا اور دور از صواب ہے کہ اس کے حامی ہر چند توجیہات باردہ ڈھونڈ لائے ہیں ، مگر اس کی قباحت کو مٹا نہیں سکتے ؛ سینہ زوری کرتے ہیں ۔ اس کا حاصل یہ ہوتا ہے کہ اکثر و اغلب آن کی تقریر بطور سوال دیگر جواب دیگر ہوتی ہے ۔ عیاذ باللہ ! اگر میں صاحب "مبید برہان" کے ہر بیان کا "تیغ تیز" میں ذکر کرتا تو ساری تلوار زنگ میں چھب جاتی اور سیاہ تاب بن جاتی ۔

از آن جملہ میں نے درفش کاویانی کے ۱۰ صفحے میں تحت تشبیہ دربارۃ لغت 'آہنگ' جو کچھ لکھا ہے ، خلاصہ اس کا یہاں لکھتا ہوں : "آہنگ را ماضی کشیدن قرار داد

بہر عایت توضیح لفظ یعنی کشیدہ بران افزود و سپس در فصل دیگر آہنگیدن آورد و گفت مصدر آہنگ است کہ بہ معنی کشیدن باشد۔“ بعد نقل عبارت ”برہان“ میں نے لکھا ہے کہ ”قاعدہ دانان حسبہ اللہ! چون قاعدہ استخراج صیغہ ماضی ہر افکنندن نون مصدرست، ہر آئینہ ماضی آہنگید خواہد بود نہ آہنگ۔“ مولوی جہانگیر نگری نے ”سوید برہان“ کے ۸۳ اور ۸۴ صفحے کو سیاہی سے لپ دیا ہے، ہزارہ معنی آہنگ کے لکھے اور ہر معنی کی سند ایک شعر۔ مثال اس کی یہ کہ ایک کندھی عطر فروش محفل میں آیا اور تنکوں پر روئی لپیٹ کر ہر ایک تنکے کی روئی کو ایک شیشی میں بھگنوا اور اہل محفل کو سنگھایا، یہہ گلاب کا ہے اور یہ سہاک کا اور یہ موتیا کا ہے۔ اسی طرح مولوی کہتا ہے کہ یہ شعر فلاں کا ہے اور یہ شعر فلاں کا ہے۔ اس سے یہ معلوم ہوا کہ مولوی نے سب فرہنگوں کو دیکھ کر دس بارہ شعر نقل کیے ہیں۔ یہ تو سب کچھ ہوا، لیکن میرے اس فقرے کا جواب کہاں ہے کہ ”ہر آئینہ ماضی آہنگید خواہد بود نہ آہنگ؟“ سوال کا جواب نہیں اور خرافات ہزار در ہزار۔ جواب کا طالب، غالب۔

فصل دسویں :

مولوی ’برہان‘ ہرست فارسی مدان صفحہ ۱۰۱ میں ’سوید برہان‘ کے فازہ و خمیازہ کی بحث میں لکھتا ہے ”ظن غالب آن کہ غالب عربی مدان را ’غیاث‘ گمراہ کردہ باشد۔“ عیاذ اللہ! اگر غالب جامع تحیث الغات کو آدمی جانتا ہو تو وہ خود آدمی نہیں۔ ایک بار ’علم‘ شے بہ از جہل کی

وعایت کر کے اس کتاب کو سراسر دیکھ لیا۔ جب دیکھا کہ جا بجا قلیل کے کلام کا حوالہ دیتا ہے اور ماخذ اس کا فن لغت میں چار شربت اور نور الفصاحت ہے، کتاب ہر اور مؤلف پر لعنت بھیجی۔ مدرس جی اتنا نہ سمجھے کہ جو میاں انجو کو نہ مانے گا، وہ میاں جی غیاث الدین کو کیا جانے گا؟ ہارے جب رام پور جا۔ کا اتفاق ہوا اور وہاں کے صاحب زادگان عالی تبار اور روسائے نامدار سے ملاقاتیں اور صحبتیں رہیں تو اس شخص کا حال یہ معلوم ہوا کہ ایک ملائے مکتب دار تھا، نہ رئیس کا روشناس، نہ اکابر شہر کا آشنا، ایک گم نام ملا مکتب دار، چند صاحب مقدور لڑکے اس کے مکتب میں پڑھتے تھے، انہوں نے صرف زر میں اس کو مدد دی، مثل بندر کے جس نے تبار کی تقلید کی تھی، ایک فرہنگ لکھ کر چھپوائی۔ خدا کا شکر ہے کہ غالب مانند مدرس صاحب کے ہر دل عزیز نہیں، گل محمد خاں بلوچ کو ایرانی اور سراج الدین علی خداں آرزو کو نواب اور لالہ ٹیک چند کو راجہ کبھی نہ لکھے گا۔ مولوی احمد علی جہانگیر نگری عالم ہیں مگر ان معنوں میں کہ صرف و نحو کے دو چار رسالے پڑھ لیے ہیں اور فاعل اور منقول سے لگا لگا کر رکھا ہے، باقی فہم، تمیز، انصاف، حیا، ان چاروں صفتوں کا پتا نہیں۔ مدرس کا عہدہ ہاتھ آنا بہ حسب اتفاق ہے نہ از روئے استحقاق۔

ز دل بری نتوان لاف زد بہ آسانی
ہزار نکتہ دریں کار هست نادانی

فصل گیارہویں

راقم ”مؤید برهان“ صفحہ ۷۶ میں لفظ ہاجاہ کو اسی معنی پر کہ دکنی نے ٹھہرائے ہیں ، از روئے فرط رغبت مزالے لے کر استعمال کرتا ہے اور سوچتا نہیں کہ کیا بک رہا ہوں کہ ”ہاخانہ ہے معنی نیست و ہاخانہ و ہاجاہ ہر دو بہ یک معنی نیست۔“ ہم کہتے ہیں کہ دونوں متحد المعنی ہیں ، وہ ہاؤں کا گھر یہ ہاؤں کی جگہ ۔ قدم چائے و قدم خانہ ، دونوں ان دونوں کے مرادف ، مسلمی ایک اور اسم چار ۔ بھلا ہاجاہ میں مولوی جی ہائے نسبت لا کر اسم مستراح قرار دیتے ہیں ؛ خانہ میں تو ہائے مخفی اصل ہے ۔ خیر خانہ کا لفظ معنی پورے کر دے گا ، مگر یہ خیال رہے کہ ہاجاہ میں ہائے ہوز نسبتی نہیں ، ہائے زائدہ ہے ، جیسے بوس و بوسہ ، آتش گیر و آتش گیرہ ، بلکہ عربی لغات میں بھی جیسے موج و موجسہ یا جیسے سبز کے آگے ہائے ہوز اڑھا کر سبزہ ایک اسم قرار دیا ہے ۔ اسی طرح ہاجاہ کے آگے ہائے ہوز لا کر اسم بنا دیا ۔ دراصل نہ ہاخانہ ہاؤں کا گھر ، نہ ہائے جا ہاؤں کی جگہ ؛ ہای اور ہا زبان فارسی میں ادون اور ارزل چیز کو کہتے ہیں جیسے کٹاس کو پاکار ۔ چون کہ یہ گھر اور جگہ ذلیل ہے اس کو ہاخانہ اور ہاجاہ کہا ۔ براز کو ہاجاہ اگر مجازاً بطریق تسمیۃ الحال بالمحل یا تسمیۃ الطرف بالمظروف کہو تو مضائقہ نہیں ۔ دیکھو اردو میں بھی تو یہی روزمرہ ہے کہ آج ہم کو ہاخانہ کھل کر نہیں آیا ، آج ہم کو خلاف معمول ہاخانہ دو تین بار آیا ۔ براز دلچ نہ ہونے کو ہاخانہ کا نہ

آنا کہتے ہیں، اسی طرح فارسی میں براز کو اگر ہاجاہ کہو تو کہو۔

فصل بارہویں

مدرس کا یہ قاعدہ کہ سوال کا جواب نہ دیں اور خارج از بحث دفتر لکھے جائیں، ایسا استوار ہے کہ کبھی چوکتے نہیں۔ چنانچہ صفحہ ۱۶۸ اور صفحہ ۱۶۹ میں ہاڑاج کی بحث میں حضرت نے کیسے کیسے کنوے جھانکے ہیں۔ زاج کو جیم سے بھی جائز رکھتے ہیں۔ میں کہتا ہوں کبھی نہیں ہوسکتا، زچہ جیم سے نقطہ، زاج جیم سے نقطہ ہے۔ جو اس کو جیم ابجد سے کہے، وہ غلط گو اور اس کا قول مردود۔ پھر اسی صفحے میں زحل کے پاسبان طارم نہم کے ہونے کے باب میں دو ایک سرد گویوں کے کلام لکھ کر آپ ہی آپ اپنی خاطر جمع کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ ”بہر حال در ہر سے لفظ یعنی ہاجاہ، ہاڑاج، پاسبان طارم نہم ’برہان‘ را ماخذے پیدا هست“ پھر دوسرے صفحے، میں یعنی ۱۸۰ میں ہادیہ کو دال سے اور ذال سے اور زے سے، تینوں حرفوں کے ساتھ روا رکھتے ہیں۔ بڑی بات ہے کہ ارتکک کی طرح آدھے حروف تہجی اس لغت میں درج نہیں کیے اہل زبان اسدی و فردوسی سے لے کر حزین و قانی تک سب کا کلام سند کامل اور مکمل ہے و تبدیل حرف بہ حرف و تبدیل اسکن و حرکت و تحفیف و زیادت کے بھی جو قاعدے مقرر ہو گئے ہیں، وہ بھی ہر ایک قاعدہ مضبوط ہے۔ میان الخب و غیرہ تصحیفات میں ہال بال گرفتار ہیں اور ہر ایک کا اپنے اپنے قیاس پر مدار ہے۔ کوئی احمق

ہی ہوگا کہ مجموعہ قیاس ہائے بے شمار کو حق جانے کا ۔
 ”ابطال ضرورت“ میں عفو کو ہر وزن رفو لکھا ہے اور یہ
 مصرع شیخ سعدی سند لایا ہے ۔

عفو کردم از وے عمل ہائے زشت

میں جانتا ہوں اس تصرف کو اور مانتا ہوں ، مگر سر
 پشتا ہوں کہ یہ مصرع یوں ہے ۔

ز وے عفو کردم عمل ہائے زشت

باقی اور قصائد میں اور مشابہوں میں قلم کی عفو ہر وزن رفو
 آیا ہے ۔ سکون و حرکت و تخفیف و زیادتی کا باہم دگر
 بدل جانا محض برائے ضرورت وزن شعر ہے ، نثر میں اس طرح
 لکھنا اور اس کو بجائے خود ایک لغت مستقل جاننا حماقت
 ہے اور یہ سب سے زیادہ جامع ”برہان قاطع“ کا ڈھنگ ہے ۔
 پھر مولوی ۴۹۴ صفحے میں لکھتا ہے کہ ”رفتن بکسرتین
 ہے ، میں پوچھتا ہوں کہ کیا رفتن بھی بکسرۃ اول ہے جو
 فردوسی شاہ نامے میں لکھتا ہے ۔

سرو دل ہر از کینہ کرد و برفت

تو گوئی کہ عہد فریدوں گرفت

خاقانی تحفة العراقرین میں یہ مقام نعت لکھتا ہے :

مہ پیش تو رہ پیادہ رفتہ خور غشاشیہ تو برگرفتہ

اور جواز اختلاف حرکت ما قبل روی سے قلم کے دیوان
 بھرے ہوئے ہیں ، خصوصاً قصہ دیس ورامیں میں فخر گو گئی نے
 قید حرکات ثلثہ اٹھا دی ہے ، گشتہ و کشتہ قافیہ ؛ وہ مشنوی
 منطبع ہو گئی ہے ، جو چاہے دیکھ لے ۔

انہیں صفحوں میں مولوی مجھے لکھتا ہے کہ ”غالب سگ کیست“، میں کہتا ہوں کہ غالب آستان شیر خدا کا کتا ہے، علیہ التحیہ و التنا۔ اسی مقام پر یہ شعر لکھا ہے :

سگ کیست روبہا نا زورمند
کہ شیر زبان را رساند گزند

شیر اسد کا ترجمہ ہے اور میرا نام اسد ہے، پس میرا مقابل روبہا ہے اور چون کہ میرا مقابل مولوی ہے تو وہ بہ خوبی لومڑی ٹھہرا ! البتہ مجھ کو کیا گزند پہنچائے گا ؟ صاحبو ! انصاف چاہتا ہوں، مولوی احق ہے یا نہیں ؟ اگر عقل رکھتا ہوتا تو اسد کی مقابلے میں یہ شعر نہ لکھتا ۔ صفحہ ۱۸۱ میں پالوانہ اور پالوایہ کے باب میں بہت کچھ بکھے، مگر وہ جو دکنی نے لکھا ہے کہ پالوایہ ہر وزن ”چارخایہ“ پرستوک باشد اور فقیر غالب نے اس کے جواب میں لکھا ہے کہ مگر چارپایہ ہم وزن ثنوائست شد کہ ”چارخایہ“ آورد اس کا کیا جواب ؟ اگر مولوی جی منصف ہوتے تو یہاں اتنا لکھ دیتے کہ صاحب ”برہان“ کا حق ہے ۔

فصل تیرہویں

مولوی جہانگیرنگری نے صفحہ ۱۷۲ اور صفحہ ۱۷۳ میں برابر ہادیاب کے لغت کے بیان میں کیا گل کترے ہیں کہ دیکھنے سے تعلق رکھتے ہیں ۔ پہلے تو مجھ سے جھگڑتا ہے کہ تو نے موافق ترتیب جامع ”برہان“ الفاظ کیوں نہ لکھے ؟ یا رب یہ کیا واہی مواخذہ ہے ؟ مجھے اس کے طرز تتبع سے کیا کام ؟ افسوس کہ مولوی بسالغ نظر اور دقیقہ رس نہیں ہے ۔ اپنی بد مستی اور ہرزہ سرائی میں یہ نہ دیکھا کہ ابتدا ہی

ہے میں نے ہر لغت کے پہلے صرف ایک حرف کی رعایت منظور رکھی ہے۔ کہیں برابر ”برہان قاطع“ کو دیکھتا گیا ہوں، اس صورت میں مطابق ’برہان قاطع‘ کے تقدیم و تاخیر چلی آتی ہے۔ کتاب الٹائی بے نشان رکھی رکھ دی، پھر جب دیکھنے کو کھولی، پہلے حرف کو دیکھ لیا اور لکھنا شروع کیا۔

قصہ مختصر مولوی جی اڑ گئے۔ ہر چند اڑ مارو نہیں چلتے اور مٹے اس بات پر ہیں کہ ’ہاد‘ بدال غلط ہے، یہ واو ہے جو تالیف راوکا ہے۔ نہ مجرد اسی لفظ میں بلکہ ہاد زہر کو بھی بواؤ بتاتے ہیں۔

غالب کہتا ہے ہاد بڑا پرانا لغت بمعنی بزرگ کے ہے اور اس سے مرکب ہے ہادشاہ یعنی سلطان عظیم؛ بادشاہ موحہ۔ غلط ہے، چون کہ ہندوستان میں ہاد گوز کو کہتے ہیں اس لیے بافارسی کی جگہ موحہ لگا دی ہے۔ ہادیاب لفظ است جداگانہ بمعنی شستن برسم اور کستی دھونے کو ہادیاب کہتے ہیں۔ یہاں یہ بھی معلوم کیا چاہیے کہ برسم کو مسواک از روی مجاز کہتے ہیں ورنہ وہ دانتوں نہیں جو دانت مانجھنے کا آلہ ہو، روئیدگی خاص کی نرم نرم شاخیں ہیں کہ ژند پڑھتے وقت ہاتھ میں رکھتے ہیں اور کستی بھی مثل زناں کند ہے ہر نہیں ڈالتے۔ کمر میں باندھتے ہیں۔ جہاں اس ملک کے ہنود تاکڑی باندھتے ہیں۔ قصہ مختصر نہ ہادیاب بواؤ ہے نہ ہاد زہر۔ ہاد مخلف ہادیاب بہ معنی شستن۔ ہاد زہر یعنی شوئیدہ زہر۔ یہ استعارہ ہے ازالۃ سمیت کا اور یہ جو مولوی جی ہاؤ بروزن گاد کو بمعنی رِجل بہ استناد ”خالق ہاری“ جائز دیکھتے ہیں، اس قدر نہیں سمجھتے کہ کچھ کم سات سو برس

ہوئے امیر خسرو علیہ الرحمۃ کو، اس عہد میں یوں کہتے ہوں گے اور میں نے 'خالق باری' کو منسوب بہ امیر خسرو اپنی طرف سے نہیں لکھا، قول بعض کا لکھا ہے۔ بہر حال شاہ جہاں کے عہد میں کہ قطب شاہ بھی اس کا معاصر تھا دلی میں اور دکن میں کبھی ہانو کو بے نوں نہ کہتے ہوں گے۔ یہ ایک حماقت ہے، دکنی کی جیسا گلہری ہم وزن اکہری کو بوزن ابتری لکھا ہے اور پھر بجائے کاف فارسی کاف عربی۔ چانول اور چاول کی نظیر غلط؛ ہندی لفظ ہے، ثقات اور شرفا مع النون بولتے ہیں، بنیے بقال بے نوں بولتے ہیں۔

خدا کا شکر بجا لاتا ہوں کہ انہیں صفحوں میں مولوی نے پریشد بہ ہای فارسی کو لغو و ہوج جانا اور دکنی کا عیب ان کو سوجھا۔ الہی اس فقرے کے معنی کس سے ہو چھوں۔ ”ہانو بوزن گانو را پاؤ بوزن گاو گفتن از آنست کہ در زبان فارسی هیچ لفظے بوزن گانو نیامدہ۔“ یہ تو سب جانتے ہیں، اس میں کلام نہیں۔ میں یہ کہتا ہوں گانو کے ہم وزن پیدا نہ ہونے سے ہانو کا پاؤ ہو جانا کیوں کر لازم آتا ہے؟ فارسی میں رجل کو ’ہائے‘ کہتے ہیں اور در صورت تحفیف تختانی کو حذف کر کے پا کہتے ہیں، اہل ایران کی جوٹ کو کیا غرض پڑی ہے کہ ہانو کو پاؤ کہیں؟ اہل ایران پر تہمت لگانی، جھوٹ بولنا، لغو بولنا اور دکنی کی خطا۔ ثانی، اگرچہ خود مصدر خطا ہو جائیں، یہ تحریر تو ریش خند اور تمسخر و استہزا ہے۔ کالج کے طالب علموں کے سوا کہ وہ حضرت کے مطیع اور محکوم ہیں، ہندی و ولایتی سب اس پر ہنسیں گے۔

فصل چودھویں

بعد اس مسخر کے صفحہ ۱۷۳ سے لے کر صفحہ ۱۸۳ تک جو کچھ میاں جی نے لکھا ہے، خود بھی نہ سمجھے ہوں گے کہ میں کیا لکھ رہا ہوں۔ ان فقروں کا اعادہ اپنے کو بہ تکلف پاگل بناتا ہے؛ دال ٹنڈ کے نہ ہونے سے دال ایجد و تائے قرشت و فائے سعفس و ٹائے مثکہ، ان الفاظ سے ایک لفظ کا گر جانا مولوی کیوں چاہتا ہے؟ میں نے اتحاد مخرج موافق تلفظ کہا ہے، نہ موافق قرأت کہ وہ خاص کلام مجید کی تلاوت کے واسطے موضوع ہے۔ پھر اس جھوٹ کو دیکھیے: کہتا ہے کہ غالب آدم کو اور گنبد اور کاغذ کو بھی زائے ہوز سے بتائے گا۔ آدم کو تو میں نے ہزار جگہ آدم بہ دال بے نقطہ آدم بذال ایجد لکھا ہے اور مولوی۔۔۔ بھی جا بہ جا دیکھا ہے۔ پس یہ تو تہمت مجھ پر ہے اور گنبد کو گنبد بذال نقطہ دار ہم نے لڑکوں کے اور فرومایہ لوگوں کے سوا کسی سے سنا بھی نہیں، جو اس کے املا میں دخل دیں۔

ہاں، کاغذ دراصل دال ایجد سے ہے، مگر خاص و عام کے تلفظ میں اور کتاب میں عموماً دال ٹنڈ سے ہے اور اس کتابت اور تلفظ کی وہ تعمیم ہے کہ اگر کوئی خلاف اس کے لکھے یا بولے تو دیکھنے اور سننے والے اس کو مسخرہ بتائیں۔ اس تلفظ اور اس املا کے احاطے سے نکلا نہیں جاتا۔

مولوی جی کو چاہیے تھا، پہلے زبان فارسی میں دال بے نقطہ کا نہ ہونا ثابت کرتے، تب فرماتے کہ غالب کاغذ کو زائے ہوز سے لکھے گا۔ نہ صاحب! میں دال سے لکھوں گا اور اس پر نقطہ دوں گا اور تلفظ میں دال نقطہ دار لاؤں گا۔

خلاصہ میری تحقیق کا یہ ہے کہ ہزیرتن، گزاشتن، گزشتن، گزاردن اور ان کے مجموع مشتقات اور اسلمے مشہور و اہام مثل آزر، اسفند، رمز وغیرہ سب رائے ہوز سے ہیں اور تدر و اور کاغذ اور گنبد یہ تین لغت بھی ہدال ابجد ہیں اور یہ فارسی قدیم کے موافق ہے۔ گنبد کی دال پر نہ اسلاف نقطہ دیتے تھے، نہ اخلاف دیتے ہیں۔ تدر و کی دال پر نقطہ دینے والے لغو اور ہوج اور بے خبر ہیں۔ کاغذ کا نقطہ دینا اور پڑھنا ناچار قبول کرنا پڑا، سرک انبوه دو جشن سمجھنا پڑا۔

فصل پندرھویں

مولوی صاحب صفحہ ۱۸۶ میں لفظ ہندہ کو ازروے ترجمہ دستاویز و بیان ملا فیروز بہ ہائے فارسی لکھتے ہیں۔ شاید ہائے فارسی ہو، مگر قید کسرہ کہاں ہے؟ نہ ترجمہ اور دستاویز میں کسرہ، نہ بیان ملا فیروز میں کسرہ۔ اگر دکنی اور آرزو نے بقید کسرہ لکھا تو ان دونوں کا قول اس امر خاص میں، میں ہرگز نہ مانوں گا۔ ہولہ بروزن لولہ، 'برہان' میں جس طرح دیکھا، اسی طرح نقل کیا۔ اب مولوی جی بخلاف دکنی ہولا بالف لکھتے ہیں اور بمعنی نرم و میان تہی بتاتے ہیں۔ کالی میں نرم کا لفظ ایسا اٹھا ہے کہ نے اور قاف میں اشتباہ پڑتا ہے نرم یا قرم ہے اور لغات ہندی میں بتلاتے ہیں۔ برہان قاطع والے کا طور یہی ہے کہ لغات ہندی درج کرتا جاتا ہے۔ مگو یہ حضرت کا فقرہ کہ "بمعنی نرم و میان تہی بہ نظر آمد،" نہ نرم بخصوصیت میوہ،" یہ فقرہ یہاں تک تو مکذب قول دکنی ہے کہ بمعنی خر بڑہ مضمحل نوشت۔ پس یہ تو سراسر میری خوشی ہے۔ خدا مولوی صاحب

کی اس توفیق کو زیادہ کرے۔ پس اب میں عاجز آگیا، کہاں تک لغت بعد لغت دیکھے جاؤں، غرافات، واہیات، جھوٹ، لغو، سہل؛ اب ورق ورق اور صفحہ صفحہ کہاں تک دیکھوں گا؟ دیکھوں گا تو سہی، مگر چھوڑنا جاؤں گا۔ جستہ جستہ جواب لکھوں گا۔ آخر مجھ کو آغا محمد حسین کی خدمت میں بھی حاضر ہونا ہے اور وہ لغات لکھنے میں جو پنج آہنگ کے بعد درفش کاویانی میں مندرج ہوئے ہیں۔ فصل کا اشارہ بنا رہے گا اور ہر لغت کا جواب الجواب نہ لکھوں گا۔

فصل سولہویں

اس فصل میں جی یہ چاہتا ہے کہ مولوی صاحب سے کچھ باتیں کر لوں، پھر فصول آئندہ میں ”برہان قاطع“ کی دھجیاں اڑاؤں گا۔ مولوی جی! تم نے اپنی کتاب کا نام ”موید برہان“ کیوں رکھا؟ تم ہر تقدم زمانیٰ ہے جامع ”عرق برہان“ کو، تم اس کے موید و حامی ہوئے۔ پس تمہاری کتاب کا نام ”موید عرق برہان“ مناسب تھا، اس راہ سے کہ تم بھی ”برہان قاطع“ کی خطائیں مٹاؤ گے تو کیا چھپانے جانے ہو؟ میں تم کو صاحب ”عرق“ کا مقلد کہہ سکتا ہوں۔ اس شخص کو مجھ سے ”جامع برہان“ کی محبت کے سبب عداوت شدید ہو گئی تھی! کیا عجب ہے کہ اس نے واسطہ در واسطہ تم کو ڈھونڈ نکالا ہو اور عرائض عجز آمیز خشم انگیز متواتر لکھ کر اپنے آپ پر برسر ہر اور مجھ پر برسر نہر لایا ہو۔ وہ تھا کوڑیالا یعنی مال دار بھلا اگر دست مزد تقریر نہیں نہ سہی، صرف مطبع و کاغذ اپنے بیت المال خاص سے بھجوا دیا ہوگا۔ غیر اب منشی جی کے واسطے دعائے تخفیف عذاب اور ہمارے

واسطے دعائے سلامت ذات اور توفیق انصاف مانگتا ہوں !
 تم محمد حسین کے تبریزی مولد ہونے پر اصرار کیوں کرتے
 ہو ؟ ظہوری کو نظیر گزراتے ہو اور یہ نہیں جانتے ہو کہ
 ظہوری کا مولد ترشیز تھا ، اس کو تم نے تبریزی مولد
 کیوں کر جانا ؟ دلیل اس کے تبریزی ہونے پر وہ ہندی گزراتی
 کہ یہ نسبت اس کے مکڑی کے جالے کو مضبوط کہنا روا ہے ۔
 فرماتے ہو کہ لغات ہندی اچھی طرح نہ بولتا اس کے
 ولایت زا ہونے کی دلیل ہے ۔ غور تو کرو بولتے اس کو
 کس نے سنا ہے ؟ آپ نے بھی تحریر دیکھی ، فقیر نے بھی ۔
 جوعلیٰ و شعراء ایران سے آئے ، لہجہ ان کا ہندی نہیں
 ہو ۔ املا اہل ہند کے املا کے موافق رہا ، مثلاً تھوڑا
 گھواڑا جان جائیں گے کثرت سہاعت سے کہ یہ دونوں ترکیبیں ہندی
 ہیں ، مگر تلفظ میں ’تورا‘ اور ’کورا‘ کہیں گے ، جو کھنڈی
 شعر میں اسی صورت سے لکھیں گے مگر بولیں گے جو کندی
 حضرت ظہوری کے مدوح کا ایک طنبورہ تھا بہت بڑا ،
 ہاتھی پر چلتا تھا اور نام اس کا موئے خان تھا بواو مجہول
 و تائے ثقیلہ ہندی ؛ مولانا ظہوری اس طرح جانتے ہوں گے
 مگر تلفظ میں یہ تاء قرشت استعمال کرتے ہوں گے ۔

فصل ستر ہویں

اور یہ فصل اخیر ہے ۔ ہم ایک ہی فصل میں وہ لغات
 لکھیں گے اور وہ قباحتیں ’برہان قاطع‘ کی تالیف کے ذکر کریں
 گے ، جو بعد اتمام ’پنج آہنگ‘ ہم پہنچی ہیں اور صرف ’درفش
 کاویانی‘ میں لکھے گئے ہیں ۔ ہر لغت کی ابتدا میں فصل نہ
 لکھیں گے تاکہ عبارت یک دست لکھی جائے اور نگارش جلد
 اختتام پائے ۔

’برہان قاطع‘ والا بیان ہاے خالص نقد میں لکھتا ہے۔
 ”خانہ سیل ریز کتایہ از شراب انکوری باشد۔“ میں کہتا
 کہ ”سیل ریز“ گھر کی صفت کیوں کر ہو سکے؟ سیل سے
 گرا چاہے نہ گرے؟ ہم نے درفش کاویانی ۱۶۴ صفحہ میں
 اس کا جواب لکھا ہے۔

راے قرشت کی ذیل میں دکنی لکھتا ہے کہ ”رم بہ معنی
 رمیدن و نفرت باشد و بہ معنی رمہ و گتہ گو سیند و اسپ وغیرہ
 باشد و ہراجتاع و جمیعت مردم ہم اطلاق کردہ اند و گوشت
 اندرون و بیرون دھان را نیز گویند و نام دشتی و صحراے
 ہم است، و در عربی بہ تشدید ثانی بہ معنی گریختی و گریز و
 چیزے خوردن و بہ صلاح آوردن چیزے باشد و بہ ضم اول
 موے زہار باشد۔“

فقیر نے درفش کاویانی کے صفحہ ۵۷ پر اس کی
 حقیقت لکھی ہے، اب مولوی صاحب سے عرض کرتا ہوں
 کہ بندہ پرور! رم اس ہے رمیدن کا اور بہ معنی مصدر بھی
 مثل سوز و گداز مستعمل، مخفف رمہ بھی مانا، جمیعت مردم
 پر اطلاق نہ کیا جائے گا اور گوشت اندرون و بیرون دھان
 کو نہ کہیں گے، گوشت بیرون دھان رخسار اور گوشت
 اندرون دھان لٹہ و کام و زبان ہے۔ نام دشت و صحرا ہم
 نے نہیں سنا، ناقل کو لازم تھا کہ دشت کا پتا بتاتا؟ پھر عربی
 میں یہ معنی فرار بتاتا ہے گویا توافقی بین اللسانین کا مدعی ہے
 اور یہ غلط ہے۔ چیز خوردن کو عربی میں رم کہاں کہتے ہیں؟
 ہاں ترمیم و مرمت کے معنی پر لکھ سکتے ہیں؛ خبر اس
 کو بہ صلاح آوردن چیزے کہو اور عربی بضم موے زہار۔

واہ خواجہ محمد حسین دکنی جامع ”رہان قاطع“، کہاں
عربی، کہاں روم، کہاں سوی زہار ۱ ہاں روم بہ رائے
مضوم و واو مجہول فارسی میں سوی زہار کو اور ہندی
میں مسام کو کہتے ہیں۔

شین کے بیان میں لکھتا ہے کہ شش ضرب نتیجہ
خوب باشد و کناہ از گوہر و زر باشد و کناہ از مشک
و غسل و اقسام میوہ ہا ہم ہست۔

جو فقیر نے اس کا جواب لکھا ہے، وہ درفش کاویانی کے
۸۴ صفحے میں مرقوم ہے، مولوی صاحب اگر چاہیں تو
ملاحظہ فرما لیں۔ یہاں اسی قدر لکھتا ہوں کہ اقسام
میوہ ہا کہاں کی ترکیب ہے؟ اقسام میوہ کافی و وانی ہے
اور شش ضرب نتیجہ خوب کا مسماں ہم کس کو سمجھیں
اور اس لغت کو کس عبارت میں صرف کریں؟ اسی شین
کے بیان میں بیان رقم کرتا ہے کہ ”شرک بہ فتح اول
بر وزن ملک۔“ میں مولوی جی سے پوچھتا ہوں کہ ملک
بہ فتح اول کیوں کر ہوا؟ اس کے تو دو حرف مفتوح ہیں،
پھر بہ معنی اس کے کہتا ہے ”شراء“ اور عربی اس کی حصہ۔
پھر لکھتا ہے کہ عربی میں ریسان لڑہ در گرہ کو کہتے ہیں،
جس کی فارسی بلفشنہ ہے اور بلفشنہ کے اعراب نہیں لگتا۔
پھر راہ بزرگ و سع کا بھی یہی نام بتاتا ہے۔ پھر وسط
حقیقی راہ کو بھی لکھتا ہے، پھر فتح اول و سکون ثانی سے
پارچہ و جامہ، جس میں دوا باندھیں، اس کا نام بتاتا ہے۔ پھر
کسرۂ اول و سکون ثانی سے بہ معنی جدری لکھتا ہے،
گویا حقیقت میں یہ بیان ریسان کمرہ در گرہ ہے جس کو ہندی

میں گورکھ دھندا کہتے ہیں۔ بعد لکھنے درفش کاویانی کے مشاہدہ کتب لغت عربی سے ثابت ہوا کہ شرک راہ وسیع کو کہتے ہیں مگر رہبان گرہ در گرہ جس کی فارسی پلغشہ ہے یہ اعراب مجہول لکھا ہے ، عربی لغات میں کہیں بتا نہ لگا اور یہ ہوجھنا رہا کہ حصہ و جدری کا تفرقہ کیا اور شرا کاشین حرکات ثلثہ میں سے کون سی حرکت کے ساتھ ہے ؟ اگر کہا جائے کہ شرا بضمہ ہے تو یہ جو موحده اور تائے مشدد مکسور سے ہے ، عربی میں اس کو کہتے ہیں ، فارسی نہیں ہے اور شاید یہ اتفاق لسانی ہو ۔ پھر دوا کے کپڑے باندھنے کی قید سے کس زبان کا لغت ہے ، دوائے خشک رومال میں ، دوپٹے میں باندھنے ہیں اس کپڑے کا اسم خاص نہ کہیں سنا ، نہ دیکھا ۔

کاف عربی میں کانہار و کنہار لکھتا ہے ، پھر کاف فارسی میں بھی انہیں معنوں میں لکھتا ہے ۔ میں کہتا ہوں کہ کاف عربی سے اگر لکھو گے تو گھاس کے ڈھیر کے معنی پیدا ہوں گے ، کانہار بہ کاف تازی غلط اور بہ کاف فارسی صحیح ۔ اسی طرح گرا اسم حجام کو کاف عربی سے بتانا ہے ۔ میں کہتا ہوں کہ گرا بکاف پارسی و رائے مشدد ہے ۔ پھر گرازاں کو جو بکاف فارسی مضموم ہے بکاف عربی مکسور ہر وزن صفاہاں لکھتا ہے ۔ ہنسی آتی ہے کہ یہ لکھ کر لکھتا ہے کہ ”در جہانگیری بکاف پارسی مضموم آمدہ است ۔“ واہ جی واہ ! اپنے مطاع کے خلاف ان خرافات کا جواب فقیر نے ’درفش کاویانی‘ ۱۰۰ صفحے میں جدا جدا لکھا ہے ،

پھر یہی لکھا ہے کہ ”کروہ بضم اول و ثانی ہواو
 مجہول رسیدہ و بہ یازدہ ثلث و سہ یک فرسخ را کوہند و آن نہ
 ہزار گز است و آن را بہ عربی کراخ خوانند۔“ آب اس
 مقام میں مولوی احمد علی سے فقیر کا سوال ہے کہ لغت میں
 اور کتب طبی میں ہاجہ گاؤ کو سفند کو کراخ بروزن
 صراح کہتے ہیں ، جمع اس کی اکارع ، آپ کیا فرماتے ہیں ؟
 یقین ہے کہ یہاں بھی مولوی جی دکنی کے قول کی
 تصدیق کریں ، کتب لغت و کتب طب میں نہ پایا جائے
 نہ سہی ، لغات والے بے خبر ، اطبا احق ؛ شاید جس تبریز
 جامع ”برہان“ پیدا ہوا ہے ، اس تبریز میں یوں ہی کہتے
 میں ہوں گے۔

پھر انہیں دونوں کافوں کے بیان میں دکنی صاحب
 کہتے ہیں کہ بکاف عربی مع الراء کرگدن ایک جانور کا اسم ہے
 کہ ناگ پر ایک سینک رکھتا ہے ، پھر ایک بردار جانور کا
 نام بتاتے ہیں کہ دو برس کے ہاتھی کے بچے کو چنگل میں
 اڑالے جاتا ہے۔ پھر ایک داہے بزرگ کو فرماتے ہیں کہ جوان
 ہاتھی کو شکار کرے اور پیٹھ پر اٹھائے اور اپنے بھوں
 کی طرف لے جائے۔ پھر دونوں کاف عربی پہلا مضموم دوسرا
 مفتوح ظاہرا ہر وزن کل بدن بھی قرار دیتے ہیں۔

اس مقام میں دکنی کے تین حلق ہیں : ایک تو کرگدن
 کے پہلے کاف کو عربی جانتا ، دوسرے ایک پرندہ بھی اسی اسم
 اور انہیں صفات کا پکڑ لانا ، تیسرا حلق کرگدن کو بہ کاف
 نخستین مضموم بھی جانتا ہے۔ بات یہ ہے کہ اگر دکنی آدمی
 کا بھہ ہوتا تو صفات کرگدن تمام لکھ کر یہ کہتا کہ

یوں مشہور ہے کہ ایک طائر بھی ایسا ہوتا ہے کہ غائبی کو پنجوں میں اٹھا لے جاتا ہے اور اس کو سیرخ کہتے ہیں۔

مولوی احمد علی صاحب تم صورت پرست ہو اور فرہنگ نگاروں کی تراردی ہوئی صور الفاظ کو مانتے ہو۔ اب یہاں ایک صورت کے باب میں کہ ہر صورت کے معنی میں کچھ کچھ تفاوت بھی ہے، کیا ارشاد کرتے ہو؟ مولوی اور کیا ارشاد کرے گا؟ چونکہ مخالفت قول دکن کو کفر جانتا ہے، میری تکفیر کرے گا اور کافر کہے گا۔ پھر کہ بھائی! جہان اور برے برے خطاب دے ہیں، کافر بھی کہہ لے، میں تو اس حالت میں بھی مولوی کو مسلمان کہے جاؤں گا یہ قول استاد:

تا ہر دو دروغ گفتہ باشم

سبحان اللہ! لفظ آفرین! دکنی لغات متفرقہ میں لکھتا ہے کہ ”د چار بضم دال ابجد و میم و جیم فارسی ہا الف کشیدہ و بہ رائے قرشت زدہ رسیدن و ملاقات کردن، دو کس باشد بہ یک ناکہ۔“ فقیر یہ فقرہ بے کمی و بیشی و تبدیل حرف ’برہان قاطع‘ سے نقل کر کے مولوی صاحب سے پوچھتا ہے کہ ”دو چار ہونا“ بہ معنی مقابل ہونے کے جب درست ہونا ہے کہ دال کے آگے واو بھی ہووے تاکہ تشبیہ پیدا ہو اور دو آنکھوں کا چار ہونا ثابت ہو جاوے، یعنی اظہار علامت تشبیہ بھی جائز ہے! جواب اس کا ”درفش کلویانی“ کے ۱۳۰ صفحے میں میں نے لکھا ہے، یہاں صرف ہرشن پر قناعت کی۔ اگرچہ ابھی ہرشن بہت باقی ہیں لیکن بڑھاپا اور امراض

اور ضعف مفرط نہیں لکھنے دیتا ، صبح سے شام تک ہلنگ پر پڑا رہتا ہوں ، لیٹے لیٹے مسودہ کیا اور احباب کو دے دیا ، انہوں نے صاف کر لیا ۔

اب میری تحریر تو تمام ہوئی ۔ احباب صاف کر لیں تو مطبع میں حوالے کروں اور بعد انطباع جیسا کہ دیاجیے میں وعدہ کر آیا ہوں ، عمل میں لاؤں ۔ یہ جو کچھ بہ سبیل سوالات لکھا ہے ، مولوی صاحب سے اس کا جواب جدا جدا مانگتا ہوں اور یہ کہتا ہوں کہ سنو صاحب نفسانیت کا برا ہو ، اکابر امت میں باہم کیا کیا ناخوش و ناشائستہ کلام درمیان آئے ہیں ، حکیم شفاؒی صفاہانی نے مولانا عرفی شیرازی کی کیا کیا مذمتیں کی ہیں ، ایک تصدیق میں اس مرحوم کو مخاطب کر کے فرماتے ہیں :

ہزار قطعہ نم کردہ در بغل رقی
ز ناکسان جہان تا بمیرزا خانی

اور بتین ہے کہ عرفی و شفاؒی کے زمانے میں اس قدر تقدیم و تاخیر ہو جتنی صاحب 'برہان' و غالب کے عہد میں تھی۔ علمائے ماورائے نہر اور علمائے مشہد میں ایسے مکاتبات کی آمد و رفت درمیان رہی ہے کہ فریقین کی توہین و نفرتیں سے مملو ہے ، بلکہ خود شاہ ایران و سلاطین روم کے درمیان وہ نامے جاری ہوئے ہیں ، جن میں سراسر مغلط گالیاں مرقوم ہیں ۔ غرض اس اظہار سے ہے کہ جہاں علمائے اہل اسلام و سلاطین اہل اسلام کی وہ باہم ناسزا تحریریں صفحہ روزگار پر یادگار رہیں گی ، وہاں ہمہاری ہماری بھی بد کہاوتیں صفحہ

دھر پر محمودار رہیں گی۔ نہیں نہیں صرف اللہ کا نام رہ جائے گا اور کچھ نہیں۔

و بقیہ وجہ ربک ذی الجلال و الاکرام۔

تمت بالخیر

اللہ اکبر

صاحبان قوت ناطقہ و قوت عاقلہ سے کہ مقربان بارگاہ مہد، فیاض ہیں، غالب کی یہ استدعا ہے کہ جب یہ تحریر کہ گویا استفتا ہے، نظر سے گزرے تو احداً اللغزین میں سے جو لغت صحیح ہو اس کی صحت اور لغت غلط کی غلطی لکھ کر خاتمہ عبارت پر اپنا نام لکھ دیں مثلاً جہاں میں نے لکھا ہے کہ ”چشم عیب ہیں۔“ صحیح ہے یا ”چشم عیب ساز“، اس کے جواب میں رقم فرمائیں کہ ”چشم عیب ہیں“ صحیح ہے اور ”چشم عیب ساز“ غلط ہے۔ یہ عبارت چھاپی جائے گی، اس واسطے ضروری ہے کہ فتوے میں توضیح ہو، فقط۔

پہلا سوال : لغت فارسی کی حقیقت اور حروف کی حرکت میں فردوسی و خاقانی سچے ہیں یا ہندوستانی فرہنگ لکھنے والے ؟ (مصنف)۔

جواب : فردوسی و خاقانی سچے ہیں، ہندوستانی ان کے مطابق لکھیں تو سچے، ان کے برخلاف لکھیں تو جھوٹے
بہد المدعوبہ مصطفیٰ۔

دوسرا سوال : پیدائی و زیبائی صحیح اور پیدائش و زیبائش غلط یا یہ چاروں لفظ صحیح ؟ (مصنف)۔

جواب : چاروں صحیح ، ۱۲ ، محمد المدعو بہ مصطفیٰ ۔
 تیسرا سوال : رائد و ماند بر وزن چاند صحیح ، بر
 وزن رُند و مُند لہجہ ہے ، اصل میں بوزن تُند و کُند نہیں ۔
 (مصنف)

جواب : رائد و ماند بروزن چاند صحیح ، بر وزن
 رُند و کُند لہجہ ہے محمد المدعو بہ مصطفیٰ اصل میں
 بوزن تُند و کُند ۱۲ ۔

سوال چوتھا : چشم کی صفت ”عیب ہیں“ صحیح یا
 ”عیب ساز“ ؟ (مصنف)

جواب : عیب ساز غلط محض اور جو آنکھ کو عیب ساز
 کہے وہ احمق بلکہ اندھا ۔ محمد المدعو بہ مصطفیٰ ۔

پانچواں سوال : فرہنگ نویس حال کی رائے اگر
 فرہنگ نویس ماضی کی رائے سے مطابق ہو ، خواہی بحسب
 اتفاق ، خواہی از روئے مشاہدہ یہ سرقہ ہے یا تطابق
 رائے (مصنف) ؟

جواب : یہ تطابق رائے ہے ، سرقے سے کیا علاقہ ؟
 ۱۲ محمد المدعو بہ مصطفیٰ ۔

چھٹا سوال : شش ضرب نتیجہ خوب شکر و غسل و
 گوہر و زر و مشک و اقسام میوہ کو کہہ سکتے ہیں یا
 نہیں ؟ (مصنف)

جواب : معاذ اللہ لا حول ولا قوۃ الا باللہ ا کون
 کہہ سکتا ہے مگر کوئی دیوانہ کہے یعنی ان چھ چیزوں کو

”شش ضرب نتیجہ خوب“ نہ لکھیں گے ، مگر اور کوئی چھ باتوں کو لکھیں تو لکھیں ، ۱۲ ، محمد المدعو بہ مصطفیٰ ۔

ساتواں سوال : یہ مصرع وزن شعر میں درست ہے یا ناموزون ؟ ”چشم مخالفان یازن بہ تیر“ ؟ (مصنف) ۔

جواب : مصرع ہو تو کچھ لکھوں ، فقرہ ہے ، اس کو وزن سے کیا علاقہ ، ۱۲ ، محمد المدعو بہ مصطفیٰ ۔

آٹھواں سوال : آہنکیندن کا صیغہ ماضی آہنکید ہوگا یا فقط آہنک ؟ (مصنف) ۔

جواب : آہنکید ہو سکتا ہے نہ آہنک ، ۱۲ ، محمد المدعو بہ مصطفیٰ ۔

نواں سوال : بالوائہ ایک لغت ہے ، فرہنگ نویس کو اس کا ہم وزن چارپایہ لکھنا چاہیے یا چارخایہ ؟ (مصنف) ۔

جواب : وزن دونوں صحیح ہیں لیکن چارپایہ لکھنے والا آدمی ہے اور چارخایہ لکھنے والا چارپایہ ، ۱۲ ۔ محمد المدعو بہ مصطفیٰ ۔

دسواں سوال : ”گرازاں“ بمعنی ”خراماں“ بکاف فارسی مضموم ہے یا ”کرازاں“ بکاف عربی مکسور یروژن صفاہاں ؟ مصنف ۔

جواب : ”گرازاں“ بمعنی ”خراماں“ بکاف فارسی مضموم صحیح اور بکاف عربی مکسور غلط محض ۔ ۱۲ ، محمد المدعو بہ مصطفیٰ ۔

گیارہواں سوال : کروہ و فرسخ و فرسنگ فارسی میں مقدار مسافت زمین کو کہتے ہیں ، عربی میں کراع

بروزن صراح مقدار مسافت زمین کو کہتے ہیں یا پاچہ گاؤ کو سپند کو ؟ (مصنف)۔

جواب : صراح میں بمعنی پاچہ گاؤ کو سپند لکھا ہے ،
 بہ معنی مسافت غلط محض ۱۲۔ محمد المدعو بہ مصطفیٰ۔

بارہواں سوال : گلہری بکاف فارسی مکسور بروزن
 اکہری صحیح یا گلہری بکاف عربی مفتوح بروزن ابتری
 صحیح ؟ (مصنف)۔

جواب : گلہری بکاف فارسی مکسور صحیح ، ۱۲
 محمد المدعو بہ مصطفیٰ۔

تیرھواں سوال : ہندوستان میں دختر نارسیدہ کو
 ”چھو کری“ کہتے ہیں ، اہل ولایت ”چو کری“ کہیں گے
 بجنف ہائے مضمرہ ، ”چکری“ بجنف واو غلط ہے یا صحیح ؟
 (مصنف)۔

جواب : ”چکری“ جو اہل ولایت سے بھی زیادہ بد
 لہجہ ہوگا ، وہ شاید کہے ، ۱۲۔ محمد المدعو بہ مصطفیٰ۔

چودھواں سوال : ”ہا“ اور ”ہای“ بہ اضافہ تختانی جس
 کو عربی میں ’رجل‘ کہتے ہیں ، ہندی میں اس کا نام ہانو
 مع النون ہے یا ہاؤ بے نون ؟ (مصنف)۔

جواب : ”ہاؤ“ کو ”ہاو“ نہ کہے گا مگر بجنون ۔
 ۱۲ محمد المدعو بہ مصطفیٰ۔

پندرھواں سوال : پریشیدن مصدر جعلی ہے بنایا ہوا
 لفظ پریشان سے ، جز بائے زائدہ اس کے ما قبل لا کر

پیشدن کہو؛ پیشدن ہر دو بائے فارسی ہی انہیں معنوں میں کہیں آیا ہے یا نہیں (مصنف)۔

جواب : کہیں نہیں آیا ، اس میں ذہن کو پریشان کرنا کیا ضرور ؟ ۱۲۔ محمد المدعو بہ مصطفیٰ۔

سولہواں سوال : ’خانہ سیل ریز‘ شراب انگوری کو کہہ سکتے ہیں یا نہیں؟ (مصنف)۔

جواب : ’سیل خانہ ریز‘ شراب کے صفت ہو سکتی ہے ، انگور کی قید بے جا اور ’خانہ سیل ریز‘ مہمل اور غلط اور غلط ، ۱۲۔

راقم محمد المدعو بہ مصطفیٰ ختم اللہ لہ الحسنی

سب جواب مجیب کے صحیح ہیں
الطاف حسین ہادی عفی اللہ تعالیٰ عنہ

سب جواب دونوں مجیبوں کے با صواب ہیں
محمد سعادت علی مدرس گورنمنٹ اسکول ، دہلی

ہر شانزدہ گانہ سوال کے جواب میں میں بھی
محمد نواب مصطفیٰ خان صاحب کا ہم زبان و
ہم داستان ہوں

الراقم الاثم محمد المقلب بہ ضیاء الدین عفی عنہ

الحمد للہ کہ اہی رسالہ نافع مسماں بہ ’’تیغ تیز‘‘ در مطبع
اکمل المطابع باہتمام فقرا الدین مطبوع گردید۔

جزو دوم

متفرق نثر پارے

ديباچه: مراجع المعرفت

تمہید

(بقلم خلیل الرحمان داؤدی)

سراج المعرفت جناب مفتی سید رحمت علی خان عرف میر لال کی تصنیف ہے۔ مفتی صاحب کو شاہی دربار سے سراج العلماء، ضیاء الفقہاء، سید رحمت علی خان بہادر کا خطاب ملا تھا۔ سرسید احمد خان نے آثارالصنادید کے باب چہارم میں لکھا ہے: ”کہالات ظاہری و باطنی آپ کے حد تقریر و احاطہ تحریر سے متجاوز ہیں۔ علاوہ کمال توغل مشاغل علمی کے شائستگی اوضاع و پسندیدگی اطوار، حسن خلق اور کمال بردباری و حلم اس مرتبہ پر ہے کہ بیان اس کا مجال خامہ و حوصلہ نامہ نہیں۔ قدیم الایام سے عہدہ استغنا کا سلاطین سلف کی طرف سے انہی کے خاندان عالی شان میں مستمر ہے۔ اب یہ عہدہ آپ کی ذات برکات سعادت سے مشرف و مفتخر ہے۔ آبا و اجداد راقم کو ان کے خاندان بلند مکان کے ساتھ رابطہ اتحاد قدیمی چلا آتا ہے اور یہی سبب ہے کہ نظر توجہ ان حضرت کی راقم آئم کے حال پر بہ کمال مبذول ہے۔ یہ سبب کثرت شرائف مشاغل یعنی توغل علمی کے نظم و نثر کی طرف مطلق

توجہ نہیں۔“

مفتی صاحب نے یہ کتاب بہادر شاہ ثانی کے ایماء پر تصنیف کی تھی۔ اس کتاب میں وہ اشغال و اذکار بیان کیے گئے ہیں جو عہد رسالت سے ”سینہ بہ سینہ“ و ”سینہ بہ سینہ“ چلے آئے ہیں۔ بہادر شاہ کا حکم تھا کہ جو کچھ لکھا جائے ”وابستہ بہ سلاسل فقراء و منقول من رسائل العرفاء“ ہو۔ مرزا غالب نے اس پر دیباچہ لکھا۔ خاتمے کی عبارت یہ ہے: ”بادشاہ سے کیا عجب ہے کہ دو برس کی تنخواہ دے کر مجھ کو خانہ خدا کے طواف کی رخصت دیں کہ وہاں جا کر اور اپنے ستاون (۵۷) برس کے گناہ کہ جس میں سوائے شرک سب کچھ ہے، بخشوا کر پھر آئے۔“ اس سے دو باتوں کا پتا چلتا ہے: (۱) دیباچے کی تحریر کے وقت مرزا غالب بہادر شاہ ثانی کے ملازم تھے۔ (۲) اس وقت مرزا کی عمر ستاون سال کی تھی۔ مرزا کی پیدائش کا سال ۱۲۱۲ ہجری مطابق ۱۷۹۷ عیسوی ہے۔ اس

حساب سے دیباچہ $\frac{۱۲۶۹}{۱۸۵۳}$ میں لکھا گیا ہے۔ سہ ماہی مجلہ ’معاصر‘ حصہ ۷ (پٹنہ) میں سراج المعرفت پر ایک نوٹ دیا گیا ہے جس میں یہ بتایا گیا ہے کہ نادر خطوط غالب میں رسا ہمدانی صاحب نے یکم جنوری ۱۸۵۰ء کے ایک خط میں اس دیباچے کی عبارت نقل کر ڈالی ہے۔ ظالم نے یہ بھی نہیں دیکھا کہ ۱۸۵۳ء کے تصنیف شدہ دیباچے کی عبارت ۱۸۵۰ء میں کہاں سے آگئی۔ بعد میں یہ دیباچہ ’عود ہندی‘ میں شامل کر لیا گیا۔

دیباچہء سراج المعرفت

سبحان اللہ آدمی اور خدا کی حمد و شکر کا دعویٰ ! حمد و شکر کی گزارش کا سرمایہ دو قوتیں ہیں : فکر اور نطق ، اور یہ دونوں قوتیں موہتی ہیں۔ بخشی ہوئی دست گلہ پر خود نمائی اور پھر اُسی بخشش والے کے آگے ! کیسی تنگ ظرفی ہے اور کیسی ہرزہ درائی۔ اس صورت میں اداۓ حق حمد کے تو کیا معنی ، مگر ہاں حمد کرنے والا بہ قدر توفیق حمد شایستہ آفریں ہے ۔ یہ کون کہہ سکتا ہے کہ توفیق نتیجہ کشت و کار ہے ؟ البتہ عطیہ پروردگار ہے ۔ قدرت حمد اُس نے پیدا کی ، توفیق حمد اُس نے عطا کی ۔ جب کہ آدمی حمد کا عازم ہو تو سپاس عطیہ توفیق کیوں نہ لازم ہو؟ ہاں ، اے حق شناس! اگر تجھ کو شعور ہے ، عطیہ توفیق شکر پر ایک اور شکر ضرور ہے ۔

گر کسی شکر حق فزوں گوید

شکر توفیق شکر چوں گوید

حق یوں ہے کہ حقیقت از روئے مثال ایک نامہ درہم
ہجیدہ سر بستہ ہے کہ جس کے عنوان پر لکھا ہے : 'لا مؤثر
فی الوجود الا اللہ' اور خط میں مندرج ہے 'لا موجود الا اللہ'۔

اور اس خط کا لانے والا اور اس راز کا بتانے والا وہ نامہ
اور نام آور کہ جس پر رسالت ختم ہوئی ۔

ختم نبوت کی حقیقت اور اس معنی غامض کی
صورت یہ کہ مراتب توحید چار ہیں : آثاری و افعالی و
صفات و ذاتی ۔ انبیائے پیشین صلوات اللہ علیہم و علیہم ،
اعلان مدارج توحید سہ گانہ پر مامور تھے ۔ خاتم الانبیاء کو
حکم ہوا کہ حجاب تعینات اعتباری اٹھاویں اور حقیقت نیرنگی
ذات کو صورت الان کہا کان میں دکھاویں ۔ اب گنجینہ معرفت
خواص امت مجددہ کا سینہ ہے اور کلمہ لا الہ الا اللہ مفتاح
باب گنجینہ ہے ۔ زمرہ خامی عامۃ مومنین کی کہ وہ اس کلام
سے صرف نفی شرک : العبادۃ مراد لیتے ہیں اور نفی شرک
فی الوجود ، جو اصل مقصود ہے وہ ان کی نظر میں نہیں ۔ جب
... لا الہ الا اللہ کے بعد محمد الرسول اللہ کہیں گے ، اس سے اس
توحید ذات کے اعتقاد کی قدم گاہ پر آ رہیں گے یعنی ہمارے
اس کلمہ سے وہ مراد ہے جو خاتم الرسل کا مقصود تھا ۔
یہی حقیقت ہے شفاعت مجددی کی اور یہی معنی ہیں رحمۃ للعالمین
ہونے کے اور اسی مقام سے ناشی ہے ندائے روح افزائے
”من قال لا الہ الا اللہ دخل الجنة ۔“ قلم اگرچہ دیکھنے میں
دو زبان ہے ، لیکن وحدت حقیقی کا راز دان ہے ۔ گفتگو سے
توحید میں وہ لذت ہے کہ جی چاہتا ہے کوئی سو بار کہے
ور سو بار سنے ۔ نبی کی حقیقت ذو جہتین ہے : ایک جہت
خالق کہ جس سے اخذ فیض کرتا ہے اور ایک جہت خالق
جس کو فیض پہنچاتا ہے :

نبی را دو وجہ است دل جوے خلق
یکے سوئے خالق ، یکے سوئے خلق

بدان وجہ از حق ہوا مستفیض
بدیں وجہ ہر خلق باشد مفیض

یہ صوفیہ کا قول ہے ، اَلْوَلَاٰیةُ اَفْضَلُ مِنَ النَّبِیَّةِ۔ معنی
اس کے صاف از روئے انصاف یہ ہیں کہ ولایت نبی کی کہ
وجہ الی الحق ہے ، افضل ہے نبوت سے کہ وہ وجہ الہی الخلق ۔
نہ یہ کہ ولایت عام افضل ہے نبوت خاص سے ۔ جس طرح
نبی مستفیض ہے حضرت الوہیت سے ، اسی طرح ولی مستنیر
ہے انوار نبوت سے ۔ مستنیر کی تفضیل منیر پر اور مستفیض کی
ترجیح مفیض پر مرکز معقول اور عقلا کے نزدیک مقبول
نہیں ۔ اب وہ ولایت کہ خاصہ نبی تھا ، نبوت کے ساتھ
منقطع ہوگئی ، مگر وہ فروغ کہ اخذ کیا گیا ہے مشکوۃ
نبوت سے ، هنوز باقی ہے ۔ نقل و تحویل ہوتی چلی آتی ہے اور
چراغ سے چراغ جلتا چلا جاتا ہے اور یہ سراج ایزدی ظہور
صبح قیامت تک روشن رہے گا اور اب اسی کا نام ولایت اور
یہی مشعل طریقی ہدایت ۔ ولایت و ہدایت ، وہی حقیقت
توحید ذاتی ہے کہ جو از روئے کلمہ لا الہ الا اللہ مشہود
عمیون اعیان امت اور منظور نظر اکابر ملت ہوئی ہے ۔ مگر
وہ بات اب کہاں ؟ کہاں ایک بار لا الہ الا اللہ کہے اور
دل نور معرفت سے منور ہو جائے اور وہ ضامن زبردست
کہاں کہ قائل لا الہ الا اللہ کو اگرچہ اس کے معنی اچھی
طرح نہ سمجھا ہو ، قدم گاہ توحید پر قائم کر دے ، یعنی
رسول مقبول واجب التعظیم ، قائل انا احمد بلا مہم علیہ التحیۃ
والتسلیم ۔ اب سعادت بہ قدر ارادت ہے اور راحت بہ قدر
جراحت ۔ سچ بھی تو ہے ، آدمی کیوں کر سمجھ سکے اور بطلان

ہدایات کے جواز پر اس کو کیوں کر تسلی ہو ، یعنی اس
مجموع ، وجودات کو کہ افلاک و النجم و بحار و جبال اسی
میں ہیں ، نیست و نابود محض جان لے اور تمام عالم کو ایک
وجود مان لے :

اے کردہ بآرائش گفتار بسیج
در زلف سخن کشودہ راہ غم و ہیج
عالم کہ تو چیز دیگرش مے دانی
ذاتیت بسیط منبسط ، دیگر ہیج

جب اولیاء اللہ نے کہ وہ اطباء روحانی ہیں ، دیکھا کہ
نفوس بشری پر وہم غالب ہے اور بہ سبب استیلائے وہم
مشاہدہ وحدت ذات سے محروم رہ جاتے ہیں ، ہر چند ان
کو سمجھائیں گے ، راہ پر نہ آئیں گے ، ناچار اشغال و اذکار
وضع کیے تا قوت تخلیلہ اس میں الجھن رہے اور رفتہ رفتہ
بے خودی طاری ہو جائے ۔ وحدت وجود اس طرح کی
بات تو نہیں کہ نہ ہو اور ہم اس کو بہ جبر یا بہ تکلف
ثابت کیا چاہتے ہوں :

دانی ہمہ اوست ور نہ دانی ہمہ اوست

وہم صورت گری اور ہیکر تراشی کر رہا ہے اور معدومات
کو موجود سمجھ رہا ہے ۔ پس جب وہ وہم شغل و ذکر
کی طرف مشغول ہو گیا ، بے شبہ اپنے کام سے بمعنی
صورت گری و ہیکر تراشی سے معزول ہو گیا ۔ بے خبری و
بے خودی چھا گئی اور وہ کیفیت جو موحدین کو بہ مجرد
فہم حاصل ہوتی ہے ، اس شاغل کے نفس کو بے خودی

میں آگئی ۔ ایک دریا میں جان کر کودا ، ایک کو کسی نے
 لٹا کر دھکیل دیا ، انجام دونوں کا ایک ہے ۔ وہ لوگ
 جو وحدت وجود کو سمجھ لیں ، یہ میں نہیں کہتا کہ
 نہیں ہیں ، مگر ہاں کم ہیں اور غنی ہیں اور کہیں کہیں
 ہیں اور اسے نفوس کو کہ جو کسب حالت ہے خودی
 کے واسطے محتاج اشغال و اذکار ہیں بہت بلکہ بے شمار ہیں ۔
 حق سبحانہ ہمیشہ سلامت رکھے حضرت شہنشاہی ،
 حق شناس ، حق آگاہ سراج العلاء والدین ابو ظفر بہادر شاہ کو
 جو لباس بادشاہی میں یاد الہی کر رہے ہیں :

شاہی و درویشی این جا ما ہم ست
 بادشاہ عہد قطب عالم است

حکم دیا حضرت پیر و مرشد برحق نے جناب افادت مآب ،
 معرفت نصاب مجمع البحرين شرع و عرفان ، قرآن السعدین
 عقل و ایمان ، ابوحنیفہ ثانی ، سراج العلماء ، ضیاء الفقہاء ،
 مولانا سید رحمت علی خان صاحب بہادر کو اور فرمایا ان
 سے کہ وہ اشغال و اذکار جو اتہائے قوس نزولی نبوت و ابتدائے
 قوس عروجی ولایت یعنی عہد جناب رسالت علیہ السلام
 سے ہم سینہ بہ سینہ وہم سینہ بہ سینہ چلے آئے ہیں ،
 ان کو ایک رسالے میں درج کریں اور اس رسالے کی تحریر میں
 وہ عبارت اردو کہ صاف اور بے تکلف ہو ، خرچ کریں ۔ کیوں
 نہ ارباب فہم اس راز داری پر قربان ہو جائیں کہ
 مجموع اشغال و اذکار زبان حقیقت ترجمان سے فرمائے ہیں ۔ اور
 حکم دیا ہے کہ ان کو وابستہ بدسلاسل و منقول من رسائل العرفاء
 تحریر کریں ۔ مضاراً یہ ترک کج مع زبان ، اسد اللہ خان

ہیچ مدان کہ جس کا فن سخن میں غالب نام اور وہ خود مغلوب سہائے خام ہے ، اس رسالے کے مشاہدے سے مستفیض ہوا ۔ جی میں آیا کہ اس کتاب مستطاب پر ایک دیباچہ لکھیے اور پھر میں برگ و ساز کروں اور عزم سفر حجاز کروں ۔ زمزم کے پانی سے وضو اور آس کاشانہ ملائک آشیانہ کے گرد بھروں اور حجر اسود کو چوموں اور پھر وہاں سے مدینہ منورہ جاؤں اور خدائے تربت اطہر کا سرمہ آنکھوں میں لگاؤں ۔ بادشاہ سے کہا عجب ہے کہ دو برس کی تنخواہ دے کر مجھ کو خانۂ خدا کے طواف کی رخصت دیں کہ یہ گناہ گار وہاں جاوے اور اگر زیست باقی ہے تو وہاں جا کر اور اپنے ستاون برس کے گناہ کہ جس میں سوائے شرک کے سب کچھ ہے ، بخشوا کر پھر آوے :

غالب ہوائے کعبہ بسرم جسا گرائندہ است
رخت آن کہ عزم خلیج و نوشاد کردمے

ديباچه، حدايق انظار

تمہید

(بقلم خلیل الرحمان داؤدی)

خواجہ بدرالدین خان عرف خواجہ اسان دہلوی اور غالب ہم جلد تھے۔ خواجہ اسان ۱۸۱۷ء میں بمقام دہلی پیدا ہوئے اور ۱۸۷۹ء میں وفات پا گئے۔ ان کا تعلق راجا شیودان سنگھ والی ریاست الور سے تھا۔ راجا صاحب کے کتاب خانے میں ’ہوستان خیال‘ کی پندرہ جلدیں موجود تھیں۔ چنانچہ راجا شیودان سنگھ کے ایام پر ہی خواجہ اسان نے ان جلدوں کا اردو ترجمہ شروع کر دیا۔

ترجمے کی پہلی جلد ۱۸۶۶ء مطابق ۱۲۸۲ھ میں مطبع اکمل المطابع دہلی سے شائع ہوئی۔ دوسری جلد مطبع بدرالدجلی دہلی سے۔ اسی طرح ۱۸۷۶ء تک پانچ جلدیں شائع ہو گئیں۔ اس کے بعد چھٹی جلد بھی شائع ہوئی۔ ساتویں جلد کا مسودہ چوری ہو گیا۔ دوبارہ اس کا ترجمہ کرنا پڑا۔ اس ترجمے پر نظر ثانی بھی کرنے نہ پائے تھے کہ خواجہ اسان اللہ کو پیارے ہو گئے۔

ان کی وفات کے بعد ان کے صاحب زادے خواجہ قمرالدین 'راتم' نے ۱۸۸۳ء میں اس کی نظر ثانی کی اور انھوں نے جلد بھی انھوں نے ہی تمام کی ۔

پہلی جلد کا ترجمہ بعنوان 'حدائق انظار' ۱۲۷۵ھ میں مکمل ہو گیا تھا ۔ مترجم نے خود تاریخ اختتام کتاب کا قطعہ دیا ہے ۔ لیکن اس کی طباعت ۱۲۸۲ھ میں مکمل ہوئی ۔ اختتام پر نواب ضیاء الدین احمد خان نیر درخشاں کی فارسی نظم میں تقریظ ہے اور قطعہ تاریخ انطباع کتاب بھی ہے ۔ اس جلد کے آغاز میں مرزا غالب کا دیباچہ ہے ۔ اس کی اشاعت اول مرزا غالب کی حیات میں ہی ۱۸۶۶ء مطابق ۱۲۸۲ھ میں ہوئی ۔ اس کے بعد طبع ثانی خواجہ امان کے مر جانے کے بعد خواجہ قمرالدین پسر خواجہ امان کی اجازت سے مطبع عمودالمطابع دہلی سے ۱۳۰۴ھ میں منظر عام پر آئی ۔

بوستان خیال کی اولین دو جلدوں 'مہدی نامہ' و 'اسماعیل نامہ' کا ترجمہ خواجہ امان نے نہیں کیا تھا ۔ انھوں نے معزالدین نامے کی دو جلدوں کا ترجمہ 'حدائق انظار' کے عنوان سے الور میں تمام کیا تھا کہ وہاں ایک قتنہ عظیم ہو گیا اور خواجہ امان کو ریاست چھوڑنی پڑی ۔ دلی میں انھوں نے پانچ جلدیں اور ترجمہ کیں ۔ ساتویں جلد اخبار عالم ، بیرٹھ کے ایڈیٹر حکیم محمد مقرب بہادر المتخلص بہ 'غنی' نے ترجمہ کی ۔ وہ دن کو مطلب کرتے تھے اور رات کو ترجمہ ۔ اس طرح سے آٹھ دس چھپنے میں انھوں نے ساتویں جلد تمام کر دی اور اسے

راجا بلونت راؤ بہادر سندھیا سے منسوب کیا ۔ اس کے بعد انھوں نے آٹھویں جلد بھی تمام کی ۔ اس جلد کا ترجمہ خواجہ امان کے صاحبزادے خواجہ قمرالدین 'راقم' المتوفی ۱۹۰۹ء نے بھی کیا ۔

بدھر حال ان جلدوں میں سے محض 'حدایق انظار' کو اس لیے آج دنیا جانتی ہے کہ اس پر مرزا غالب نے دیباچہ لکھا تھا ۔

دیباچہ، حقایق انظار

صبحان اللہ شاہد زیبائے سخن کا حسن بے مثال، مشاہدہ اس کا نور الزائے نگاہ، تصور اس کا انجمن الفروز خیال، از روئے لفظ اہل معنی کی نظر میں آئینہ عارض جہاں، من حیث المعنی بصورت صنعت قلب کلام کا مقلوب یعنی کمال۔ اگر نفس ناطقہ کو حق نے بصورت انسان پیدا کیا ہوتا تو ہم اس صورت میں یہ ا کیوں کر کہیں کہ کیا ہوتا، اس لعبت^۱ دلفریب کی نظارگی سے بے پادہ مست ہو جاتے اور یہ پیکر ہوش رہا دیکھ کر اہل معنی یک قلم صورت پرست ہو جاتے۔ نظم میں اور ہی زوہب، نثر میں اور ہی ڈھنگ، فارسی میں اور ہی زمزمہ، اردو میں اور ہی آہنگ۔ سیر و توارخ میں وہ دیکھو^۲ جو ہم سے سینکڑوں برس پہلے واقع ہوا ہو^۳، افسانہ و داستان میں وہ کچھ سنو کہہ کہی کسی نے نہ دیکھا ہو^۴ نہ سنا ہو^۵۔ ہر چند خرد مند بیدار مغز توارخ

۱۔ یہ (یہ لفظ خطوط غالب از مہر میں نہیں ہے)۔

۲۔ بعثت (خطوط غالب از مہر)۔

۳۔ وہ کچھ دیکھو (خطوط غالب از مہر)۔

۴۔ ہو (یہ لفظ خطوط غالب از مہر میں نہیں ہے)۔

۵۔ ہو (یہ لفظ خطوط غالب از مہر میں نہیں ہے)۔

کی طرف بالطبع^۷ مائل ہوں گے ، لیکن قصہ کہانی کی ذوق
جنشی و نشاط انگیزی کے بھی دل میں^۸ قائل ہوں گے۔ کیا
تواریخ میں ممنوع الوقوع حکایات نہیں ؟ نا انصافی کرتے ہو ، یہ
کچھ بات نہیں۔ سام اپنے فرزند کو پہاڑ پر بھکوائے، سیمرغ
اس کو اپنے گھونسلے میں اٹھا لائے۔ پرورش کر کے پہلوان
بنائے ، آداب حرب و ضرب سکھائے۔ پھر جب رستم اسفندیار
کی لڑائی سے گھرائے، زال آس اسم بے مسمیٰ کو بہلائے۔ سیمرغ
گردان کبوتر کی طرح سیٹی کی آواز سنتے ہی چلا آئے اور
اپنی بیٹ کے^۹ لب سے یا کسی اور دوا سے رستم کے زخم
اچھے کر کے ، ایک تیر دوشاخہ دے کر تشریف لے جائے۔
رستم دس برس کی عمر میں مست ہاتھی کو ہلاک کرے ،
جب چشم بد دور ، جوان ہو کر دیو سپید کو تہ خاک کرے،
فرعون کا دعوائے خدائی مشہور ہے ، شداد و بمرود کا تواریخ
میں ایسا ہی مذکور ہے۔ اگر اہل طبیعت ایک پہلوان
زبردست حمزہ دیوکشی رستم جیسا قرار دیں اور ایک زمر
شاہ گمراہ دعوائے خدائی کرنے والا مثل بمرود گھڑ لی گویا ایک
ڈھکوسلا بنایا ہے مگر اچھا بنایا ہے^{۱۰}۔ انہیں روایات کا^{۱۱}
چربہ آٹھایا ہے، مگر اچھا آٹھایا ہے۔ مو عقلت و بند نہیں، قرعات
نذیمانہ ہے۔ سیر و اخبار نہیں، جھوٹا افسانہ ہے۔ داستان طرازی
منجملہ فنون سخن ہے۔ سچ یہ ہے کہ دل بہلانے کے لیے اچھا فن

۷۔ بالطبع (یہ لفظ خطوط غالب از مہر میں نہیں ہے)۔

۸۔ دل سے (خطوط غالب از مہر)۔

۹۔ کے (خطوط غالب از مہر میں نہیں ہے)۔

۱۰۔ 'مگر اچھا بنایا ہے' (خطوط غالب از مہر میں نہیں ہے)۔

۱۱۔ کا (خطوط غالب از مہر میں نہیں ہے)۔

ہے۔ عمرو کی عیاریاں دیکھو، حمزہ کی میدان داریاں دیکھو۔
 جامع ان حکایات کا کوئی مخزن ایران کا ہے مگر وہ میرتی،
 مجد شاہی جو ندیم موہن الدولہ اسحاق خان کا ہے گویا
 باغ ارم کو ہندوستان اٹھا لایا۔ اس نے بوستان خیال میں
 کچھ اور ہی تماشا دکھلایا۔ ان قصص میں سے ایک جلد ہے
 معز نامہ۔ واہ ری بزم و رزم و سحر و طلسم اور حسن
 عشق کی گرمی، سنگامہ۔ معزالدین کی طلسم کشائیاں اگر
 سنیں تو امیر حمزہ کی یہ صورت ہو کہ اپنی صاحبقرانی کو
 ڈھونڈتے پھریں اور کہیں پتا نہ پائیں۔ ابوالحسن کی عیاریوں
 کا جوہر اگر دیکھیں، تو خواجہ عمرو کو یہ حیرت ہو کہ
 زیرہ سی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ جائیں۔ درینولا میرا
 برادرزادہ سعادت توامان خواجہ بدرالدین خان عرف
 خواجہ امان کہ وہ ایک جوان شیریں بیان، تیزہوش ہے اور
 ہر فن کے کمال کی تحصیل میں سختی کش و سخت کوش^{۱۲}
 ہے۔ ستار کا جو خیال ہوا^{۱۳} ایسا بچایا کہ میان تاسین
 کو آنکلیوں پر بچایا۔ مصوری کی طرف جو طبیعت آئی وہ
 تصویر کھینچی کہ اس کو دیکھ کر مانی و بہزاد کو حیرت
 آئی۔ اس اقبال آثار کا یہ ارادہ ہوا کہ معزنامہ کی فارسی نثر
 کے اردو کرنے پر آمادہ ہوا۔ معزالدین فیروز بخت کی کشور
 کشایاں، ابوالحسن جوہر کی نیرنگ بھائیاں، عجائبات حکیم
 قطاس کی حیرت افزائیاں، ملکہ نور جہار کی رنگین ادائیاں،
 جمشید خود پرست کی زور آزمائیاں، ضار منکوس منحوس کی
 بے حیائیاں، مسلمین و کفار کی لڑائیاں، مسلمانوں کی بھلائی

۱۲۔ سختی کوش (خطوط غالب از مہر)۔

۱۳۔ خیال آیا (خطوط غالب از مہر)۔

کافروں کی برائیاں ، فارسی سے اردو میں لے آیا ۔ ہوں تصور کرو کہ قلمرو اردو میں ایک قصر دلکشا یا ایک خانہ باغ روح افزا سر تا سر بنایا ۔ عبارت آرائی کو ترک کیا ہے ، گویا تحریر کو پیرایہ تحریر میں دیا ہے ۔ بعد اختتام نگارش فلک زدہ سے دیباچہ لکھنے کی آرزو کی ۔ میں نے ہر چند عجز آمیز و معذرت انگیز گفتگو کی ۔ بیدادگر نے ایک بات نہ سنی ، ایک عذر نہ مانا۔ بولا اس اصرار کا کیا علاج اور اس خد کا کیا ؟ ٹھکانا ؟ بھتیجا اور پیارا بھتیجا ، ناچار بجز خامہ نرسانی کچھ نہ بن آئی ۔ اس دیباچے کے الجھام کا یہ جز اس کے اور کوئی رنگ نظر نہ آیا کہ عالم ارواح سیدھا پہنچا۱۵ اور حضرت نظامی سے ایک شعر مانگ لایا ۔ اسی شعری شعار کو خاتمہ میں لکھ دیتا ہوں ۔ بہت تنگ آ گیا ہوں ، اب دم لیتا ہوں ۔

شکر کہ ابی نامہ بہ عنوان رسید

پیشتر از عمر بسہ پایاں رسید

ومن الله التوفیق و هو خیر الرقیق

۱۴۔ کیا (خطوط غالب از سہر میں نہیں ہے) ۔

۱۵۔ سیدھا چلا گیا (خطوط غالب از سہر) ۔

دیباچہ رسالہ تذکیر و تانیث

تمہید

(ہلم خلیل الرحمان داؤدی)

مرزا غالب کے مراسم صاحب عالم مارہروی سے انتہائی خلوص پر مبنی تھے۔ صاحب عالم مارہروی کے نواسے سید فرزند احمد صغیر بلگرامی نے بھی غالب کا تلمذ اختیار کر لیا تھا۔ صغیر بلگرامی نے قواعد تذکیر و تانیث پر مشتمل ایک رسالہ ’فیض صغیر‘ کے عنوان سے قلم بند فرمایا تھا اور اس کا دیباچہ مرزا غالب سے لکھوایا تھا۔ میرا خیال ہے کہ یہ ۱۸۶۶ء کا زمانہ ہے۔ مرزا غالب نے یہ دیباچہ لکھ کر مارہرہ بھیج دیا تھا۔ وہ وہاں سے عظیم آباد بھیجا گیا۔ ۲۶ اگست ۱۸۶۶ء کو مرزا غالب نے صاحب عالم مارہروی کو خط لکھا تو اس میں اس دیباچے کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے :

”حضرت صاحب قبلہ و کعبہ جناب صاحب عالم کو فقیر اسد اللہ کی بندگی۔ دیباچے کا عظیم آباد کو روانہ ہونا معلوم ہوا، مگر یہ نہ معلوم ہوا کہ

لخت جگر و نور بصر مولوی سید فرزند احمد کو وہ
 دیباچہ پسند آیا یا نہیں۔“ (نوادر غالب از ڈاکٹر
 مختار الدین احمد آرزو، مشمولہ علی گڑھ میگزین غالب
 نمبر صفحہ ۹۷)

یہ دیباچہ ’فیض صغیر‘ کی اشاعت اول کے ساتھ
 ۱۸۸۵ء میں ایک بار شائع ہوا تھا۔ یوں یہ ’عود ہندی‘
 میں بھی شامل کر لیا گیا ہے۔

دیباچہ رسالہ تذکیر و تانیث

سیدی و سندی ، نور بصر و لغت جگر ، قرۃ العین اسد ،
مولوی سید فرزند احمد کے طول عمر و دوام دولت و
قبائے انبال کی دعا مانگتا ہوں ، جن کو مبدہ فیاض سے اس
رسالے کے لکھنے کی توفیق عطا ہوئی ہے ۔ سبحان اللہ
تذکیر و تانیث کی تقریر کہ وہ اور مطالب کی توضیح پر
بھی مشتمل ہے کس لطف سے اداء ہوئی ۔ ہر چند اس راہ
سے دانا اور دقیقہ رس اور منصف ہیں ، قواعد تذکیر و تانیث
کے منضبط نہ ہونے کے خود معترف ہیں ، لیکن قسو
عالم و حسن ، فہم و لطف طبع سے وہ مضبوط ضوابط ہم
پہنچائے ہیں کہ اور صاحبوں کے دل دوسرے کو کیا خبر ،
مگر مجھے تو دل سے پسند آئے ہیں ۔ دعا یہ ہے اور یقین
بھی یہی ہے کہ رسالہ صفحہ روزگار پر یادگار اور ہمیشہ
منظور انظار اولوالابصار رہے گا ۔ جو صاحب اس کو مطالعہ
فرمائیں گے ، نفع بھی پائیں گے اور لطف بھی اٹھائیں گے ۔
مؤلف صاحب جو کامیاب اپنے ذہن سارے ہیں ،
رئیس جلیل القدر عظیم آباد و آرا اور حضرت
فلک رفعت مولوی سید صاحب عالم صاحب مارہروی کے
نواہے ہیں ۔ سید واسطی بلگرامی ہیں ، جہاں کے سادات

علم و فضل میں نامی اور قدر و منزلت میں گرامی ہیں ۔
 ان حضرات کا مداح گویا اپنا ثناخوان ہے جیسا کہ مولوی
 معنوی رومی علیہ الرحمۃ کا بیان ہے :

مداح خورشید مداح خود است
 کہ مراد و حشم سرنامہ مد است

داد کا طالب ، غالب

تقریظ بر کتاب بہادر شاہ ثانی

تمہید

(بقلم خلیل الرحمان داؤدی)

مرزا سلیمان شکوہ اور مرزا حیدر شکوہ سے بہادر شاہ ثانی کی قرابت داری تھی۔ یہ لوگ لکھنؤ میں رہتے تھے اور مذہباً شیعہ تھے۔ مرزا حیدر شکوہ نے ایک مرتبہ بادشاہ کی صحت یابی کے سلسلے میں دعا مانگی کہ اگر بادشاہ تندرست ہو گئے تو وہ حضرت عباس کی درگاہ میں علم چڑھائیں گے۔ چنانچہ وہ علم چڑھایا گیا۔ اعالیان دہلی کو گمان گزرا کہ بادشاہ شیعہ ہو گیا ہے۔ چنانچہ دہلی میں بادشاہ کے خلاف غم و غصے کی ایک لہر دوڑ گئی۔ حکیم احسن اللہ خان اور دوسرے درباریوں نے اس سلسلے میں بادشاہ کی طرف سے اعلانات بھی کیے اور کتابیں بھی لکھوائیں۔ چنانچہ مرزا غالب نے خود بہادر شاہ کے لیے ایک مثنوی 'کلمات طیبات' تصنیف کی جس کا مقصد صرف یہی واضح کرنا تھا کہ بادشاہ نے تشیع اختیار نہیں کیا ہے۔

اس سلسلے کی ایک یہ تالیف بھی ۱۸۵۴ء میں

بہادر شاہ کی جانب سے منظور عام پر آئی ۔ اس پر مرزا غالب سے تقریظ لکھوائی گئی ۔ چنانچہ مرزا غالب نے یہ تقریظ اس تالیف پر ثبت فرمائی ۔

مجھے افسوس ہے کہ اس کتاب کا ایک نسخہ بھی مجھے کہیں دیکھنے کو میسر نہیں آیا ۔ دنیا بھر کے کسی کتاب خانے کی فہرست میں مجھے اس کا وجود نہیں ملا ۔ معلوم نہیں وہ اب کہیں محفوظ بھی ہے یا بالکل مفقود ہے ۔

پھر حال یہ تقریظ باقی رہ گئی ہے جو اسی زمانے میں ’عود ہندی‘ میں شامل کر لی گئی تھی ، ورنہ آج اس کا بھی کہیں سراغ نہ ملتا ۔

تقریظ بر کتاب جہاد و شہادہ ثانی

اللہ اللہ ! نطق کو آفریدگار نے کیا پایہ اور کیا سرمایہ دیا ہے کہ امور دینی میں سے کسی امر کا شہود اور مصالح دنیوی میں سے کسی مصلحت کا وجود بلکہ اگر یہ مثل اسم اعظم فرض کیجئے تو اس کی بھی کمود جب تک اس لطیفہ لہیبی کا شمول نہ ہو ، عالم امکان میں ممکن نہیں ۔

سخن را ازان دوست دارم کہ دوست
بہ تصدیق از ما طلب کار اوست

مسائل حکیمانہ کی ہستی ، ترہات ندیمانہ کی مستی ، ورود درماں کے مدارج کا اظہار ، افسانہ و افسوں کے مقاصد کا مدار ، شکوہ شکایت کا عنوان ، نفرین و آفرین کا بیان ، رد قبول کی حکایت ، فتح و شکست روایت ، صرف و نحو کی راز دانی ، لفظ و معنی کی گل نشانی ، جو کچھ اگلوں نے کہا ہے ، جو کچھ اب کوئی کہہ رہا ہے ، جو کچھ آگے کہیں گے ، اور قیامت تک کہتے رہیں گے ، جو کچھ نیک و بد ، نو و کمن سے ہے ، سب وابستہ نطق سخن سے ہے ۔

اب سمجھیے کہ سخن از روئے مثال کیا ہے ؟ چشمہ

ہے ، ہندی ہے ، سیل ہے ، دریا ہے ، کسی روانی اور کس زور کا پانی ۔ اس کا چڑھاؤ ، اس کی رفتار ، اس پر کس کا اختیار ۔ جدھر منہ کیا ادھر ایک نالہ بہا دیا ، دریا کی لہر کیا گھوڑے کی باگ ہے کہ کسی کے ہاتھ ہو ؟ بارہا دیکھا ہے کہ آغاز جس کو ہندی اٹھان اور فارسی میں انگیزہ اور عربی میں باعث کہے کچھ اور ہے ۔ پھر وسط میں صورت بدل کر وہ کچھ اور ہو گیا کہ انجام سے قطع نظر فی الحال نہیں سمجھا جاتا کہ یہ کیا طور ہے ۔

یہ کتاب کہ مجموعہ دانش و آگہی ہے اگرچہ اس کو سفینہ کہہ سکتے ہیں ، لیکن از روئے حقیقت ایک نہر ہے کہ بحر سخن سے ادھر کو بھی ہے ۔ جب اس نگارش نے انجام پایا تو مجھ کو پیش گوئ سلطنت ابد مدت سے حکم آیا کہ ہندو درگاہ ، اسد اللہ اس کی تقریظ لکھنے میں اظہار حسن اطاعت کرے اور سخن طرازی میں آرائش زبان اردو پر قناعت کرے ۔ جیسا کہ حکم بجا لانا ضرور ، ویسا ہی یہ بھی کہہ جانا ضرور کہ منشاء اس رسالہ نگارش کا کیا ہے ۔

ان اوراق کے ناظرین ہر غنی و مستور نہ رہے من اٹھارہ جلوس میمنت مائوس میں ، نہ شہر سے بلکہ خارج سے ، یہ آواز بلند ہوا کہ حضرت قدر قدرت ، فلک رفعت ، ثریا بارگاہ ، انجم سپاہ ، بادشاہ ابن بادشاہ ، خلیفہ روئے زمین ، ابو سراج الدین بہادر شاہ ، بادشاہ غازی نے ترک مذہب آہائے نام دار کیا اور تشیع تسنن پر اختیار کیا ۔ باریافتگان بزم قرب و رازدانان خلوت حیران اور حیرت ان کی بجا ۔ اگر بادشاہ نے کبھی یہ بات کہی ہوتی تو پہلے ان کو

آگہی ہوئی ۔ اسرار سلطنت کی خبر اور پھر اس میں عام کو
تقدم خاص پر ! نہ بوجھنے کا یارا ، نہ چپ رہنا گوارا ،
علائے نام دار و مشائخ کبار و فقہائے دیار نے جرأت
کر کے عرض داشت لکھی ۔ مضمون یہ کہ ایسا سنا جاتا ہے
اور باور نہیں آتا ہے ۔ امید وار ہیں کہ خداوند تاج سریر
آکے مافی الضمیر پر آگہی پاویں ۔ حضور نے تھاشی کی اور فرمایا
کہ کبھی ایسا داعیہ ہمارے ضمیر میں اور کبھی ایسا کلمہ
ہماری زبان پر نہیں گزرا ۔ بعد چند روز کے ایک دن
حسب الحکم قضا توام !

بزم سلطانی ہوئی آراستہ
کعبہ امن و امان کا در کھلا

شہنشاہ ، گیتی پناہ ، مسند جم نشین ، اہل دل ہم نشین ،
اسرائے دستہ دستہ دست بستہ ، صفحہ نگار بھی مافند خار
سر دیوار باغ و پروانہ ہائے چراغ اس چمن میں نشاط اندوز اور
اس انجمن میں ادب آموز ۔ زبان مبارک گہر نشان ہوئی ،
حقیقت مذہب اہل سنت و جماعت بیان ہوئی ۔ سوہ ظن علماء
اس مجمع عظیم بہ پیرایہ حسن ظن جلوہ گر ہوا ، خاص و عام
کو اعلیٰ حضرت کا ثبات قدم مسلک تسنن پر باور ہوا ۔
مضامین ارشاد کیے ہوئے اعلیٰ حضرت بہ موجب ارشاد کے
قالب میں ڈھلے ۔ ناگاہ اجانب جانب سے اس نظم کے جواب میں
کچھ وار چلے ۔ یہ گنہ گار بے گناہ بھی بہ ذم ممدوح ہوا اور
ختجر زبان کے زخم سے مجروح ہوا ۔ الغرض جب وہ تحریر
یہاں دیکھی گئی تو اس میں خلفاء کی توہین پائی گئی ۔ ناچار
یہ رسالہ جیسا کہ حضرت مؤلف نے دیباچہ میں لکھا ، لکھا

گیا اور مجھ کو تقریظ نگاری کے واسطے ، جیسا کہ میں نے اوپر کہا ہے ، کہا گیا ۔ میں اگر امن گزارش میں یہ سب نہ کہہ جاتا تو وضع تحریر کا موضوع لہ بھول رہ جاتا ۔ بحث و نزاع کا رسم و آئین اور ہے ، شیوہ سخن دانان معنی آفرین اور ہے ۔ نہ سفید ہوں کہ ہجو میں سخن سرائی کروں ، نہ فقید ہوں کہ بحث میں زور آزمائی کروں ۔ غریب الوطن سپاہی زادہ ہوں ، فلک زدہ خاتمان بہ باد دادہ ہوں ۔ تاب آفتاب حوادث سے ظل اللہ کے سایہ دیوار کی پناہ میں بیٹھا ہوں ، گویا ایک تھکا ہوا مسافر ہوں کہ آرام کی جگہ دیکھ کر دم لینے کو راہ میں بیٹھا ہوں ۔ احسان ہے مجھ پر خدا کا کہ میں سوائے اپنے خدا کے کہ وہ غیب دان اور اپنے بندوں پر مہربان ہے ، یہ نہیں کسی اور کا گنہ گار ہوں ۔ جو مجھ کو اپنا ہم کیش سمجھیں اُن سے دعائے مغفرت کا متوقع اور مجھ کو اپنا مخالف مذہب گمان کریں اُن سے دعائے تخفیف عذاب کا امیدوار ہوں ۔ حسبی اللہ نعم الوکیل نعم العولیٰ و نعم النصیر ۵

تقریظ برگزار سرور

تمہید

(بقلم خلیل الرحمان داؤدی)

مرزا رجب علی بیگ سرور لکھنوی، الحاق اودھ کے بعد کافی مصائب کے شکار رہے۔ بالآخر مہاراجا ایشری پرشاد نرائن سنگھ والی بنارس کی طلب پر وہ لکھنؤ سے بنارس پہنچے۔ سرور ۱۶ ذی قعدہ ۱۲۷۵ھ کو لکھنؤ سے روانہ ہوئے اور یکم ذی الحجہ ۱۲۷۵ھ کو بنارس پہنچ گئے۔

ایک روز مہاراجا ایشری پرشاد نرائن سنگھ کی نظر نسخہ 'حدایق العشاق' مصنفہ رضی پسر محمد شفیع پر پڑی۔ مہاراجا نے سرور سے اس کا ترجمہ کر کے لکھنؤ کو بھیج دیا۔ سرور نے مہاراجا بنارس کی فرمائش پر اسے اردو کا جامہ پہنایا اور 'گلزار سرور' اس کا نام رکھا۔ سرور کی دوسری تصنیفات کی طرح یہ کتاب بھی پہلی بار مطبع محمدی لکھنؤ میں بہ اہتمام مولوی محمد یعقوب چھپی تھی۔ اس کی دوسری اشاعت مطابع کارنامہ نجم العلوم لکھنؤ میں بہ اہتمام مولوی محمد یعقوب ۱۳۰۷ھ میں

ہوئی ۔ ترجمہ کرنے کے بعد سرور نے کتاب مرزا غالب کی خدمت میں تقریظ نگاری کے لیے بھیجی ۔ چنانچہ مرزا صاحب نے اس پر یہ تقریظ لکھی ۔ یہ تقریظ علاوہ ’گزار سرور‘ میں شامل ہونے کے اسی زمانے میں ’عود ہندی‘ میں بھی شامل کر لی گئی تھی ۔ لیکن ’عود ہندی‘ کا پہلا ایڈیشن حد درجہ اغلاط سے پر تھا ۔ اس لیے یہ تقریظ بھی غلطیوں سے پاک نہ رہ سکی ۔ بعد کے ایڈیشنوں میں بھی غلطیاں قائم رہیں ۔ میں نے اس کا صحیح متن گزار سرور کی اشاعت اولیں سے لیا ہے جہاں وہ پہلی بار صحیح صورت میں چھپا تھا ۔

تقریظ برگلزار سرور

سبحان اللہ ، خدا کی کیا نظرفروز صنعتیں ہیں ، تعالیٰ اللہ ،
 کہا حیرت اور قدرتیں ہیں ۔ یہ جو حدائق العشاق کا فارسی
 زبان سے عبارت اردو میں نگارش ہاتا ہے ، ارم کا زمین دنیا
 سے آٹھ کسر بہارستان قدس کا باغ بن جاتا ہے ۔ وہاں
 حضرت رضوان ارم کے نخل بند و آبشار ہوئے ، یہاں
 مرزا رجب علی بیگ صاحب سرور حدائق العشاق کے صحیفہ
 فنکار ہوئے ۔ اس مقام پر یہ ہیچ میرز جو موسوم بہ
 اسد اللہ خان اور مخاطب بہ نجم الدولہ اور متخلص بہ غالب
 ہے ، خدائے جہاں آفرین سے توفیق کا اور خلق سے انصاف
 کا طالب ہے ۔ ہاں ، اے صاحبان فہم و ادراک ! سرور
 سحر بہان کا اردو کی نثر میں کیا پایہ ہے اور اس بزرگوار
 کا کلام شاہد معنی^۱ کے واسطے کیسا گراں بہا پیرایہ ہے :

رزم کی داستان گر سنے
 ہے زبان ایک تیغ جوہر دار
 بزم کا التزام گر کیجے
 ہے قلم ایک اہر گوہر بار

۱ - 'معنی' خطوط غالب از مہر میں نہیں ہے ۔

مجھ کو دعویٰ ۱ تھا کہ انداز بیان اور شوخی 'تقریر میں
'فسانہ عجائب' ہے نظیر ہے ، جس نے میرے دعویٰ کو
اور 'فسانہ عجائب' کی یکنائی کو مٹایا ۲ ، یہ وہ تحریر ہے ۔

د پياوړې انتخاب غالب

تمہید

(بقلم خلیل الرحمان داؤدی)

مرزا غالب نے مسٹر ڈانلڈ میکلوڈ فنانشل کمشنر پنجاب کی فرمائش پر ایک مجموعہ جسے عنوان 'مکاتیب غالب' ترتیب دیا تھا۔ اس میں دو دیباچے، دو نقلیں، ایک لطیفہ اور گیارہ خطوط ہیں۔ یہ ۴۸ صفحات کی کتاب دو ابواب پر مشتمل ہے۔ پہلے باب میں نثری تحریر میں خطوط اور لطیفے ہیں۔ دوسرے باب میں منتخب اشعار ہیں۔

یہ کتاب محمد عبدالرزاق نے مرتب کر کے دین پٹی پریس لاہور سے ۱۳۴۵ء میں شائع کرائی تھی۔ اس کا ایک مخطوطہ ڈاکٹر عبدالستار صدیقی صاحب کے پاس موجود ہے۔ ڈاکٹر صاحب کے خیال کے مطابق وہ مخطوطہ مرزا غالب کا ذاتی نسخہ ہے۔ دین پٹی پریس کے مطبوعہ نسخے اور ڈاکٹر عبدالستار صدیقی صاحب کے مخطوطے میں کچھ فرق ہے۔ ڈاکٹر صاحب کے نسخے میں جو عبارتیں زیادہ ہیں وہ قوسین میں کر دی گئیں۔ موجودہ دیباچہ اسی نسخے سے ماخوذ ہے۔

دیباچہ انتخاب غالب

یہ کتاب جو دو باب کی ہے ، حقیقت یہ اس کتاب کی ہے کہ پہلے باب میں دو دیباچے اور کئی لطیفے اور کئی مکتوب ہیں ۔ اگر میرے لکھے ہوئے نہ ہوتے تو میں کہتا کہ^۲ بہت خوب ہیں ۔ دوسرا باب اشعار کا ہے کہ وہ بھی کلام اس خاک سار کا ہے ۔ اگر کوئی خط اردو زبان میں لکھا جائے ، ان اشعار میں سے شعر محل و مقام کی مناسبت^۳ سے درج کیا جائے ۔ اور^۴ یہ مجموعہ نذر اس^۵ جناب رفعت مآب کے ہے ، جس سے عزت و توقیر و فنانشل کمشنری پنجاب کی ہے ۔ صاحب والا^۶ مناقب عالی شان ، علم و اہل علم کے قدردان ، یگانہ روزگار ، جن کا مطیع و محکوم ہونا

-
- ۱ - یہ لفظ نسخۂ اقبال اکیڈمی میں نہیں ہے ۔
 - ۲ - کہ (یہ لفظ خطوط غالب از سہر میں نہیں ہے) ۔
 - ۳ - ’کے مناسب‘ (’غالب کی نادر تحریریں‘ نسخہ اقبال اکیڈمی) ۔
 - ۴ - ’اور‘ ۔ یہ لفظ خطوط غالب از سہر میں نہیں ہے ۔
 - ۵ - ’اس‘ ۔ یہ لفظ خطوط غالب از سہر میں نہیں ہے ۔
 - ۶ - ’صاحب والا‘ نسخہ اقبال اکیڈمی میں نہیں ہے ۔

اہل ہند کو سرمایہ عزت افتخار ، والا پایہ ، عالی رتبہ ، معالی القاب ، حضرت فلک رفعت میکلوڈ صاحب بہادر فنانشل کمشنر بہادر قلم رو^۱ پنجاب ۔ پس یہ کتاب اگر ان کے حکم سے چھاپی^۲ جائے گی تو صاحبان تازہ وارد ولایت کے بڑھنے کے کام آئے گی ۔ اس کتاب کا نذر کرنے والا جو اپنی نذر کے قبول ہونے کا طالب ہے ، نصر اللہ بیگ خان بہادر رئیس سوئٹک^۳ و سوئٹا کا بھتیجا ، موسوم بہ اسد اللہ خان و متخلص بہ غالب ہے ۔ میرے چچا کی سرداری اور ریاست کا حال (اور گورنمنٹ بہادر اعلیٰ سے خاص میری ملازمت اور نذر خلعت کی کیفیت) گورنمنٹ اعلیٰ کے دفتر میں مرقوم ہے اور میرے قصیدے کا جناب مستطاب لارڈ الن برا بہادر کے ذریعے سے وزیر اعظم کے پاس پہنچنا اور حضرت قدر قدرت شہنشاہ بحریر ملکہ معظمہ و محترمہ کے حضور پر نور میں گزارنا از روئے مشاہدہ خطوط آمدہ ولایت جو بہ سبیل ڈاک مجھ کو ولایت سے آئے ہیں گورنمنٹ بہادر ہندوستان کو معلوم ہے ۔ البتہ میں اس کا مستحق ہوں کہہ 'کوئینس' ہوٹل، گنا جاؤں اور اس علاقے سے ایک نیا قام اور نئی عزت پاؤں ۔ اگر رتبہ نہ بڑھایا جائے ، قدیم عزت میں تو فرق نہ آنے^۴ پائے ۔

-
- ۱ ۔ نسخہ اقبال اکیڈمی میں 'عجز' ہے ۔
 - ۲ ۔ قلم رو' یہ لفظ خطوط غالب از سہر میں نہیں ہے ۔
 - ۳ ۔ 'حکم سے چھاپی جائے' (خطوط غالب از سہر) ۔
 - ۴ ۔ نسخہ اقبال اکیڈمی میں صرف سوئٹا ہے ۔
 - ۵ ۔ نسخہ اقبال اکیڈمی میں 'کوئین' ہے ۔
 - ۶ ۔ نسخہ اقبال اکیڈمی میں محض 'آئے' ہے ۔

اے جہاں آفرین خدائے کریم
صانع^۱ ہفت چرخ و ہفت اقلیم
نام مگلوٹ جن کا ہے مشہور
یہ ہمیشہ بہ صد نشاط و سرور
عمر و دولت سے شادمان رہے^۲
اور غالب یہ مہربان رہے

کیا ہوا اگر ایک نقش دوسرے کا ثانی ہے ، یہ تو
ہم کہہ سکتے ہیں کہ نقاش لا ثانی ہے ۔ مانی نقاش بے معنی
تصویریں بنا کر بیعبری کا دعویٰ کرے ، کیا عقل کی
کمی ہے ۔ یہ بندۂ خدا معنی کی تصویر کھینچ کر دعوائے
خدائی نہ کرے ، کس حوصلے کا آدمی ہے ۔ سچ تو ہوں
ہے کہ جناب مہاراجا صاحب والا مناقب عالی شان
اہل شری پرشاد نارائن سنگھ بہادر جس باغ کی آرائش کے
کارفرما ہوں اور پھر اس بر طرہ یہ کہ^۳ میرز سرور چمن آرا
ہوں ، وہ باغ کیسا ہوگا ؟ بہشت نہ ہوگا تو اور کیا ہوگا ؟
کوئی نہ کہے کہ یہ درویش گوشہ نشین فضول و سبک سر
کیوں ہے ؟ بے دیکھے بھالے حضور کا ثنا گستر کیوں ہے ؟
صاحبو ! حاتم سے ہم نے کیا دولت پائی ہے کہ اس کی
سخاوت کی ثنا کرتے ہیں ؟ رستم سے کہاں شکست کھائی
ہے کہ اس کی شجاعت کا ذکر کرتے ہیں ؟ مع ہذا جناب

۱ - نسخہ اقبال اکیڈمی میں 'صانع' ہے ۔

۲ - 'رہیں' خطوط غالب از مہر میں ردیف اسی طرح ہے ۔

۳ - 'طرہ یہ ہے کہ' ۔ خطوط غالب از مہر ۔

مہاراجا صاحب جمیل المناقب عجم الاحسان بابو پرسدہ نارائن
 کا مورد عنایت رہا ہوں۔ جن دنیوں وہ دلی میں تشریف
 لائے ہیں، اکثر اوقات شریک صحبت رہا ہوں۔ جب
 نا شناسی اور بیگانگی درمیان نہ ہو، تو ان کا نیاز مند کیوں
 ان کا ثنا خوان نہ ہو؟ نہیں نہیں میرا کیا منہ ہے
 ثنا خوانی کا، میں تو عاشق ہوا ان کی شاعر پروری و
 سخن دانی کا۔ حضور نے قدردانی کی، سرور نے گوہر فشان
 کی۔ حضور کا اقبال، سرور کا کمال، حضور کی عالی ہمتی،
 سرور کی خوش قسمتی۔ ان شاء اللہ تعالیٰ یہ نقش صفحہ
 روزگار پر یاد کر رہے گا۔ مصنف کا شہرہ رنگیں یہانی میں،
 مہاراج عالی جاہ کا نام فیض رسانی میں تا روز شہار
 رہے گا۔ لفظ

خاتمه انتخاب غالب

خاتمہ انتخاب غالب

خدا کا شکر بجا لاتا ہوں کہ یہ ۱ مجموعہ مختصر تمام
 ہوا۔ اب خدا سے یہ دعا مانگتا ہوں کہ یہ تحریر میرے
 مرہی اور محسن کے پسند آئے۔ تم نے جانا کہ میرے مرہی
 اور محسن کون ہیں؟ وہ کہ جن کی ہدایت کا شکر گزار اور
 عنایت کا امیدوار ہوں۔ جب نام نامی ان کا دیباچہ کتاب
 میں مرقوم اور عالم میں مشہور ہے تو بار بار حضرت کا نام
 لینا ادب سے دور ہے۔ مگر ہاں خاتمے میں یہ ۲ شعر لکھ دینا
 ضرور ہے :

سب کے دل میں ہے جگہ تیری، جو تو راضی ہوا
 مجھ پہ گویا اک زمانہ مہرباں ہو جائے گا

۱، ۲ - 'یہ' (یہ لفظ خطوط غالب از مہر میں نہیں ہے) -

پیش لفظ 'خاش خماش'
مصنفہ حبیب اللہ ذکا

تمہید

(بقلم خلیل الرحمان داؤدی)

’غاش و خاش‘ حبیب اللہ ذکا کی نظم و نثر فارسی کا مجموعہ ہے جو ذکا کے بڑے بھائی رحمت اللہ رسا کی فرمائش پر مطبع اخبار آصفی حیدر آباد دکن سے ۱۳۰۲ھ میں شائع ہوا۔

حبیب اللہ ذکا ۱۲۴۴ھ مطابق ۱۸۳۰ء میں اودگیر ضلع نیلور میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم اپنے بڑے بھائی منشی رحمت اللہ رسا سے پائی۔ عربی و فارسی کے ماہر تھے۔ شاعری میں میر سہدی ثاقب اور سید مرتضیٰ بیٹش کے سامنے زانوئے تلمذ طے کیا۔ ۵۶-۱۸۵۵ء میں حیدرآباد دکن پہنچے اور نواب مختار الملک سالار جنگ کے میر منشی مقرر ہوئے۔ ۱۸۶۲ء میں مرزا غالب کی شاگردی اختیار فرمائی۔ ۱۸۷۵ء میں وفات پا گئے۔ ان کے انتقال کے ۹ سال کے بعد ان کا مجموعہ نظم و نثر شائع ہوا۔

مرزا غالب نے ذکا کے مجموعہ نظم و نثر 'خاش و خاش' پر پیش لفظ لکھا ہے۔ اس پیش لفظ کے عنوان کی عبارت سے واضح ہے کہ ذکا نے یہ مجموعہ مرزا غالب کی خدمت میں ۱۲۸۱ء مطابق ۱۸۶۴ء میں اصلاح کی غرض سے بھیجا تھا۔ مرزا غالب نے اس مجموعے کی پشت پر اپنی یہ رائے لکھ دی تھی اور اس کے نیچے اپنی سہر بھی ثبت کر دی تھی۔

'خاش و خاش' میں مرزا غالب کے علاوہ نواب مصطفیٰ خان شیفتہ، غلام غوث بے خبر اور منشی نول کشور وغیرہ کے نام کے خطوط بھی ہیں۔

مرزا غالب کا یہ پیش لفظ 'عود ہندی' میں شامل ہو کر پہلے چھپ گیا تھا۔ 'خاش و خاش' کی اشاعت اول ۱۸۸۴ء میں ہوئی۔ اس لیے ذکا کے مجموعہ نظم و نثر کے ساتھ یہ بہت بعد میں چھپا ہے۔ 'عود ہندی' میں شامل پیش لفظ میں کافی غلطیاں ہیں۔ بعض اصحاب نے اس کا عنوان 'دیباچہ دیوان ذکا' رکھا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ محل نظر ہے کیوں کہ جس مجموعے پر یہ تحریر ہے وہ محض دیوان نہیں ہے بلکہ ذکا کی تمام نثر و نظم کا مجموعہ ہے۔

سہواشدر

سہواش عبارت از آنست که اگر اجنبی بتطابق اسباب سے این خان قلب
 و بلوی در سال ہزار و دویست و ہشتاد و یک ہجرت بمصر
 نظم و نثر کے لغز خضر صلاح خدمت لاشان فرستاد و تہدہ پور بقا
 خوشی تمام فہرست مودہ اند و پایاں ان مہر خود و

یہ نکاح سے بادشاہ کا سیر کتس ایسے کامیں کسی شیخ مشایخ و کائنات
 کلام ہر سے نیک دوست روحانی کا ہوا و رفیق بیچہ دوست و کائنات
 مرض علاج میں نظر دشمن کہتا ہوں سب جب تعلق نصیب ارا نہیں ہو
 بھائی نظر آیا ہوں بے حیف و میل کون گناہ میں نصیب خان عالمی
 طرز کا احیا کیا ہوں گر ہر کہہ اوس سے بہتر دیا ہوں قصاید میں انوری
 چہ بہ او شمایا ہوں گر طبیعت اچھا زور دکھایا ہوں غزل میں شاہین کاغذ
 شاعر مسرور گداز فہرست جدید اشعار کا سنو ہر جہان یکہ انداز طرز

آفرین آفرین ہر آفرین صد ہزار آفرین
 آفرین

پیش لفظ

’خاش و خماش‘ مصنفہ حبیب اللہ ذکا

ہوالہ

سواد^۲ عبارتے کہ والا جناب مستطاب نواب اسد اللہ خان غالب دہلوی در سال ہزار و دو صد و ہشتاد و یک برہشت مجموعہ نظم و نثر کہ بہ غرض اصلاح خدمت والا شان فرستادہ شدہ بود بقلم خویش رقم فرمودہ اند و پایان آن مہر خود زدہ اند ۔

یہ کلام کسی بادشاہ کا نہیں ، کسی امیر کا نہیں ،

کسی شیخ شہاد کا نہیں ۔ یہ کلام میرے ایک دوست روحانی کا ہے اور فقیر اپنے دوست^۳ کے کلام کو معرض اصلاح میں بہ نظر دشمن دیکھتا ہے ۔ ہں جب مملق نہیں ، مدارا نہیں تو جو مجھ کو نظر آیا ہے ، بے حیف و میل کہوں گا ۔ نثر میں نعمت خان عالی کی طرز کا احیا کیا ہے ، مگر پیرایہ

۱ ۔ مولانا مہر نے ’خطوط غالب‘ میں اس کا عنوان ’دیباچہ دیوان ذکا‘ قائم کیا ہے ۔

۲ ۔ یہ عبارت ’سواد عبارتے زدہ اند‘..... ’خطوط غالب‘ از مہر میں نہیں ہے ۔

۳ ۔ دوستوں (خطوط غالب از مہر)

کچھ اُس سے بہتر دیا ہے ۔ قصائد میں انوری کا چربہ اٹھایا
 ہے ، مگر طبیعت نے اچھا زور دکھایا ہے ۔ غزل میں
 متاخرین کا انداز ، عاشقانہ سوز و گداز ، منشی حبیب اللہ ذکا ،
 سخن ور ہمہ دان یکتا ، لفظ طراز ، معنی آفرین ، آفرین ،
 صد ہزار آفرین ۔

غالبؑ ۱۳۷۸ھ

ديباچه: ديوان سخن

تمہید

(بقلم خلیل الرحمان داؤدی)

میر انصر الدین حسین خاں 'سخن' دہلوی، مرزا غالب کے تربیت یافتہ اور ان کے فیض صحبت سے مستفیض تھے۔ مرزا غالب سے انہیں تلمذ بھی تھا۔ 'سروش سخن' میں خود سخن نے مرزا غالب کو اپنا 'جد فاسد' لکھا ہے۔ فقہائی اصطلاح میں اس سے مراد 'نانا' ہے۔ ہو سکتا ہے کہ 'سخن' سے مرزا غالب کی یہ قرابت بھی ہو۔

'سخن' نے اپنا دیوان مکمل کر کے مرزا غالب کی خدمت میں دیباچے کے لیے پیش کیا تھا، جس پر مرزا نے موجودہ دیباچہ لکھا تھا۔ یہ دیباچہ بھی 'عود ہندی' میں شامل کر لیا گیا اور دیوان سخن کی اشاعت سے پہلے یہ 'عود ہندی' میں شامل ہو کر منظر عام پر آ گیا۔ دیوان سخن کی اشاعت اول مطبع نول کشور لکھنؤ سے ۱۸۸۶ء میں ہوئی۔ سخن ۱۸۸۶ء تک دیوان میں اضافے کرتے رہے۔ یہی وجہ ہے کہ دیوان سخن کا

سال تصنیف ۱۳۰۵ھ مطابق ۱۸۸۶ء دیا گیا ہے۔
مرزا غالب کی وفات ۱۳۸۵ھ مطابق ۱۸۶۹ء میں ہو
چکی تھی۔ اس لیے دفعۃً یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ
۱۸۶۹ء میں وفات پانے والا شخص ۱۸۸۶ء میں تصنیف
پر دیباچہ کیسے لکھ سکتا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے
کہ سخن نے مرزا غالب سے ان کی حیات میں ہی
اپنے دیوان کا دیباچہ لکھا لیا تھا، جسے مرزا کی وفات
کے ۱۷ سال بعد شائع کیا گیا۔

جہاں تک مجھے علم ہے ’دیوان سخن‘ صرف ایک
مرتبہ ۱۸۸۶ء میں مطبع نول کشور سے شائع ہوا۔ یہ
دیباچہ بھی صرف ایک بار اس دیوان کے ساتھ شائع
ہوا۔ عود ہندی میں شامل ہو کر یہ دیباچہ لاتعداد
مرتبہ شائع ہو چکا ہے لیکن عود ہندی میں شمولیت
کے بعد اس میں کچھ غلطیاں رہ گئی تھیں جن کی اصلاح
نہیں ہو سکی۔ میں نے اس کا صحیح متن براہ راست
’دیوان سخن‘ سے اخذ کیا ہے۔

دیباچہ دیوان سخن

نام خدا ، سلطان قلم رو سخن ، دیوان خاص میں
 رونق افزا ہوا ہے اور ”نگاہ رو برو“ ”بادشاہ سلامت“ کا
 شور ہر طرف بپا ہے ۔ اہل نظر پادشاہ کا حسن و جمال اور
 بارگاہ کی عزو شان دیکھیں ۔ سخن وروں کے ہزاروں دیوان
 دیکھے ہوں گے ، اب سخن کا دیوان دیکھیں ۔ زہے شاعر
 یکتا و نامی کہ جس کا پیارا نام ’سخن‘ ہے ، یعنی ہمہ تن
 سخن اور کام سخن ہے۔ ثرة العین خواجہ سید محمد فخرالدین حسین
 کو اگر سخن ور بے عدیل کہوں تو بجا ہے ، کیوں کہ
 اس کا حسن کلام میرے دعوے پر دلیل اقویٰ ہے ۔ اس
 بحر کار جادو نگار نے پری زادن معنی کو الفاظ کے
 شیشوں میں اس طرح اتارا ہے جیسے آبگینہ سے رنگ
 سے نظر آئے ، لفظ سے جلوۂ معنی آشکار رہے ۔ میں
 مغلوب دھر ، غالب نام جو بازار ہستی میں متاع کلد ہوں ،
 یہ حسب اصطلاح فقہا اس سید زادۂ قدسی نہاد کا جسد فاسد
 ہوں ۔ چشم بد دور هنوز آغاز جوانی اور نو بہار باغ زندگانی
 ہے ۔ عمر کے لیے دفتر قضا و قدر میں حکم دوام لکھا گیا

ہے ۔ پس اگر جودت فکر طبیعت کی روانی ہے ، اغلب ہے
ذوق شعر اور شغل تحریر اشعار چلا جائے گا ، پھر تو یہ
دیوان اوراق افلاک ، میں نہ جائے گا ۔

دیباچه قصاید میرزا کلب حسین خاں

تمہیل

(بقام خلیل الرحمان داؤدی)

مجھے افسوس ہے کہ 'قصاید مرزا کلب حسین خاں،
کا مجھے کوئی نسخہ دست یاب نہیں ہو سکا۔ اس کا یہ
دیباچہ جو مرزا غالب کا تحریر کردہ ہے، غالب کے
رقعات کے ساتھ مسلسل چھپ رہا ہے۔ دوسرے دیباچوں
کی طرح سے یقیناً اس کا متن بھی اصل سے کافی مختلف ہو چکا
ہوگا۔ لیکن جب اصل متن موجود نہ ہو تو اس کی
تصحیح کس طرح سے ہو۔

میرے خیال میں مرزا کلب حسین خاں وہی ہیں
جو 'نادر' تخلص کرتے تھے اور ڈپٹی کلکٹری کے عہدے
پر ممتاز تھے۔ انہیں کا مشہور شعر آزاد نے 'آب حیات' میں
نقل کیا ہے :

لوگ کہتے ہیں کہ فن شاعری بدنام ہے
شعر کہتے کہتے میں ڈپٹی کلکٹر ہو گیا

اعتصام الدولہ مرزا کلب حسین خان بہادر مبارز جنگ المتخلص بہ نادر بنارس کے رئیس اور احترام الدولہ دبیر الملک نواب مرزا کلب علی خان بہادر ہیبت جنگ کے صاحب زادے تھے۔ مرزا کلب حسین خان نادر، ناسخ کے شاگرد تھے۔ ان کا انتقال ۱۲۹۵ھ میں ہوا۔ وہ بڑے کثیر التصانیف تھے۔ تذکرہ نگاروں نے ان کے کئی ضخیم دیوانوں کا ہٹا دیا ہے۔ ان کی نثری تصانیف میں تذکرۃ شوکت نادری، شرح خاتمة العناقب، ضائل الشهداء، تلخیص معلیٰ اور سرب لایہ ہیں۔ دیوان غریب میں غنیمات ہیں۔

مرزا کلب حسین خان نادر بڑے خوش عقیدہ بزرگ تھے۔ آزاد لکھتے ہیں: ”خوش اعتقادی ان کی قابل رشک تھی یعنی وصیت کی تھی کہ بعد وفات میرے ایک ہاتھ میں سلاموں اور مرثیوں کا دیوان دینا اور دوسرے ہاتھ میں قصاید کا دیوان رکھ دینا جو بزرگان دین کی مدح میں کہے ہیں۔“ (”آب حیات“ از آزاد)

مرزا غالب نے جن ”قصاید مرزا کلب حسین خان“ پر دیباچہ لکھا ہے ان میں بھی ۱۰۰ قصیدے آئمہ معصومین کی مدح میں ہیں۔ اس لیے میرا گان غالب ہے کہ یہ وہی مرزا کلب حسین خان ہیں جو نادر تخلص کرتے تھے اور مداح آئمہ اطہار کی حیثیت سے معروف ہیں۔ معلوم نہیں کہ مرزا کے دیباچے کے ساتھ وہ قصاید کب شائع ہوئے۔ بہر حال مرزا کا یہ دیباچہ عود ہندی میں شامل ہو کر شائع ہوتا رہا ہے۔

دیباچہ قصاید میرزا کلب حسین خان

۔ سبحان اللہ ! شاہد سخن کمال حسن میں لائے ہوئے ہے ۔
 بیچ تو یہ ہے کہ یوسف کنعان معانی ہے ۔ کنعان ہو ،
 کنوان ہو ، کاروان ہو ، کوئی جگہ ، کوئی مقام ، کوئی مکان ہو ،
 زلف ویسی ہی معتبر ، عارض بدستور تاب دار ۔ لب کی
 جان بخشی کا وہی عالم ، چشم اسی طرح بیمار مع ہذا جو
 سلطنت مصر کے زمانے کا جہاں تصور میں لائے گا ، وہ
 آفتاب تابان کو حضرت یوسف کا ادنیٰ ذرہ پہائے گا ۔ لو
 ہم ابھی قلم رو سخن سے آئے ہیں ، حسن پرستان سخن کے
 واسطے نوید سراسر امید لائے ہیں ۔ سنی سنائی نہیں کہتے ،
 نہ دیکھ آئے ہوئے تو چپ رہتے ۔ امید یہ کہ دانش مند
 آدمی بھی باور کریں ، نوید یہ کہ دیدہ ور لوگ نظر کریں
 کہ یوسف سخن کنعان و چاہ و کاروان و بازار و زندان
 سے نکل کر تخت فرمان روائی مصر پر جلوہ افروز ہوا ہے ۔
 زلیخائے عشق کے گھر عید ہوتی ہے اور یوسف حسن کی
 سرکار میں نوروز ہوا ہے ۔ غالب آشفته ، تو سن اس ورق
 کے ناظرین جب تک رمز نہ جانیں گے ، تیری بات کبھی نہ
 مانیں گے ۔ کیوں نہیں کہتا کہ خالق نے نواب عالی جناب والا
 دودمان مرزا کلب حسین خان کو کیا اچھی طبیعت بخشی

ہے جو انہوں نے ان اوراق کو اپنے اشعار سے رونق اور اشعار کو نعت و منقبت سے زینت بخشی ہے ۔ دیباچہ نگار نے اس مجموعہ نظم کو مصر فرض کیا ہے اور شاہد معنی کو یوسف قرار دیا ہے ۔ جس کتاب میں آئمہ معصومین علیہم الصلوٰۃ السلام کی مدح کے سو قصیدے زینت اوراق ہوں ، ان اوراق کے سواد کیوں سرمہ چشم اہل دین اور وہ اوراق کیوں نہ سرز بازوئے مومنین آفاق ہوں ۔ میں غلو رقت پر ناز کرتا ہوں کہ آئمہ اظہار کے مداح کا ستائش گر ہوں اور بذریعہ اس ستائش کے 'غالب' پر غالب یعنی اپنے سے چتر ہوں ، اس دعویٰ کا گواہ ، اسد اللہ نقط ۔

خاتون شعاع مهر
مصنفه

مرزا حاتم علی بیگ مهر

تمہید

(بقلم خلیل الرحمان داؤدی)

مرزا حاتم علی بیگ مہر، مرزا غالب کے مکتوب الیہ کی حیثیت سے اچھے خاصے معروف ہیں۔ یہ مرزا غالب کے شاگرد نہیں تھے بلکہ لکھنؤ کے رہنے والے تھے اور شیخ امام بخش ناسخ کے شاگرد تھے۔ انہوں نے لکھنؤ کی رہائش ترک کر کے اکبر آباد (آگرے) کو وطن بنا لیا تھا۔ آخری زمانے میں منصف ہو گئے تھے۔ جلی بار منصف ہو کر چنار گڑھ گئے تو یہ شعر موزوں فرمایا :

از بسکہ سوز ہجر سے خوگر ہوتے ہیں ہم
منصف چنار گڑھ کے مقرر ہوتے ہیں ہم

اپنے عہد کے اچھے شعراء میں شمار تھا۔ مرزا غالب سے تعلقات خصوصی تھے۔ مرزا حاتم علی بیگ کی یہ مشہور عالم مثنوی 'شعاع مہر' مکمل ہوئی تو مرزا سے اس پر تفریظ لکھنے کے لیے فرمائش کی گئی۔

جناں چہ مرزا نے خوب جی کھول کر داد سخن دی ہے۔ یہ تقریظ بھی 'عود ہندی' میں شامل ہو کر پہلے شائع ہو گئی۔ اصل متن 'شعاع مہر' کے ساتھ عد میں شائع ہوا۔

خاتمہ شعاع مہر

(مصنفہ مرزا حاتم علی بیگ مہر)

اللہ اللہ نطق کو آفریدگار نے کیا پایہ اور کیا سرمایہ
 دیا ہے کہ امور دینی میں سے کسی امر کا شہود اور مصالح
 دنیوی میں سے کسی مصلحت کا وجود بلکہ اگر یہ مثل
 اسم اعظم فرض کیجیے تو اس کی بھی نمود جب تک اس
 لطیفہ غیبی کا شعول نہ ہو ، عالم امکان میں ممکن نہیں ۔
 مسائل حکیمانہ کی ہستی ، ترہات ندرمانہ کی مستی ،
 درد و درمان کے مدارج کا اظہار ، المانہ و افسوں کے مقاصد
 کا مدار ، شکر و شکایت کا عنوان ، نثرین و آفرین کا بیان ،
 رد و قبول کی حکایت ، فتح و شکست کی روایت ، صرف و نحو
 کی رازدانی ، نثر و نظم کی گل نشانی ، جو کچھ اگلوں نے
 کہا ہے ، جو کچھ اب کوئی کہہ رہا ہے ، جو کچھ آگے
 کہیں گے ، اور قیامت تک کہتے رہیں گے ، جو کچھ متعلق
 نیک و بد ، نو و کهن سے ہے ، سب وابستہ نطق سخن ہے ۔
 اب سمجھیے کہ سخن از روئے مثل کیا ہے ۔ چشمہ ہے ؟
 ندی ہے ؟ سیل ہے ؟ دریا ہے ؟ کہسی روانی ہے ؟ کس
 زور کا پانی ہے ؟ اس کا چڑھاؤ ، اس کی رفتار ، اس پر کس

کا زور ، کس کا اختیار ؟ چدر منہ کیا ادھر نالہ بہا دیا ۔
 درہا کی لہر کیا گھوڑے کی باگ ہے کہ کسی کے ہاتھ میں
 ہو ۔ وہاں اعلیٰ خرد کو اٹھا لینا چاہیے ، جو لطف جس
 بات میں ہو ۔ یہ مثنوی کہ مجموعہ دانش و آگہی ہے
 اگرچہ اس کو سفینہ کہہ سکتے ہیں ، لیکن فی الحقیقت ایک
 نہر ہے کہ بحر سخن سے ادھر بھی ہے ۔ سخن ایک معشوقہ
 پری پیکر ہے ، تقطیع شعر اس کا لباس اور مضامین اس کا زیور ہے ۔
 دیدہ وروں نے شاہد سخن کو اس لباس اور زیور میں
 روکش ماہ تمام پایا ہے ۔ اس رو سے اس مثنوی نے
 'شعاع مہر' نام پایا ہے ۔ کہیں یہ نہ سمجھنا کہ یہاں
 مہر سے مراد آفتاب ہے ۔ یہ شعاع اس مہر کی ہے جو ذرۂ
 خاک راہ بوتراپ ہے ۔ سچ تو یوں ہے کہ سخنور
 روشن ضمیر مہر چہرہ مرزا حاتم علی مہر کو سخن طرازی
 میں بدیضا ہے ۔ اور از روئے انصاف اس طرح سے کہ نہ ادھر
 سے لاف نہ ادھر سے گزاف ، بیچ بیچ ، صاف صاف یہ مہر
 اپنے ہم نام مہر سپہر کا ہم چشم اور ہمتا ہے ۔ سب جانتے
 ہیں کہ غالب کا شیوہ درویشی و آزادہ روی ہے ۔ مہر کے
 حسن گفتار اور میرے صلیق اظہار پر برہان قاطع یہ مثنوی
 ہے ۔ میں فن تارخ و فن معانی سے بیگانہ ہوں ، صرف
 حسن خدا داد معنی کا دیوانہ ہوں ۔ مثنوی کی طرز تحریر
 دل پزیر ہوئی ، اس سے یہ تقریظ دل پزیر تحریر ہوئی ۔
 چاہیے یوں کہ کوئی کاتب کسی وقت میں اس تقریظ کو
 مثنوی سے جدا نہ کرے ۔ ہاں گنجائش اس کی ہے کہ کسی
 زمانہ میں سمو و غفلت سے یہ امر واقع ہو ۔ یہاں ہم
 کہتے ہیں کہ خدا نہ کرے ۔ ۱۲ ۔

اردوئے معلیٰ کا حق تصنیف

تمہید

(بقلم خلیل الرحمان داؤدی)

مرزا غالب کے رقعات کا پہلا مجموعہ 'عود ہندی' کے عنوان سے ۱۰ رجب ۱۲۸۵ھ مطابق ۲۷ اکتوبر ۱۸۶۸ء کو (مرزا کی وفات سے تقریباً چار ماہ قبل) مطبع مجتہائی میرٹھ سے مولوی ممتاز علی صاحب نے شائع کیا۔ دوسرا مجموعہ 'اردوئے معلیٰ' ۶ مارچ ۱۸۶۹ء کو (مرزا غالب کی وفات کے ۱۹ دن بعد) مطبع اکمل المطابع دہلی سے شائع ہوا۔

اردوئے معلیٰ اگرچہ مرزا کی وفات کے ۱۹ دن بعد شائع ہوا، لیکن اس کی طباعت مرزا کی حیات میں ہی تقریباً مکمل ہو چکی تھی۔ مطبع اکمل المطابع سے ہی مرزا کی اکثر تصانیف شائع ہوئی ہیں۔ حکیم غلام رضا خاں سے مرزا کے تعلقات بہت ہی مخلصانہ تھے۔ چنانچہ اردوئے معلیٰ کا حق تصنیف بھی مرزا نے حکیم غلام رضا خاں مالک مطبع اکمل المطابع دہلی کو دے دیا تھا۔ یہ عبارت مرزا نے

بظور انتقال نامہ حق تصنیف تحریر فرمائی تھی ۔
 مولانا مرتضیٰ حسین صاحب صدر الاناضل لکھنؤی کے
 پاس اردوئے معلیٰ کی اشاعت اول کا ایک عمدہ نسخہ
 ہے جس کے خاتمے پر یہ عبارت موجود ہے ۔ میں
 نے وہیں سے نقل کی ہے ۔ اس طرح سے میں پہلی بار اسے
 مکمل اور صحیح صورت میں پیش کر رہا ہوں ۔

اردوئے معلیٰ کا حق تصنیف

پیکر بے روح و رواں ، فقیر اسد اللہ خان 'غالب' ،
تخلص ہرچمدان کہتا ہے اور لکھ دیتا ہے کہ یہ جو اردوئے
معلیٰ تصنیف فقیر مطیع اکمل المطابع دہلی میں چھاپا ہوا ،
سو میں نے از راہ فرط محبت اپنا حق تالیف نور چشم
اقبال نشان حکیم رضا خان کو بخش دیا ہے اور اس حق کو
خاص ان کا حق کیا ۔ اب کوئی اور صاحب اگر مالک
اکمل المطابع حکیم رضا خان کے بے اطلاع اردوئے معلیٰ
کے 'چھاپنے کا قصد کریں گے تو مواخذہ سے محفوظ نہ
رہیں گے اور فوراً حسب منشا قانون ہستم ۱۸۳۷ء سن
پائیں گے ۔

۱۔ غلام رضا خان (خطوط غالب از مہر)

۲۔ یہ لفظ 'خطوط غالب' از مہر میں نہیں ہے ۔

بہادر نظام

جنگ

الملک اسد اللہ خان

۱۲۶۷ء نجم الدولہ دیر

(مہر نجم الدولہ دیر الملک اسد اللہ خان بہادر)

(نظام جنگ ۱۲۶۷ھ)

سارٹیفکیٹ

(جو سید محمد ذکریا خان رضوی زکی کو دیا گیا)

تمہید

(بقلم خلیل الرحمان داؤدی)

سید محمد ذکریا خان زکی ۱۸۳۹ء میں دہلی میں پیدا ہوئے۔ وہ سید محمود خاں المتخلص بہ 'محمود' کے صاحب زادے تھے۔ فارسی، عربی، منطقی اور ریاضی کے لیے زکی نے مرزا غالب، امام بخش صہبائی اور پنٹل رام کرشن بسمل کا تلمذ اختیار کیا۔ ۱۸۵۷ء کی شورش میں دلی سے نکل پڑے اور صوبجات متحدہ آگرہ و اودھ میں ملازم ہو گئے۔ مدتوں تک یو۔ پی میں ڈپٹی انسپکٹر مدارس رہے۔ ۱۹۰۳ء میں ان کا انتقال ہوا۔

زکی نے اپنا دیوان مرتب کر کے مرزا غالب سے اس پر کچھ لکھنے کی فرمائش کی تھی۔ مرزا کی یہ تحریر اسی فرمائش کا نتیجہ ہے۔ یہ تحریر ان کے دیوان کے ساتھ پہلی مرتبہ ۱۸۹۵ء میں شائع ہوئی۔ اس کے بعد مولانا سید مرتضیٰ حسین صاحب صدر الافاضل لکھنؤی نے ”غالب کے تین خط اور ایک تحریر“ کے عنوان سے ماہ نامہ ’آج کل‘ دہلی بابت مارچ ۱۹۵۱ء

میں شائع کیا ۔

نواب سید محمد ذکریا خان رضوی زکی کے چند
اشعار پیش کرتا ہوں :

سو حسرتوں سے بوجھنا میرا کہ جاؤ گے
ان کا وہ ایک ناز سے کہنا کہ ”ہاں چلے“

ہکڑا رقیب ان سے کہ وقعت بنی رہے
میں سادگی سے خوش کہ دم کا اثر ہوا
اپنے استاد غالب کے رنگ میں :

غالب

قید حیات و بند و غم اصل میں دونوں ایک ہیں
سوت سے پہلے آدمی غم سے نجات پائے کیوں

اس سادگی پہ کون نہ مر جائے اے خدا
لڑتے ہیں اور ہاتھ میں تلوار بھی نہیں

زکی

سورج، سوالم ہیں جہاں ہر نفس کے ساتھ
دم کا نہیں شمار تو پھر غم کا کیا حساب

کیا اعتماد ہے نکلے ناز پر انہیں
برہم ہیں اور ہاتھ میں خنجر نہیں ہنوز

سارٹیفکٹ

”سبحان اللہ سارٹیفکٹ لکھنے کا کس وقت میں اتفاق ہوا ہے کہ میں نیم جان چند روز کا مہمان ہوں۔ مہینا بھر سے غذا بالکل مفتود، صرف گوشت کے ہانی پر مدار ہے۔ اگر آنکھوں تو دوران سر سے گر پڑوں۔ سید محمد ذکریا خان نسب میں امیر زادہ عالی دودمان، ان کے بزرگ وزارت کا منصب پا چکے ہیں۔ جاگیر اب تک تھی۔ پھر یہ عوض جاگیر پنشن مقرر ہوئی۔ مع ہذا یہ شخص بذات خود نیک اور صاحب علم اور متواضع اور دانش مند اور نیک طبیعت اور رنگین طبع۔ معنی سے طبیعت کو علاقہ اچھا ہے۔ شعر کہنے اور خوب کہتے ہیں۔ اس فن میں میرے شاگرد رشید ہیں۔

اسد اللہ خان غالب

۱۲۸۳

محمد اسد اللہ خان

تصدیق

(انشائے فارسی مصنفہ منشی حکم چند کے خاتمے پر)

تمہید

(بقلم خلیل الرحمان داؤدی)

منشی حکم چند اس زمانے کے دلی کے مشہور مضمون نگار اور نام ور فارسی دان تھے۔ یہ مولوی امام بخش صہبائی کے شاگرد تھے۔ مرزا غالب نے 'قاطع القاطع' کے سلسلے میں امین الدین پٹیالوی پر ازالہ حیثیت عرفی کی جو نالش کی تھی اس میں گواہان استغاثہ میں منشی حکم چند (ولد رام دیال قوم اہیر ساکن کاری کوٹی عمر ۳۶ سال) موجود ہیں۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ مرزا غالب، منشی حکم چند کو کس درجہ لائق اور قابل اعتماد سمجھتے تھے۔

منشی حکم چند نے "واسطے فائدہ مبتدیان کے" 'انشائے فارسی' تالیف کی۔ اس کتاب کے دو باب ہیں۔ پہلے باب میں بزرگوں اور ہمسرؤں کے نام خطوط ہیں۔ دوسرے باب میں ان اصحاب کے نام خطوط ہیں جو عمر اور رشتے میں چھوٹے لگتے ہیں۔ آخر میں انشا نویسی کے سلسلے میں متفرق چیزیں ہیں۔ میرے

پیش نظر جو نسخہ ہے وہ مطبع منٹگمری پریس لاہور میں باہتمام مجدد بخش ۱۸۷۳ء میں پہلی بار چھپا ہے۔ صفحہ ۲۴ پر اس کا خاتمہ ہے جہاں مرزا غالب کی یہ 'تصدیق' چھپی ہوئی ہے۔ یہ تصدیق آج تک کہیں اور نہیں چھپی اور نہ آج تک کسی نے اس کی نشان دہی کی ہے۔ میں پہلی بار اسے منظر عام پر لا رہا ہوں۔

تصدیق

نجات کا طالب اسد اللہ خاں غالب کہتا ہے کہ
میں نے اس نگارش کو سر بسر دیکھا۔ فارسی مروجہ
حال کی طرز و روش کے موافق بہت خوب اور پسندیدہ ہے۔
مشفق منشی حکم چند صاحب قابل آدمی اور مولوی
امام بخش صاحب مہربانی کے شاگرد رشید ہیں۔

فقط

شہادت

(مولوی حیدر علی کے مباہلے سے متعلق)

تہذیب

(بہ قلم خلیل الرحمان داؤدی)

انقلاب ۱۸۵۷ء سے قبل ۵۶-۱۸۵۵ء مطابق ۱۲۷۱-۵۱ء میں دہلی میں مولوی حیدر علی صاحب منشی الکلام اور سید رجب علی خاں کے مابین مباہلے کا ایک ہنگامہ ہوا۔ مقامی اخبارات نے اس میں اچھی خاصی دل چسپی لی۔ مولوی محمد باقر (والد ماجد مولوی محمد حسین آزاد) اور مولانا حیدر علی کے شاگردوں نے اس میں خوب حصہ لیا تھا۔ اخبار ”نور مشرق“ دہلی میں شیخ امداد صاحب شاگرد مولوی محمد باقر نے اس مباہلے کے لیے کچھ لکھا۔ اس کے جواب میں مولوی انوارالحق صاحب شاگرد مولوی حیدر علی نے ایک رسالہ مطبع مرتضوی دہلی سے شوال ۱۲۷۱ء میں بہ اہتمام حافظ محمد غیاث الدین شائع کرایا۔ یہ ۲ صفحات کا رسالہ ہے۔ آخری صفحہ ہر مرقومۃ الذیل اصحاب کے دستخط و مواہیر ثبت ہیں :

- ۱ - مہر و عبارت نواب امین الدین احمد خان بہادر -
- ۲ - مہر احترام الدولہ معتمد الملک حکیم محمد احسن اللہ خان بہادر -

- ۳ - مہر مولانا مفتی محمد صدرالدین خان بہادر -
- ۴ - مہر نواب سعادت علی خان بہادر -
- ۵ - مہر نواب حسین علی خان بہادر -
- ۶ - مہر عضد الدولہ حکیم غلام نجف خان بہادر -
- ۷ ، ۸ ، ۹ - تینوں مہریں صاف نہیں ہیں -
- ۱۰ - ان کے علاوہ مرزا غالب کی مہر اور عبارت ہے - مرزا کی مہر میں یہ عبارت ہے :
- ”نجم الدولہ دبیر الملک نظام جنگ بہادر“

مہر کے علاوہ مرزا نے جو عبارت اپنے قلم سے لکھی تھی وہ یہاں نقل کی گئی ہے -

میں نے یہ عبارت رسالہ مطبوعہ ۱۲۷۱ھ مطابق ۱۸۵۵ء سے براہ راست نقل کی ہے - میرے علم میں غالب کی یہ اردو عبارت آج تک اور کہیں نہیں چھپی اور نہ کسی نے آج تک نشان دہی کی ہے - میں پہلی بار اسے منظر عام پر لا رہا ہوں -

شہادت

بحث ملت و مذہب سے مجھ کو کچھ علاقہ نہیں ۔
صرف اداۓ شہادت کرتا ہوں ، از روئے صدق ۔ اور وہ یہ
ہے کہ مولوی حیدر علی صاحب نے ہرگز مباہلے سے انکار
نہیں کیا اور وہ آمادہ تھے مباہلے پر ۔
نقطہ ۔ بے گناہ اسدا اللہ ۔

سائے

بحث تاریخ گوئی مابین نواب محمد واجہ الدین خاں مغی
و میر محمد زکی سے متعلق

تمہید

(بقلم خلیل الرحمان داؤدی)

تحسین سروری صاحب نے 'غالب کی ایک
 غیر مطبوعہ تحریر' کے عنوان سے ایک مضمون
 'اردو نامہ' (پانچواں شمارہ بابت جولائی تا ستمبر ۱۹۹۱ء)،
 کراچی میں سپرد قلم فرمایا ہے۔ تحسین صاحب نے
 پروفیسر عبدالقادر سروری صاحب صدر شعبہ اردو
 عثمانیہ یونیورسٹی کے یہاں ایک مخطوطہ دیکھا جس پر
 مرزا غالب کی اپنی رائے تحریر کی ہوئی موجود تھی۔
 تحسین صاحب نے غالب کی وہ نادر تحریر شائع کی ہے
 اور مخطوطے کے مطالب پر بھی کچھ روشنی ڈالی ہے۔
 مخطوطے کی کیفیت یہ ہے کہ وہ محاسن ساٹھ اوراق کا
 ایک رسالہ ہے جس کا کوئی عنوان نہیں ہے۔ اس رسالے
 میں فن تاریخ گوئی کے متعلق ایک بحث ہے۔
 حیدر آباد دکن میں نواب محمد وجہ الدین خاں مغل اور
 اور میر محمد زکی متخلص بہ زکی کے درمیان تاریخ گوئی کے
 کسی مسئلے پر بحث چھڑ گئی۔ وجہ الدین خاں مغل

فرماتے تھے کہ تائے مستدیرہ، جو تاریخ گوئی کی اصطلاح میں تائے مشتاة فوقانی بھی کہلاتی ہے اور ہائے سدورہ کی شکل میں بھی لکھی جاتی ہے، یہ قاعدۂ ابجد اس کے چار سو عدد شمار کرنے چاہئیں۔ لیکن میرزگی کہتے تھے کہ یہ قاعدہ غلط ہے۔ ان دونوں بزرگوں کی بحث کے سواد سے ایک اچھی خاصی کتاب بن گئی۔ فریقین کی تحریریں یک جا کرنے کے بعد دس ہندسہ اوراق سادہ لگا دیے گئے تھے تاکہ ہندوستان کے ماہرین فن سے رائے لی جا سکے۔ تحسین صاحب کے خیال میں ۲۵، ۳۰ اصحاب کی رائیں اس پر ثبت ہیں۔ آخری صفحہ پر مرزا غالب کی تحریر ہے جس کے خاتمے پر انہوں نے اپنی ۵۱۲۶۷ والی مہر لگا دی ہے۔ غالب کے بعد صرف ایک رائے اور ہے اور وہ نواب ضیاء الدین احمد خاں نیر و رخشاں کی ہے جو فارسی زبان میں ہے۔ تمام کتاب فارسی زبان میں ہے۔ سب لوگوں کی رائے، فارسی زبان میں ہیں، لیکن مرزا غالب نے اردو میں اپنی رائے کا اظہار فرمایا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ کتاب دہلی میں مرزا غالب کو بھیجی گئی اور وہاں سے واپس آئی تو پھر کہیں نہیں گئی۔ مرزا غالب کی یہ وہی نادر تحریر ہے جو ”سین سروری صاحب نے ’اردو نامہ‘ میں شائع کی اور میں وہیں سے اسے یہاں نقل کر رہا ہوں۔

تحسین سروری صاحب نے لکھا ہے کہ انہوں نے یہ نقل پروفیسر عبدالقادر سروری کے مخطوطے سے حاصل کی ہے۔ لیکن خلیق انجم صاحب نے ’غالب کی نادر تحریریں‘

(ناشر مکتبہ شاہراہ دہلی فروری ۱۹۶۱ء) میں ضخیمہ کے طور پر اسے شامل کیا ہے اور فٹ نوٹ میں لکھا ہے کہ انہیں یہ نقل ڈاکٹر مختار الدین احمد آرزو سے حاصل ہوئی ہے۔ اور ڈاکٹر مختار الدین احمد آرزو نے اس قلمی نسخے سے لی ہے جو کتب خانہ محمد اشرف صاحب المبینٹر حیدر آباد دکن میں محفوظ ہے۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا عبدالقادر سروری صاحب والا مخطوطہ وہاں پہنچ گیا یا کوئی اور نسخہ ہے اور اگر کوئی اور نسخہ ہے تو مرزا غالب نے کیا متعدد نسخوں پر اپنی رائے کا اظہار کیا تھا۔ پھر حال دونوں قلمی نسخے ہیں۔ تحسین سروری صاحب کو ایک نسخہ عبدالقادر سروری صاحب کے یہاں ملا اور ڈاکٹر مختار الدین احمد آرزو کو دوسرا نسخہ کتب خانہ محمد اشرف صاحب المبینٹر حیدر آباد کے یہاں مل گیا۔

دائے

”یہ سب دنیا کہ اسد کہلاتا ہے اور تخلص اپنا غالب بتاتا ہے قول الہامور و معذور کا پاس کرتا ہے اور حضرات المجمن فیض سے التماس کرتا ہے کہ میں استفتاء کے سزاوار نہ تھا اور اب جو ہو چکا گیا تو سچ سچ کہتا ہوں کہ میں فن تاریخ و معارف سے بے گانہ ہوں۔ دیوان میں جو تاریخی مندرج ہیں بیش تر مادے اوروں کے اور قطعے فقیر کے ہیں۔ کبھی کوئی مادہ بھی عامیانہ کہہ دیا ہوگا۔ ہاں حضرت مبداء فیاض نے گنجینہ معنی سے بہت کچھ مجھ کو دیا، میں نے سراسر قصیدہ و غزل و مثنوی و رباعی میں صرف کیا۔ البتہ بہ زور قوت ابداع مادۂ تاریخ میں نیا شیوہ نکالا :

ز سال واقعہ میرزا مسیحا یک

سات راست شار ائمہ ایجاد (۱۲)

صحیفہ ہائے مہاوی میں از عشرات (۳)

حدیفہ ہائے بہشتی مشخص از احاد (۸)

(۸۱۲۳۸)

ایضاً

از بروج سپہر جوئے مات
 عشرات از کسواکب سیار
 (۱۲۷۰ء)

یہ دونوں قطعے کلیات فارسی (منظومۃ مطبع اودہ) اخبار لکھنؤ میں چھاپے گئے ہیں۔ اور وہ مجلد مجموعے بلاد عند میں پہنچ گئے ہیں۔ اشرف البلاد حیدرآباد میں اگر دو چار نہ ہوں گے تو ایک نسخہ میرا بھیجا ہوا جناب منشی حبیب اللہ خاں ذکا کے پاس ضرور ہوگا۔ اس میں مشاہدہ کیا جائے۔ اب یہ اتباع حکم احباب جس فن کو نہیں جانتا اس کے مخصوص میں عرض کرتا ہوں کہ میں نے یہ مسائل اس سفینے کے سوا کبھی نہیں دیکھے، اب جو دیکھے تو باللہ اس سے زیادہ نہیں سمجھا کہ ایک گروہ تائے دراز کے چار سو عدد اور تائے مستدیرہ کے پانچ عدد لیتا ہے۔ پس نہ جناب نواب صاحب وجہ الدین خان بہادر 'مفی' اپنے دعوے میں منفرد ہیں اور نہ حضرت سید صاحب میر محمد ذکی 'ذکی' اپنے دعوے میں قنہا۔ میں جو ایک جہت اختیار کروں تو دوسری جہت والوں کو کہ وہ بھی اشخاص کشیر اور سب فاضل تحریر ہیں کیا جواب دوں۔ اور ان کے دلائل کو کن دلائل سے رد کروں۔ امید کہ حضرات طرفین یہ موجب مفہوم 'لا یكلف الله نفسها الا وسعها' اس پر

ہفتاد و شش سالہ ضعیف الحواس کو معفو فرمائیں۔ ۴۴

ہادر نظام
جنگ

اسد اللہ خان

الملک

نجم الدولہ دیر

۱۲۶۷ھ

عرض داشت

منجانب مرزا اسدالله خان غالب دهلوی
بخدمت جناب مهاراجا صاحب ریاست الور

تمہیل

(بقلم خلیل الرحمان داؤدی)

ریاست الور سے مرزا غالب کا بڑا گہرا تعلق رہا ہے۔ مرزا کے والد مرزا عبداللہ بیگ خان بھی آخری زمانے میں الور پہنچ گئے تھے اور راؤ راجا بختاور سنگھ والی الور کے زمانے میں ایک گڑھی کے زمینداروں کی سرکوبی کے دوران گولی لگ جانے سے فوت ہو گئے تھے اور راج گڑھ میں دفن ہوئے۔ راجا بختاور سنگھ رئیس الور نے دو گڑوں سیر حاصل اور کسی قدر روزینہ میرزا مرحوم کے دونوں لڑکوں کی پرورش کے واسطے مقرر کر دیا جو ایک مدت دراز تک جاری رہا۔ یہ حادثہ ۱۸۰۳ء میں پیش آیا تھا جب مرزا کی عمر صرف ۵ سال کی تھی۔ اس کے بعد مرزا غالب کا الور سے مستقل طور پر تعلق رہا۔ ۱۸۶۰ء میں مرزا نے ایک قصیدہ راجا شیو دھان سنگھ والی الور کی مدح میں لکھا جس میں اپنے حقوق جتانے کے لیے اس طرح اشارہ کیا ہے :

کافی بود مشاہدہ ، شاید ضرور نیست
در خاک راج کڑھ ہدم را بود مزار

خواجہ بدرالدین خان عرف خواجہ امان دہلوی (جو کہ
غالب کے ہم جد ہوتے تھے) بھی مہاراجا شیودھان سنگھ
والیؔ النور کی سرکلر سے وابستہ رہے ۔ الغرض غالب
اور اس کے خاندان کا تعلق کسی نہ کسی طرح
مہاراجا النور سے رہا ۔

مجھے یہ عرض داشت مولانا مرتضیٰ حسین صاحب
صدر الافاضل لکھنؤ سے دستیاب ہوئی ہے ۔ ان کا کہنا
ہے کہ مرزا نے یہ عرض داشت مہاراجا صاحب
رباست النور کی خدمت میں پیش کی تھی ۔ اگرچہ اب
مولانا مرتضیٰ حسین صاحب کو صحیح طور پر یہ یاد
نہیں رہا کہ وہ یہ عرض داشت ’آج کل‘ دہلی کے کسی
شہارے میں چھپی تھی لیکن انہیں یقین ہے کہ یہ
عرض داشت ’آج کل‘ دہلی کے کسی شہارے میں شائع
ہوئی تھی اور وہیں سے انہوں نے نقل کی ہے ۔

عرض داشت

بہ حضور وافر السرور جناب سری مہاراجا صاحب
والا مناقب عالی شان، قلم فیض احسان، دام اقبالہ،
زاد الفضالہ -

لوازم نیاز و تسلیم، از روئے مودت و ارادت بجا
می آرد و مطالب و مقاصد را بہ زبان اردو عرضہ می دارد -

بہ گوشہ نشین، سرکار فیض آثار انگریزی کا بہ عوض
جاگیر، پنشن دار اور گورنمنٹ کے دربار میں سات ہرجے اور
تین رقم خلعت پہانے والا اور حضرت قدر قدرت
ملکہ معظمہ دوران کا مداح اور بہ قلم وزرائے شاہنشاہی
سرٹیفکٹ خوشنودی کا پہانے ہوئے ہے - دریں ولا،
منشی کشوری لال صاحب نے کہ وہ میرے دوست اور حضور
کے خیر خواہ ہیں مجھ پر مسودہ عرض داشت اور سکہ حضور
کی فرمائش کی - میں حضور کی خدمت بجا لانے کو اپنا
فخر و سعادت سمجھتا ہوں اور عرض داشت کا مسودہ اس
نیاز نامے میں ملفوف بھیج کر یہ عرض کرتا ہوں کہ اگر
مسودہ پسند نہ آئے تو یہ کاغذ مجھ کو واپس مل جائے اور
اسی مسودے کے موافق عرض داشت لکھنی منظور ہو تو

میرا بھیجا ہوا یہ مسودہ کہ بہ مہر دستخط میرے ہے دفتر میں رہے اور حرف بہ حرف مطابق اس کے عرض داشت لکھی جائے۔ میرے لکھے ہوئے فقروں میں اور فقرے داخل نہ کیے جائیں اور کوئی لفظ بدلا نہ جائے۔

اسم مبارک کے سکے کے بارے میں عرض یہ ہے کہ اگر سن چاوس اس کو قرار دیجیے کہ ہندوستان میں بادشاہی عمل داری ہوئی تو یہ نامناسب ہے۔ کیا وہ اس سے پہلے بادشاہ نہ تھیں؟ اور اگر وہ سال منظور رکھیے جس سال میں ولایت میں تخت پر بیٹھی ہیں تو یہ تکلف محض ہے۔ پتر یہ ہے کہ دو سن لکھے جائیں۔ ایک از رو۔ اطاعت ۱۸۵۹ء عیسوی اور ایک موافق رواج ملک و ملت سنبت ۱۹۱۵ء۔ سکے مبارک کے تین نقشے بھیجتا ہوں۔ دو مع تصویر اور اس میں سکے منظوم یعنی ایک شعر جیسا کہ سلاطین ماضی کا ہر ملک میں دستور ہے، اور ایک نثر۔ ان نقشوں میں سے جو نقشہ سری مہاراج کو پسند آئے وہ حضور کو مبارک ہو۔

اب نیازمند اس عنایت کا متوقع ہے کہ آئندہ میں راج کا متوصل اور سری مہاراج کا دولت خواہ (کذا) اور دعا گو گنا جاؤں۔ اور جو کام میرے لائق ہو بے تکلف اس کے سر انجام کا مجھ کو حکم ہوا کرے۔ زیادہ حد ادب بہارستان جاہ و جلال بے خزاں و بہار دولت و اقبال جاودان باد۔

نیازمند اسد اللہ خان شاعر غالب قلعہ

نگاشتہ پنجم جنوری ۱۸۵۹ء

دہلی سوسائٹی کے جلسے میں
مرزا کا مضمون

تمہید

(بقلم خلیل الرحمان داؤدی)

لاہور کی 'انجمن پنجاب'، علی گڑھ کی 'سائنٹفک سوسائٹی' اور لکھنؤ کی 'مجلس تہذیب' کی طرح دہلی میں بھی ایک علمی انجمن 'دہلی سوسائٹی' کے نام سے قائم تھی۔ اس سوسائٹی کا قیام ۲۸ جولائی ۱۸۶۵ء کو عمل میں آیا۔ ماسٹر پیارے لال آشوب اس کے پہلے سکریٹری منتخب ہوئے جنہیں ۹ دسمبر ۱۸۶۸ء کو لاہور آنے کے لیے استعفاء دینا پڑا تھا۔ 'دہلی سوسائٹی' کے جلسوں کی روداد اور ان میں پڑھے گئے مضامین کے خلاصے شائع کرنے کے لیے سوسائٹی کا ایک مجاہد بھی تھا جو ماہانہ یا سال نامہ نہیں تھا بلکہ حسب ضرورت اسے شائع کر دیتے تھے۔ ڈاکٹر عبدالستار صدیقی صاحب کو ہینڈلٹ برج موہن دتاتریہ کیفی سے سوسائٹی کے رسالے کے چار شمارے ہاتھ آ گئے تھے، انہیں سامنے رکھ کر ڈاکٹر صاحب موصوف نے ایک انتہائی معلوماتی مضمون بعنوان 'دہلی سوسائٹی اور مرزا غالب' علی گڑھ میگزین کے

غالب نمبر کے لیے سپرد قلم فرمایا تھا۔ اسی مضمون سے معلوم ہوتا ہے کہ مرزا غالب سوسائٹی کے قیام سے لے کر اپنی وفات تک مستقل اس کے نمبر رہے اور اس کے کاموں میں دل چسپی لیتے رہے۔ چنانچہ مرزا غالب نے ۱۱ اگست ۱۸۶۵ء کو سوسائٹی کے دوسرے جلسے میں اپنا جو مضمون پڑھا تھا وہ سوسائٹی کے پہلے شمارے میں محفوظ تھا۔ ڈاکٹر صاحب نے علی گڑھ میگزین کے غالب نمبر میں وہ مضمون بھی وہاں سے نقل کر دیا ہے۔ میں علی گڑھ میگزین سے وہ مضمون یہاں نقل کر رہا ہوں۔ مالک رام صاحب نے بھی 'ادبی دنیا' لاہور، ستمبر ۱۹۳۹ء میں اگرچہ اسے شائع کر دیا تھا لیکن 'ادبی دنیا' کے عملہ ادارت نے عنوان 'غالب کا ایک غیر معروف خط' بنا دیا تھا۔ اس کے علاوہ اس میں کتابت کی بھی غلطیاں رہ گئی تھیں۔ اس کا صحیح متن یہاں پیش کیا جا رہا ہے۔

دہلی سوسائٹی کے جلسے میں مرزا غالب کا مضمون

مضمون نواب اسد اللہ خاں صاحب المتخلص بہ غالب
حکام معذرت فرجام اور صاحبان والا مقام کی جناب میں
اور حاضران افضل اور داندگان ہر عام و ابن کی خدمت میں
ہلکہ جو شخص خدا پرست و حق شناس ہے اس سے میرا
اتنا ہے کہ یاد کرو ۱۸۵۷ء میں دلی کے رہنے والوں نے
حاکموں پر شہر کا دروازہ بند کر دیا اور ایسے فرمان دہان
دادگر سے لڑائی کا قصد کیا۔ میگزین کا دروازہ کھلوا دیا
اور انہیں کی گولی بارود سے آن پر آگ کا مینہ برسایا۔
چار مہینے چار دن ظلم کی آچ کی تیزی رہی۔ قلعہ اور شہر
اور باہر خون ریزی رہی۔ ناگہ قہر الہی اس شدت سے نازل
ہوا کہ ہر جان دار کو جینا مشکل ہوا۔ قوم انگریز کو
خدا نے فتح عنایت کی۔ انہوں نے سیاست کے بعد رعیت کی
رعایت کی۔ ہر چند حکام کو عفو جرائم منظور رہا، مگر
قہر حاکم حقیقی بہ دستور رہا۔ نہ مکین کا پتا، نہ مکان
کے آثار، نہ وہ گلی کوچے نہ وہ بازار۔ مانا کہ شہر کی
صورت اب اس سے بہتر ہے، مگر وہ عمارت جس پر خدا کے

قبر کی آندھی چلتی تھی ، وہ کدھر ہے ؟

شعر

سپش ہر آئینہ شہرے جدید خواہد بود
نہ آن کہ شاہ جہاں ساخت در زمان قدیم

رفع فتنہ و فساد ، ظہور امن و داد مسلم ، لیکن قبر الہی
سے کچھ پیش نہیں جاتی ۔ خلاف تقدیر تدبیر بن نہیں آتی ۔
تین برس برابر کال رہا ، ہر شخص خستہ و بد حال رہا ۔
آب و ہوا کی ناسازگاری ، طرح طرح کی مصیبت ، رنگ رنگ
کی بیماری ، کلیجوں کا تپ کی حرارت سے سلگنا ، گھروں میں
جا بہ جا آگ کا لگنا ، ہوا شرارہ ریز ، خاک شعلہ انگیز ،
دریا اور کسوٹے کا پانی زہر آب ، مینہ کے پانی کی بوند
گوہر نایاب ۔ اسارہ اور سائون برسات کے دو مہینے تمام
ہوئے ۔ سائون کے آخر اور بھادوں کے اول دو چار مینہ
ہوئے ، جس میں پانی اس قدر برسا کہ زمینداروں نے
حاصل فصل ربیع سے ہاتھ دھوئے ۔ پایاں کار کا حال خدا
جانے ۔ خلق اس کے اسرار کو کیا جانے ۔ گرائی اور ارزانی
ایک امر عام ہے ۔ مجھے خاص اپنے عرض مدعا سے کام ہے ۔
بوڑھا ہوں ، ناتوان ہوں ۔ سچ پوچھیے اگر تو نیم جاں ہوں :

ضعف نے غالب نکلا کسر دیا

ورنہ ہم بھی آدمی تھے کام کے

میں کہاں اور بزم نشینی کہاں ، نظم و نثر میں وہ
رنگینی کہاں ۔ سرکار کی خدمت گزاری کا شائق ہوں ۔ مگر
اب صرف دو کام کے لائق ہوں ۔ اگر کسی امر میں بہ فریعد
خط مجھ سے کچھ پوچھا جائے تو وہ لکھ سکتا ہوں جو میری
وائے میں آئے یا اگر تحریر نظم و نثر فارسی و اردو کا حکم

آوے تو لکھ کر بھیج سکتا ہوں۔ آئندہ حکام کے پسند نہ ہو یا مقبول ہو جاوے۔ ۱۸۰۶ء سے جس کو آج ساٹھ برس ہوئے سرکار انگریزی کا ٹمک خوار ہوں اور ۱۸۵۵ء ہنی دس برس سے شہنشاہ بحر و بر حضرت فلک رفعت ملکہ معظمہ کا مدحت نگار ہوں۔ دو قصیدے میرے ولایت پہنچ گئے ان میں سے ایک کی رسید کی اطلاع مجھ کو آگئی۔ تیسرا قصیدہ میرے مسودات میں موجود اور مطلع اس کا یہ ہے :

نامہ ز و کثوریہ چو نام ور آمد

از افق نامة آفتاب برآمد

یہ قصیدہ اس کے سزاوار ہے کہ ایران بھیجا جائے اور وہاں کے شعراء سے داد مانگی جائے۔

اب میں جناب صاحب کمشنر بہادر اور مجموعہ صاحبان عالی شان کو سلام کرتا ہوں اور نگارش کو تمام کرتا ہوں۔

راقم اسد اللہ خاں شاعر غالب تخلص

برادر زادہ نصر اللہ بیگ خاں بہادر رئیس سونگ سوتا

مرقومہ ۱۱ اگست ۱۸۶۵ء

پیارے لال آشوب سے متعلق
ایک تاثر

تمہید

(بقلم خلیل الرحمان داؤدی)

۲۸ جولائی ۱۸۶۵ء کو کرنل ہملٹن کمشنر دہلی کی سرپرستی میں دہلی میں ایک انجمن کا قیام عمل میں آیا، جس کا نام ”دہلی سوسائٹی“ رکھا گیا۔ اس کے پہلے سکریٹری ماسٹر پیارے لال آشوب ہوئے۔ مرزا غالب ان سے بڑی محبت کرتے تھے۔ مرزا نے قاطع القاطع کی اشاعت کے سلسلے میں امین الدین پٹیالوی پر ازالہ حیثیت عرقی کی فالش کی تھی تو گواہان استغاثہ میں پیارے لال آشوب بھی تھے۔ پھر حال بابو پیارے لال آشوب سے غالب کو بڑی آنسیت تھی۔ دسمبر ۱۸۶۸ء میں آشوب کا تبادلہ دہلی سے لاہور ہو گیا اور انہیں سوسائٹی کی سکریٹری شپ سے مستعفی ہو کر لاہور جانا پڑا۔ ممبران سوسائٹی کی جانب سے پیارے لال آشوب کی خدمت میں ایک سپاس نامہ پیش کیا گیا۔ اس پر دستخط کرتے ہوئے مرزا غالب نے یہ تحریر بھی لکھی تھی جس سے اس تعلق کا پتا چلتا ہے جر مرزا کے اور آشوب کے درمیان تھا۔ آشوب نے ۹ دسمبر ۱۸۶۸ء کو سوسائٹی کی سکریٹری شپ

سے استعفاء دیا تھا۔ سپاس نامے کے الفاظ
 ڈاکٹر عبدالستار صدیقی صاحب نے علی گڑھ میگزین کے
 غالب نمبر میں شائع کر دئے ہیں۔ انہوں نے سوسائٹی
 کے شمارہ چہارم (صفحہ ۱۴) سے سپاس نامے کے یہ الفاظ
 نقل کیے تھے۔ اس کے علاوہ قدیم دلی کالج نمبر میں بھی
 پنڈت برج موہن دتاتریہ کیفی نے اسے نقل کیا تھا۔
 میں نے علی گڑھ میگزین کے غالب نمبر سے یہ عبارت
 اخذ کی ہے۔

پیارے لال آشوب سے متعلق ایک تائر

”فقیر اسد اللہ خان غالب کہتا ہے کہ باہو پیارے لال
کی مفارقت کا جو غم و اندوہ ہوا ہے ، میرا جی جانتا ہے ۔
بس اب میں نے جانا کہ میرا دلی میں کوئی نہیں ۔“

مرزا غالب کے خود نوشت
حالات زندگی

تمہید

(بقلم خلیل الرحمان داؤدی)

میرے علم میں ان حالات زندگی کی اشاعت سب سے پہلے انجمن ترقی اردو اورنگ آباد دکن کے سہ ماہی مجلہ 'اردو' بابت جولائی ۱۹۲۸ء میں یہ عنوان 'مرزا غالب کی خود نوشتہ سوانح عمری کا ورق' ہوئی۔ مولوی عبدالحق صاحب نے یہ حیثیت ایڈیٹر اس پر ایک مختصر سا مضمون لکھا ہے۔ اس مضمون سے معلوم ہوتا ہے کہ جس زمانے میں بھوپال کے سرکاری کتاب خانے میں ڈاکٹر عبد الرحمان بجنوری مرحوم نسخہ حمیدہ کی ترتیب میں مصروف تھے اور مرزا غالب پر خام مواد جمع ہو رہا تھا تو سید افتخار عالم مارہروی نے یہ ورق بہ صورت مخطوطہ اور اخبار نیر راجستان جلد ۲، نمبر ۵۱ کا بھی ایک مطبوعہ ورق ڈاکٹر بجنوری کو بھیج دیا تھا۔ ڈاکٹر بجنوری مرحوم اسے استعمال نہ کر سکے تھے۔ نیر 'راجستان' اخبار کا اشتہار 'تذکرۃ مظهر العجائب' کے سلسلے میں تھا۔ تذکرۃ مظهر العجائب کے اشتہار میں مذکور تھا کہ

مولوی مظہر حق ولد مولوی ظہور علی ظہور نے ۱۲۸۱ء میں ایک تذکرۃ الشعرائے فارسی دہلی میں تالیف کیا تھا۔ لیکن پھر یہ تذکرہ دوبارہ مرتب ہو رہا ہے اور مسٹر ریشکن سابق جج عدالت خفیفہ دہلی کے تذکرہ بہ زبان انگریزی کے حالات بھی اس میں لے لیے گئے ہیں اور مولوی انوار الحق صاحب میر منشی اجٹی مارواڑ نے بھی ... سے زیادہ شعراء کا حال اضافہ کیا ہے، وغیرہ وغیرہ۔

اس اشتہار کو دیکھ کر مولوی عبد الحق صاحب نے لکھا تھا کہ اغلب ہے کہ یہ حالات مرزا صاحب نے اس تذکرے کے لیے تحریر کیے ہوں۔ اس کے بعد 'احوال غالب' میں اظہار الحق ملک صاحب کا ایک مضمون 'غالب کے خود نوشت حالات' چھپا اور اس کے ساتھ 'خود نوشت حالات' کے ایک ورق کا عکس بھی دیا۔ اظہار الحق ملک صاحب کا خیال ہے کہ ریشکن صاحب کے انگریزی زبان والے تذکرے میں مولوی مظہر حق نے اضافے کیے۔ مولوی انوار الحق، میر منشی اجٹی مارواڑ نے بھی ... شعراء کا حال لکھ کر بڑھایا اور اس کا نام 'تذکرہ مظہر العجائب' رکھا گیا۔ اس تذکرے کے لیے مرزا غالب نے یہ حالات لکھے تھے۔

سعیدہ رومی اس بات کو تسلیم نہیں کرتیں۔ انہوں نے 'سماں نو' فروری ۱۹۵۷ء کے شمارے میں 'مرزا غالب کی خود نوشت سوانح عمری پر ایک نظر'،

کے تحت ان بیانات کا جائزہ لیا ہے۔ وہ فرماتی ہیں کہ مرزا غالب نے یہ حالات زندگی تذکرہ مظہر العجائب کے لیے نہیں لکھے بلکہ کسی اور تذکرے کے لیے لکھے تھے۔ انہوں نے ان حالات کی تحریر کا زمانہ متعین کرنے کی کوشش بھی کی۔ مثلاً ان حالات میں دربار لاہور کا تذکرہ ہے۔ یہ دربار اکتوبر ۱۸۶۴ء میں ہوا۔ اس لیے یہ حالات ۱۸۶۵ء میں لکھے ہوں گے۔ ۱۸۶۵ء میں مرزا کی عمر قمری حساب سے بیس سال کی بنتی تھی جس کا ذکر ان حالات میں موجود ہے۔ اس لیے یہ حالات ۱۸۶۵ء میں لکھے گئے ہوں گے۔ آدھر مرزا کے جو خطوط مرگوبال تفتہ کے نام ہیں ان سے واضح ہوتا ہے کہ مسٹر ریشنگن صرف چند ماہ دلی میں رہے۔ ۱۹ جنوری ۱۸۶۵ء کو وہ پنجاب میں چلے گئے۔ سیدہ رومی نے مولوی احتشام الدین دہلوی ایم۔ اے ولد مولوی انوار الحق میر منشی اجٹی مارواڑ کے بیان کی طرف بھی توجہ دلائی ہے۔ مولانا احتشام الدین کہتے ہیں کہ یہ خود نوشت حالات زندگی میرے والد مولوی انوار الحق نے مرزا غالب سے لکھوائے تھے۔ مولانا احتشام الدین نے خود یہ حالات ڈاکٹر بینوری مرحوم کو دے دیے تھے۔ ان حالات کے ساتھ مرزا کی ایک تصویر بھی دی تھی۔ لیکن جب نسخہ حمیدیدہ کی اشاعت میں یہ مواد استعمال نہ کیا گیا تو مولوی احتشام الدین نے مسٹر شعیب قریشی کی وساطت سے بھوپال میں ان دونوں چیزوں کو تلاش کرایا۔ لیکن کام باہی نہیں ہوئی۔ بالآخر حیدر آباد پرنس

کر انہیں پتا چلا کہ وہ دونوں چیزیں مولوی عبدالحق صاحب کے پاس ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ وہ خود نوشت حالات جو مولوی انوارالحق صاحب نے تذکرہ مظہر العجائب کے لیے مرزا سے لکھوائے تھے اور ان کے صاحب زادے مولوی احتشام الدین دہلوی کے ذریعے ڈاکٹر یحیٰوری تک پہنچے تھے، وہ عبدالحق صاحب کے پاس تھے اور ۱۱ مئی ۱۹۳۷ء تک شائع نہیں ہوئے تھے۔ جولائی ۱۹۳۸ء کے 'اردو' میں جو حالات شائع ہوئے تھے وہ سید افتخار عالم مارہروی کے فراہم کردہ تھے۔ اس لیے دونوں چیزوں کو مغلوٹ نہیں کرنا چاہیے۔

اس کے ارادے سے غائب شخص قوم کا ترک جہاد کی سکتا ہو کیا حق سلطانی کے اولاد میں سے اس کا وارث ہو سکتا
 قوتان بگچان شاہ عالم کے عہد میں سرحد سے دلی میں آیا جہاں کہیں اور قضاوت سے باخبر
 کا نوکر ہوا چھ سو کا برگہ خدایت سہری کی بلکہ کو سرکار سے ملے تھا وہ اس کی جگہ اور مقرر تھا باب
 اسد اللہ خانی مذکور کا عبداللہ بگچان زمین تھوڑی تھوڑی جگہ اور سگہ جگہ اس کا اور وہاں ایک
 مہاسی میں بادگیا پھنسن دلی کے ریس چہرہ کر اکبر آباد میں جا رہا اسے مدغان اکبر آباد میں پیدا ہوا
 عبداللہ بگچان انور میں راوراج تھوڑے سگہ کا نوکر ہوا اور وہاں ایک لڑکے میں بہتر بھادہ سے مارا
 گیا جس کے حال میں کہ اسے مدغان مذکور سے چھ برس کی بچہ لڑکا حقیقہ چھوڑا عبداللہ بگچان سرحد سے
 عرف سے اکبر آباد کا مہاجر تھا سب سے اس میں جب جرنیل ملک صاحب اکبر آباد پر آئے تو نظر پڑا
 نے شہر سرور دیا اور ان کے جرنیل صاحب نے جادو سوار کا برگہ خیر اور ایک ہزار سات سو کے
 خزانہ مقرر کی ہر سب سے اپنی نقد بارہ سو سو کے سب سے ہر سب سے ہر سب سے ہر سب سے
 سو اور دسے جہاں لے جرنیل صاحب نے وہ تمام برگہ بہار و مونس کو بطریق ہمدردی فرمائے کہ
 خانہ صوفیہ ہاگیر مقرر ہوئے دس ہفتے کے بعد برگہ گاہ آئے ہر سب سے کہ مہاگیر ہاگیر
 بارہاقت پر آئے اور اس کے عوضی نقد مقرر ہو گئی اور سب سے ہر سب سے ہر سب سے
 سات سو اور یہاں اس شخص کے ذات کو دس زر معانی میں سے ملے ہیں اس سے عورتیں
 ہر اکالی پیدا کیا نہ فقط شعر بلکہ نثر بھی ہر دستگاہ رکھنا ہی نثر کے نہیں کہ ہیں ہی خاتونک
 ہر غریز و دستہ فار سے نظم کا کلیات دس ہزار بیت کا بالافضل اور صراحت اخبار لکھو ہی
 جہاں ہوا ہے گزشتہ میں اس کا ہر عزت ہے اس کے ضیو کے عوض قصیدہ علیہ نذر

مرزا غالب کے عودِ نوشت حالات زندگی
(’اردو‘ اورنگ آباد دکن جولائی ۱۹۲۸ء)

مرزا غالب کے خود نوشت حالات زندگی

”اسد اللہ خان غالب تخلص ، عرفہ مرزا نوشہ ، قوم کا ترک سلجوق ، سلطان برکیارق سلجوق کی اولاد میں سے ، اس کا دادا قوتان بیگ خان شاہ عالم کے عہد میں سمرقند سے دلی میں آیا۔ پچاس گھوڑے اور فقارہ نشان سے بادشاہ کا نوکر ہوا۔ پچاسو کا ہرگنہ جو اب سمرقند کی بیگم کو سرکار سے ملا تھا ، وہ اس کی جاداد میں مقرر تھا ۔ باپ اسد اللہ خان مذکور کا عبداللہ بیگ خان دلی کی ریاست چھوڑ کر اکبر آباد میں جا رہا ۔ اسد اللہ خان اکبر آباد میں پیدا ہوا ۔ سال ولادت ۸ رجب ۱۲۱۲ھ بروز یک شنبہ۔ عبداللہ بیگ خان الور میں راؤ راجا بختاور سنگھ کا نوکر ہوا اور وہاں ایک لڑائی میں بڑی بہادری سے مارا گیا ، جس حال میں کہ اسد اللہ خان مذکور پانچ چھ برس کا تھا ۔ اس کا حقیقی چچا نصر اللہ بیگ خان مرہٹوں کی طرف سے اکبر آباد کا صوبے دار تھا ۔ ۱۸۰۳ء میں جب جرنیل لیک صاحب اکبر آباد پر آئے تو نصر اللہ بیگ خان نے شہر سپرد کر دیا اور اطاعت کی ۔ جرنیل صاحب نے چار سو سوار کا ہرگڈیر کیا اور ایک ہزار

سات سو کی تنخواہ مقرر کی ۔ پھر جب اس نے اپنے زور بازو سے سونک سونسا دو ہرگئے بھرت پور کے قریب ہولکر کے سواروں سے چھین لیے ، جرنیل صاحب نے وہ دونوں ہرگئے بہادر موصوف کو بہ طریق استمرار عطا فرمائے ۔ مگر خان موصوف جاگیر مقرر ہونے کے دس مہینے کے بعد بہ مرگ ناکہ ہاتھی پر سے گر کے مر گیا ۔ جاگیر سرکار میں بازیافت ہوئی اور اس کے عوض نقدی مقرر ہوگئی اور شرکاء کو دے دلا کر ساڑھے سات سو روپے سال اس شخص کی ذات کو اس زر معافی میں سے ملتے ہیں ۔ اس نے شاعری میں بڑا کمال پیدا کیا ۔ نہ فقط شعر بلکہ نثر میں بھی دست گہ رکھتا ہے ۔ نثر کی تین کتابیں ہیں : پنج آہنگ ، مہر نیم روز ، دستنبو ۔ فارسی نظم کا کلیات دس ہزار بیت کا بالفعل اودہ اخبار لکھنؤ میں چھاپا ہوا ہے ۔ گورکھنٹ میں اس کی بڑی عزت ہے ۔ اشرافیوں کے عوض تصیلہ مدح نذر دیتا ہے اور سات ہارچے جیفہ ، سرپیچ ، موٹیوں کی مالا خلعت پاتا ہے ۔ اب کی بار جو لاہور میں لارڈ صاحب کا دربار ہوا تو موافق سابق کے دربار داروں کی فہرست کے صاحب کمشنر بہادر حصار نے کہہ دریں ولا قائم مقام صاحب کمشنر دہلی بھی میں ، مثل اور رئیسوں کے اور رئیس زادوں کے اس کو بھی خط لکھا ۔ بے چارہ بہ سبب تہی دستی اور بے مقدوری کے لادور نہ جا سکا ۔ مجھ سے کہتا تھا کہ ستر برس کا آدمی کانوں سے بہرا ہوں اور اکثر بیمار رہتا ہوں ۔ لیکن اگر میرے پاس روپیہ ہوتا تو میں ان عوارض کو نہ مانتا اور بے شک لارڈ صاحب کے دربار میں حاضر ہوتا ۔ اخیر آخر عمر میں یہ ایک داغ حسرت رہا ۔ حق بات کو ظاہر نہ کرنا

خدا پرستی اور حق شناسی کے خلاف ہے۔ اس شخص نے ۱۸۵۵ء کے آخر میں قصیدہ مدح ملکہ معظمہ ولایت کو یہ سیل ڈاک لارڈ الیبرا گورنر سابق کی معرفت بھیجا ہے۔ اور اوائل ۱۸۵۶ء میں تین خط انگریزی بہ واسطہ انڈیا گورنمنٹ ولایت سے اس کو ڈاک میں آئے ہیں۔ اب ہم ان تینوں خطوں کے خلاصے لکھ کر اس کے ذکر کو ختم کرتے ہیں۔

نجم الدولہ دیرالملک، اسد اللہ خان بہادر، نظام چنگ،

ازالہ حیثیت عرفی کی نالاش
میں غالب کی تحریریں

تمہید

(بقلم خلیل الرحمان داؤدی)

مرزا غالب نے فارسی زبان کی مشہور لغت 'برہان قاطع' کے اغلاط 'قاطع برہان' کی شکل میں مرتب کر کے ۱۸۶۲ء میں مطبع نول کشور لکھنؤ سے طبع کرائے تھے۔ قاطع برہان کی 'الف' میں محرق قاطع برہان، ساطع برہان، موبد برہان اور 'قاطع القاطع برہان' لکھی گئیں۔ ان میں سے اولین تین کتابوں کے جوابات غالب نے دیے لیکن چوتھی کتاب قاطع القاطع کا جواب نہ خود غالب نے دیا اور نہ اپنے کسی حامی کو دینے دیا۔ قاطع القاطع کے مصنف امین الدین پشیلوی نے اس کتاب میں مرزا کے لیے بہت زیادہ ناشایستہ کلمات استعمال کیے تھے۔ مرزا غالب نے ۲ دسمبر ۱۸۶۷ء کو امین الدین پشیلوی کے خلاف ازالہ حیثیت عرفی کی نالش کر دی۔ چونکہ مقدمہ سنگین اور مضبوط تھا اس لیے لوگوں کو یہ خیال پیدا ہوا کہ مولوی امین الدین کو سزا ہو جائے گی۔ چنانچہ مولوی امین الدین کو سزا سے بچانے کے لیے مرزا غالب کے اچھے خاصے ملاقاتی اور دوست گواہان

صفائی بن گئے۔ جب مرزا نے دیکھا کہ مقدمہ کمزور ہو رہا ہے تو رؤسائے شہر کے درمیان میں آجانے سے فائدہ اٹھایا اور ۲۳ مارچ ۱۸۶۸ء کو فریقین کے درمیان راضی نامہ ہو جانے پر مقدمہ واپس لے لیا گیا۔ اس مقدمے کی اصل مثل مولوی عبدالحق صاحب کو مل گئی تھی اور انہوں نے مکمل روداد انجمن ترقی اردو کے رسالے 'اردو' بابت اپریل ۱۹۳۳ء میں شائع کر دی تھی۔ اس کے بعد مولانا غلام رسول مہر صاحب نے اس روداد کو ایک منظم صورت میں علی گڑھ میگزین کے غالب نمبر میں شائع کیا۔

اس سلسلے میں مرزا غالب کی صرف تین اردو تحریریں ملی ہیں۔ پہلی تحریر تو مرزا کی اپنی درخواست ہے جو انہوں نے مسٹر اوہرائن ڈپٹی کمشنر دہلی کو ۲ دسمبر ۱۸۶۷ء کو دی تھی۔ اس کے بعد ۴ دسمبر ۱۸۶۷ء کا مرقومہ مختار نامہ ہے جو مرزا نے بہ زبان اردو عزیزالدین وکیل کے لیے لکھا۔ اس کے بعد تیسری تحریر ایک درخواست ہے جو ۲۳ جولائی ۱۸۶۸ء کو مرزا غالب نے ڈپٹی کمشنر کی عدالت میں دی۔ اس درخواست میں مرزا صاحب نے گزارش کی کہ یہ مقدمہ بجائے اسسٹنٹ کمشنر اسٹاکٹن صاحب کے وہ خود سماعت کریں۔ اس درخواست پر ڈپٹی کمشنر نے حکم دیا 'یہ ممکن نہیں'۔ بس یہی تین تحریریں مرزا کی اس فالٹ میں ملتی ہیں۔

۲۰ فروری ۱۸۶۸ء کو مقدمہ پیشی پر آیا۔

مرزا غالب کے گواہان یہ تھے :

- ۱ - ماسٹر پیارے لال آشوب ولد رام نرائن
ہیڈ ماسٹر نارمل اسکول - عمر ۳۰ سال -
- ۲ - لطیف حسین ولد حکیم محمد حسین - فرسٹ
اورنٹیل ماسٹر دہلی کالجیٹ اسکول - عمر ۲۵ سال -
- ۳ - نصیر الدین ولد علیم الدین مدرس فارسی و ریاضیات
دہلی نارمل اسکول - عمر ۳۳ سال -
- ۴ - حکم چند ولد رام دیال - مشہور مضمون نگار و
فارسی دان - عمر ۳۶ سال -
- ۵ - منشی سعادت علی خان مدرس مدرسہ سرکاری -

مولوی امین الدین کے گواہان صفائی یہ تھے :

- ۱ - مولوی ضیاء الدین ولد محمد بخش اسسٹنٹ
پروفیسر عربی کالج دہلی -
- ۲ - سدید الدین ولد رشید الدین (ولیم میور کے استاد
تھے اور عربی کے پروفیسر تھے) - عمر ۶۰ سال -
- ۳ - حشمت اللہ خان ولد غلام نقشبند خان - پیشہ
حکمت - عمر ۲۴ سال -
- ۴ - حمید اللہ عرف عبدالحکیم - عمر ۳۹ سال -
- ۵ - مولوی ابراہیم -
- ۶ - مولوی محمد حسین -
- ۷ - مولوی قمر الدین -

چون کہ مولوی امین الدین کے گواہ علمی اعتبار سے زیادہ مشہور اور مستند تھے اور مرزا غالب کے گواہوں میں سے کوئی بھی ۵۰ سال سے زیادہ عمر کا نہ تھا ، اس کا بھی عدالت پر اثر ہوا ۔ پھر حال بالآخر راضی نامہ داخل ہو گیا ۔

ازالہ حیثیت عرفی کی نالش میں غالب کی تحریریں

عرضی دعویٰ

”صاحب والا مناقب، عالی نشان، سرچشمہ لطف و احسان، جناب صاحب ڈپٹی کمشنر بہادر دہلی۔ دام اقبالہ بعد عرض مدارج تعظیم و تسلیم گزارش کرتا ہوں کہ مجھے ایک شخص پر ازالہ حیثیت عرفی کی نالش کرنی منظور ہے۔ اس واسطے اگرچہ میرے مدارج عزت آپ کو خوب معلوم ہیں لیکن چون کہ اس دعوے کے بیان میں کچھ بیان اپنی عزت کا ضرور ہے، لہذا عرض کیا جاتا ہے کہ میں قوم کا ترک ہوں۔ دادا میرا شاہ عالم کے عہد میں ترکستان سے آیا۔ باپ اور چچا بہ سبب ضعف سلطنت مرہٹوں کی نوکری کرتے رہے۔ باپ میرا عبداللہ بیگ خاں بہادر سرکاری عمل داری سے پہلے ایک لڑائی میں مارا گیا۔ حقیقی چچا میرا نصر اللہ بیگ خاں بہادر، جرنیل لیک بہادر کا رفیق مع چار سو سوار کے سرکشان ہند کی لڑائیوں میں شریک رہا۔ چار سو سوار کا برکیڈیر اور لاکھ روپے کے برگمنے کا

جاگیردار تھا ۔ جرنیل صاحب کے سامنے یہ سرگ ناکہ سر گیا ۔ جاگیر موافق قرار داد سرکار میں بازیافت ہوئی اور میرے واسطے یہ عوض جاگیر کچھ نقدی سرکار سے مقرر ہو گئی ۔ پس میں رئیس زادہ یہ عوض جاگیر نقدی ہائے والا ہوں ۔ جاگیرداروں کے بعد میرا نمبر ہے ۔ اور باقی آپ کے دفتر سے لے کر دلی کی کمشنری اور لاہور کی لفٹننٹ گورنری ، کلکتے کے گورنر جرنیل بہادر کے دفتر تک میرے مدارج عزت یہ خوبی ثابت ہیں ۔

ایک شخص امین الدین نام ، دلی کا رہنے والا ، کہ اب وہ پٹنالی میں راجا کے مدرسے کا مدرس ہے ، اس نے ایک کتاب لکھی ۔ اگرچہ ہنا کتاب کی بحث علمی پر ہے لیکن اس نے اس بحث علمی میں میرے واسطے وہ الفاظ ناشائستہ اور ایسی گالیاں دی ہیں کہ کوئی شخص کسی کوئی چار کو بھی یہ الفاظ نہ لکھے اور ایسی گالیاں نہ دے گا ۔ ناچار میں نے منشی عزیز الدین صاحب کو اس مقدمے میں اپنا وکیل کیا ہے ۔ امیدوار ہوں کہ بعد تصدیق وکالت نامہ سر رشتہ فوج داری میں یہ مقدمہ پیش ہو اور خاص آپ کی تجویز سے ، اول سے آخر تک یہ مقدمہ فیصل ہو اور کسی حکمت ماتحت میں یہ مقدمہ سپرد نہ ہو ۔ فقط ۔

راہم اسد اللہ خان غالب

مرقومہ دوم دسمبر ۱۸۶۷ء

اسد اللہ خان

مختار نامہ

”جو مجھ کو یہ نام امین الدین ساکن دہلی ، مدرس

کہ کاغذات مقدمہ وہاں سے منگل * جائیں اور حضور کے سامنے پیش کیے جائیں تاکہ امین الدین مدعا علیہ کی طلبی کا حکم پٹالے کو جائے ۔ اور بعد اس کے حاضر ہونے کے بہ مواجہہ اس کے اور میرے وکیل کے مقدمہ تجویز ہو کر میری دادرسی ہو اور مدعا علیہ کو سزائے سخت ملے تاکہ بھر کوئی چھوٹا آدمی بڑے آدمی کو ایسے کلمات فحش و ناسزا نہ لکھے ۔ مجھے یقین ہے کہ آپ اس اپنے تابع دار قدیم کی عرض قبول کر لیں گے اور بہ ذات خود میری دادرسی فرمائی گے ۔ فقط

راقم اسد اللہ خان غالب

۲۳ جنوری ۱۸۶۷ء

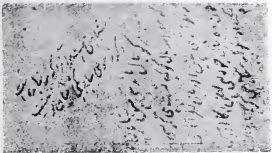
دو فارسی شعروں کے مطالب

تمہید

(بقلم خلیل الرحمان داؤدی)

کتاب خانہ خدا بخش (پٹنہ) میں کلیات نظم غالب کے ایک نسخے پر غالب نے اپنے قلم سے دو شعروں کے مطالب اردو زبان میں تحریر کیے ہیں۔ اس نسخے کا نمبر ۱۴۴ م ہے۔ اس کے ورق ۱۷ اور ۱۸ پر یہ تحریریں

موجود ہیں۔ ان کے عکس خان صاحب قاسم حسن ناظم کتاب خانہ نے قاضی عبدالودود صاحب کو عنایت فرمائے تھے۔ قاضی صاحب نے وہ عکس اور ان کے مستون 'آثار غالب' مشمولہ علی گڑھ میگزین غالب نمبر میں شائع کر دیے تھے۔ چنانچہ میں نے علی گڑھ میگزین کے غالب نمبر سے ہی یہ چیزیں لی ہیں۔



غالب نے غلطوطہ کایات نظم مخزونہ کتابخانہ خدا بخش ہونہ میں
 اپنے ایک فارسی شعر کی تشریح اردو میں اپنے قلم سے لکھی ہے
 (علیگڑہ میگزین ، غالب سمیں)

دو فارسی شعروں کے مطالب

’شباہتے است مرا آن را کہ بر نیامده است
وگر نہ موئے بہ باریکی میان تو نیست

سب کمر کو بال باندھتے ہیں۔ شاعر کہتا ہے کہ
استغفر اللہ! بال کو کیا نسبت ہے کمر سے کہ نظر آتی ہی
نہیں اور بال نظر آتا ہے۔ ہاں وہ بال جو ابھی نہیں آکا
اور نہیں نکلا اُس کو کچھ مشابہت ہے کمر کے ساتھ۔

در صفحہ نبودم ہمہ آن چہ درد دل است
در بزم کم تر است گل و در چمن مجھے است

پھول باغ سے آیا کرتے ہیں، باغ میں ہزاروں پھول
کھلتے ہیں، مجلسوں میں دس دس، پانچ پانچ ہوتے
ہوں گے۔ شاعر کہتا ہے کہ میرے مضامین پھول ہوتے
ہیں اور میرا دل چمن ہے اور صفحہ الجمن۔ مضامین اتنے
ہی نہ تھے جو دیوان میں آگئے۔ چمن میں پھول اور دل
میں معنی بہت ہیں۔

مثنوی لواء الحمد پر غالب کی
اصلاح کے الفاظ

تمہید

(بقلم خلیل الرحمان داؤدی)

مثنوی لواء الحمد ، صوفی منیری کی تصنیف ہے ۔
 صوفی صاحب کا پورا نام ابو محمد خلیل الدین حسین
 ہے ۔ وہ صوفی تقاض فرماتے تھے اور شاہ فرزند علی کے
 نام سے معروف تھے ۔ صوفی کی ولادت ۹ شوال ۱۲۵۳ھ
 مطابق ۶ جنوری ۱۸۳۸ء کو منیر شریف ضلع ہشتہ
 میں ہوئی ۔ صوفی منیر شریف کے سجادہ نشین تھے ۔
 فارسی اور عربی پر قدرت کاملہ رکھتے تھے ۔ تاریخ گوئی
 میں بڑا نام پیدا کیا ۔ اردو نظم و نثر میں متعدد
 یادگاریں ہیں ۔ ان کی دو غیر مطبوعہ مثنویاں
 ’روشن عشق‘ اور ’کشش عشق‘ خانقاہ اسلام پور
 میں محفوظ ہیں ۔ یہ مثنویاں ’اردو‘ کراچی ۱۹۵۰ء
 میں شائع ہو چکی ہیں ۔ ۶ ذی قعد ۱۳۱۸ھ مطابق
 ۲۵ فروری ۱۹۰۱ء کو اسلام پور میں انتقال ہوا ۔

مثنوی لواء الحمد پر غالب کے اپنے قلم کی اصلاحات
 موجود تھیں ۔ اس کا مسودہ صوفی کے پوتے سید شاہ محمد عثمان

۱۱ بدالی نے مولوی مہیش پرشاد کو دیا تھا ۔
 مولوی مہیش پرشاد نے ' ہندوستانی ' الہ آباد پابت
 جنوری ۱۹۳۵ء میں اس مسودے کی نقل چھاپ دی
 تھی ۔ میں نے محض وہی اشعار لیے ہیں جس پر غالب
 نے اصلاح دیتے وقت اردو زبان میں کوئی عبارت تحریر
 کی تھی ۔

مثنوی لواء الحمد پر غالب کی اصلاح کے الفاظ

(۱) اک مقام ادنیٰ ما اس کا توسین
عرش و کرسی تہ پا چوں نعلین

غالب نے اس شعر کو کاٹ دیا اور یہ وجہ بتائی :
”یہ شعر دو سبب سے کٹا۔ ایک تو یہ کہ توسین
اور نعلین دونوں جگہ تثنیہ کا ’ے نون‘ ہے، یہ
قافیہ جائز نہیں۔ دوسرے یہ کہ عرش کی توہین
ہے۔ غالب۔“

(۲) پاؤں کی جا سر تعظیم سے یاں
سر کے بل چلتے ہیں شاہان جہاں

غالب نے ’پاؤں‘ کو ’پانو‘ بنا دیا اور یہ عبارت لکھ دی:
”پانو‘ قافیہ ’چھانو‘ اور ’کانو‘ کا ہے۔ آگے اس کے نون
لکھنا غلط ہے۔ مگر ہاں بصیغہ جمع ہوں لکھنا چاہیے
’پانوں‘۔ غالب۔“

(۳) خضر کو خدمت شربت داری
اور موسیٰ کو عصا برداری

”شربت داری“ لفظ غریب ہے ۔ ’آبداری‘ کا مرادف
نہیں ہو سکتا۔“

• مہبت عظمیٰ پر تنقیدی حواشی

تمہید

(بقلم خلیل الرحمان داؤدی)

سراج الدین علی خان آرزو اکبر آبادی، صاحب 'مجمع النفایس' و 'سراج اللغت' وغیرہ نے فارسی زبان و ادبیات کے سلسلے میں جو خدمت کی ہے وہ ایرانیوں کے لیے بھی قابل رشک ہے۔ علم معانی پر آرزو کی ایک لاجواب کتاب 'موہبت عظمیٰ' ہے۔ خان آرزو کا دعویٰ ہے کہ اس فن پر فارسی زبان میں یہ سب سے پہلی کتاب ہے۔ یہ ہر حال کتاب لاجواب ہے۔

اس کی پہلی اشاعت شرف المطابع دہلی سے ۱۲۶۸ھ مطابق ۱۸۵۲ء میں ہوئی تھی۔ اس اشاعت کا ایک نسخہ مرزا غالب کے مطالعے میں رہا ہوگا۔ اس نسخے پر مرزا غالب نے اپنے قلم سے تنقیدی حواشی اردو زبان میں لکھے تھے۔ مرزا غالب کا وہ نسخہ لوہارو سیکشن، رضا لاٹیری رام پور میں موجود ہے۔ ان تنقیدی حواشی پر ایک سیر حاصل مضمون جناب مولانا امتیاز علی خان عرشی

نے سپرد قلم فرمایا اور مجلہ 'شاعر' بمبئی کے خاص نمبر ۷۹ میں اسے شائع کر دیا ہے۔ خلیق انجم صاحب نے "غالب کی نادر تحریریں" میں وہیں سے نقل کیا ہے۔

موہبت عظامیٰ پر تنقیدی حواشی

۱۔ موہبت عظمیٰ کے صفحہ ۱۴ پر خان آزر کی عبارت یہ ہے :

”گا ہے اسم اشارات حذف کنند از جہت نکتہ کہ ترحم یا مذمت یا غیر آن باشد۔ چنان کہ فرماید :

بیش رخ تو برگ گل لاف زند زتازی
رنگ حیا دھد خدا چہرہ بے حیائی را

و این بنا پر ادعاء آنست کہ غیر او گویا بے حیاست ، چنان کہ گویند فلاں را سلام کردم ۔ بے درد مطلق بحال من نہ پرداخت ۔ ’پا‘ فلانے را زدند ۔ مسکین مطلق فریاد نہ کرد ، و منظور قائل آنست کہ گویا سوائے او بے درد یا مسکین نیست ۔“

مرزا غالب کا تنقیدی نوٹ یہ ہے :

”یہاں خان صاحب کے بیان کو میں نہیں سمجھا ۔ شعر کے مطلب کو ان دو مثالوں کا نظیر کیوں کر

ٹھہرائیے۔ شعر میں پہلے موصوف کا نام مذکور ہو گیا ہے، یعنی ہرگ گل؛ دوبارہ اس کا نام لینا کیا ضرور تھا؛ صفت کا ذکر کافی ہے۔
 ’فلان را سلام کردم‘ بے درد جواب نداد فلان را زدند، مسکین فریاد نہ کرد؛ وہ مفعول سلام اور یہ مفعول ضرب۔ اس کو بے درد اور اس کو مسکین کہنا یہ چاہتا ہے کہ اس کو سوائے بے درد کے اور اس کو سوائے مسکین کے کچھ کہنا نہ چاہتے، نہ یہ کہ سوائے اس کے کوئی اور بے درد اور سوائے اس کے اور کوئی مسکین نہیں۔“

صفحہ ۱۶ پر خان آرزو رقم طراز ہیں :

۲۔ ”اضافت گا ہے ہر اے آن باشد کہ مستغنی۔
 گرداند از تفصیل متعذر۔۔۔۔۔ گاہے ہر اے آن
 باشد کہ تقدیم بعضے پر بعضے ترجیح بلا مرجع
 باشد۔ چنان کہ کوئی : امروز علمائے شہر حاضر
 اند و گاہے تصریح بہ بدی و اہانت باشد، چنان
 کہ کوئی : ابنائے زمان چینی می گویند۔“

مرزا غالب کا ارشاد ہے :

”امروز علمائے شہر حاضر اند“ یہ جملہ اجالی
 ہے۔ اس سے دلچ ترجیح بلا مرجع منظور نہیں۔
 ”ابنائے زمان چینی می گویند“ یہ جملہ ہرگز
 بدی و اہانت کی تصریح نہیں کرتا۔ اس قول کو
 دیکھا چاہیے کہ ابنائے زمان کیا کہتے ہیں۔“

۳ - 'موہبت عظمیٰ' کے صفحہ ۵۴ پر خان آرزو فرماتے ہیں :

”مفعول کلمہ ندارد گاہے کہ لفظ حساب بود
آن را حذف کنند ، چنان کہ باقر خورد گوید :
بودے زلب تو خوردم و رفت
از رفتن حال غم ندارد

سرزا غالب کی رائے یہ ہے :

”کلمہ ندارد کے مفعول کا حذف کرنا جائز سمی
لیکن 'دارد' بہ معنی 'ہاید' اور 'داشت' بہ معنی
'ہایست' اس طرح نون منفی کے ساتھ بہ معنی
'نہی ہاید' و 'نہی ہایست' روز مرہ نصائح
ایران ہے - ظہوری :

گر اسیر زلف و کاکل گفتہ باشم خویش را
گفتہ باشم این قدر برخویش پیچیدن نداشت

'موہبت عظمیٰ' کے صفحات ۵۰ و ۵۱ پر افعال متعدی
یہ دو مفعول کی بحث میں آرزو لکھتے ہیں :

”چون مقام خطایہ و مقتضی مدح باشد حذف
کنند برائے عموم و شمول افراد یعنی ہرچہ
بہ خاطر سامع رسد چنان کہ گذشت و ازین عالم
است کہ گوید :

جاوہد ہی بخشد و از ماہہ نکامد
رشح قلمت ثروت اصناف اسم را

و این بر تقدیر است کہ ثروت بسوئے اصناف
مضاف باشد و آن چه بعضی نوشته اند کہ بریں
تقدیر باید کہ ثروت اصناف پیش از بخشیدن
ممدوح باشد و آن منافی مقام مدح است ، از قلت
تامل است ۔ زیرا کہ ہر گاہ ثروت مذکور دست
پرورده و بمنون علیہ ممدوح باشد چه می شود کہ
پیش از بخشیدن او باشد ، چرا کہ پیش از
چیزے نبود کہ مورد بزرگی تواند شد و بر
تقدیرے کہ ہر کلمہ ثروت سکوت واقع شود
ہمین مفعول دوم خواهد شد ۔

و آن چه بعضی نوشته اند کہ فک اضافت فصاحت
ندارد و این بے تصنع سموئے از قلم عرفی چکیدہ
دروئے معنی خراشیدہ ، نیز از عدم تتبع کلام قوم
است ، زیرا کہ ازین نوع سکتہ ہا بسیار بسیار
واقع شود ، چنان کہ استاد ظہیر الدین فارابی
گوید :

در برگرفته دل چون خود آہنیں
وان زلف چون زہ را بر سر نہادہ “

اس پر مرزا غالب لکھتے ہیں :

” پہلے اپنا عقیدہ ظاہر کرتا ہوں ۔ عرفی اور
نظیری کا ثالث نہ کبھی تھا اور نہ کبھی ہوگا
قدما کی طرز اور ہے ۔ کلام نازک خیالوں
میں ہے ۔ جو فغانی کی روش کے پیرو ہیں آن
میں ان دونوں کے برابر کوئی نہیں ۔ ہا این ہمہ

یہ بزرگوار اپنے کلام پر نظر ثانی نہیں کرتے۔ اگر مولانا اس شعر کو کہہ کر دوبارہ دیکھتے تو ثروت کی جگہ بہت لفظ مفید مطالب پیدا ہو جاتے اور یہ سکتہ اور فک اضافت اور اضافت کی تاویلات کا مسئلہ جاتا رہتا مثلاً :

جاوید ہمی بخشد و از مایہ نکاہد

رشح قلمت فائده اصناف اسم را

رشح قلمت کام دل اصناف اسم را

غالب انصاف کا طالب ۔

(۵) صفحہ ۱۶، ۷۷ پر خان آرزو کی تحریر یہ ہے :

” ازان جملہ است کلمہ ’مر‘ کہ مفید معنی قصر است ، افادہ قصر کنند چنان کہ گوید :

مر او را رسد کبریا و منی

کہ ملکشی قدیم است و ذاتش غنی

و تحقیق اس پیش تر گزشتہ بشنو ہر چند در قصر افراد چنان کہ گزشتہ کہ اعتقاد اشتراک ضروریت لیکن گاہ بہ تنزیل خالی الذہن در مقام معتقد اعتقاد مذکور آرند از جہت آن کہ چنی گہاں نہ کنی نہ ترا نشاید ۔ چنان کہ گوید :

ایں زمزمہ مر کیے است مر روح ترا

بردارد و خوش ہ عالم ہار ہر

یعنی شاید کہ مرکب تن گردانی کہ تو اسباب
رفتن بہ سوئے لذات نفسانی و شہوانی گردد و
محرک این کار شود بلکہ مرکب روح تست کہ
بے تکلف ترا بعالم اطلاق رساند ۔ پس آن چہ
نوشتہ اند کہ کلمہ مر در این جا محض برائے
زینت کلام است و زائیدہ ، محل تامل است ۔
و ازین قبیل است کہ شیخ فرمودہ : منت مر
خدائے را عز و جل کہ طاعتش موجب
قربست ، یعنی منت کہ بار منت پر دیگری
نہادن و منعم علیہ را مرہون احسان خود داشتن
باشد ۔ خاصہ اوست جل شانہ کہ نعمت ہایش
از حد و حد پیروست ، و نعمت دیگران ہوئے
راجع است ۔ در حقیقت جزوئے منعم نیست و شکر
نعمت بلفظ منت ابلغ است از شکر ۔ چہ این زاہر
جا اطلاق می توان کرد ، بہ خلاف منت کہ
خاصہ اوست ۔“

اس تمام عبارت کے مطالعے کے بعد مرزا غالب رقم
طراز ہیں :

”کیا اچھی تقریر اور کیا خوب توجیہ ہے !
اب ہمارے عہد میں حضرات نے لفظ ’مر‘ نکال
ڈالا ہے اور ’منت خدائے را‘ لکھتے ہیں ؛ یہ بھی
بے تکلف صحیح ہے مگر ’منت مر خدائے را‘
میں کیا قباحت ہے ۔ وہ تو ابلغ ہے ۔ خان آرزو
سچ کہتا ہے ۔ انصاف کا طالب غالب“

(۶) 'موجت عظمیٰ' کے صفحہ ۷۶ پر خان آرزو لکھتے ہیں :

”و ہم چنیں لفظ شاید کہ برائے شک است ،
در مخنی مستعمل شود ، چنان کہ گوید :
کشتی شکستگانیم ، ای باد شرط ، بر خیز
شاید کہ باز بینم ، آن بار آسمان را
و ہم چنیں لفظ 'بوکہ' ، چنان کہ گوید :

باد صبا بفرست همراه از رخت گلداسته
بوکہ بوئے بشتوم از خاک بستان شاہ“

مرزا غالب کا ارشاد ہے :

”بوکہ“ کلمہ جدا گانہ نہیں 'آیا بود' کا مخفف
ہے ۔ غالب ۔“

۷۔ صفحات ۶۰ ، ۶۱ پر آرزو تحریر فرماتے ہیں :

”پس آن چہ در معنی این بیت نوشنہ آمد“

من کے باشم عقل کل را ناوک انداز ادب
مرغ اوصاف تو از اوج بیان انداختہ

کہ فاعل انداختہ ناوک انداز ادب است و عقل کل
و مرغ اوصاف ہر دو مفعول ، یعنی من چہ استعداد
داشتہ باشم کہ وصف تو توانم گفت ؟ زیرا کہ
ناوک انداز ادب مرغ وصف ہے چوں را کہ
عقل کل است ، از اوج بیان انداختہ ، محل نظر
یباشد زیرا چہ معنی 'کہ باشم' بمعنی کدام

شخص ہاشم - نہ آن کہ چہ استعداد داشته ہاشم -
 چنان کہ ظاہر است - مگر آن کہ گویم : حاصل
 معنی است و هنوز ہم از تعسفات خالی نیست -
 چنان کہ بعد معنی از عبارت بیت مخفی نیست - پس
 حق همانست کہ ما نوشتہ ایم کہ کلمہ مرا از
 مصرعہ دوم ہرینہ مصرع اول کہ دران کاف
 صفت واقع شدہ ، محذوف باشد - یعنی ، من کہ
 ادب آموز عقل کام ، مرغ اوصاف تو مرا از اوج
 بیان انداختہ - و دریں عکس نہایت مبالغہ
 خواہد بود -

اس بحث کے مطالعے کے بعد مرزا غالب رقم طراز ہیں :

” واقعی معنی یہی ہیں کہ جو خان آرزو نے
 لکھے ہیں - چاہو لفظ ’مرا‘ مصرع دوم میں ہے
 حذف سمجھو - چاہو لفظ ’را‘ مصرع اول میں ہے
 بعد ’من‘ کے محذوف سمجھو - غالب “

(۸) ’موہبت عظمیٰ‘ کے صفحہ ۶۸ پر خان آرزو کی عبارت
 یہ ہے :

” گلہ معنی اس را مکرر آرند و در واقع زاید
 باشد ، و نظر بمقام لطف پیدا کنند ؛ چنان کہ گوید :

یک دو رطل گران بہ حافظ دہ
 گر عذاب است در ثواب ، بیار

زیرا چہ لفظ بیار من حیث المعنی زائد است - و

چون مستان را 'بیار'، 'بیار' می باشد ، نظر بر آن
 آورده ، و خیلے لطف بہ ہم رسانندہ ، و نمی فهمید
 این را مگر کسی کہ کمال مہر سخن باشد۔“

مرزا غالب کا قول ہے :

یہاں بھی بیان خان آرزو کا سچ ہے ، بلکہ میں
 کچھ اور ہڑھ کر کہتا ہوں ، یعنی مصرع
 ثانی میں دفع دخل مقدر ہے ۔ مبادا مخاطب کو یہ
 خیال آجسائے کہ شراب لانی گناہ ہے ، پس یہ
 غل مچانا ہے کہ عذاب ثواب جو ہو ، ہلا ہے ،
 تو شراب لا ۔ مع هذا 'بیار' میں استعجال ہے
 غالب ۔“

دو نقلیں اور ایک لطیفہ

تمہیل

(بقلم خلیل الرحمان داؤدی)

مرزا غالب نے مسٹر ڈانلڈ میکلوڈ فنانشل کمشنر پنجاب کی فرمائش پر ایک مجموعہ بہ عنوان 'مکاتیب غالب' ترتیب دیا تھا۔ اس میں دو دیباچے، دو نقلیں، ایک لطیفہ اور گیارہ خطوط ہیں۔ یہ ۳۸ صفحات کی کتاب دو ابواب پر مشتمل ہے۔ یہ کتاب محمد عبدالرزاق صاحب نے مرتب کر کے دین محمدی پریس لاہور سے ۱۳۴۵ھ میں شائع کی ہے۔ اس کا ایک مخطوطہ ڈاکٹر عبدالستار صدیقی صاحب کے پاس محفوظ ہے جس کے متعلق ڈاکٹر صاحب کا خیال ہے کہ وہ غالب کا ذاتی نسخہ ہے۔ دین محمدی پریس والے نسخے اور اس مخطوطے میں کچھ فرق ہے۔

اس مجموعے میں سے یہ دو نقلیں اور ایک لطیفہ بہ زبان اردو یہاں نقل کیا جا رہا ہے۔

دو نقلیں اور ایک لطیفہ

نقل

ایک مولوی وعظ میں شراب کی مذمت کر رہے تھے ۔
فرمانے لگے : ادلتی برائی اس میں یہ ہے کہ جب تک اس
کی بو آدمی کے منہ سے آتی ہے ، دعا نہیں قبول ہوتی ۔ میں
نے کہا کہ مولوی صاحب ! آدمی شراب جب پیے گا کہ
تین باتیں اس کو میسر ہوں گی ۔ پہلے تندرستی ، پھر
دولت مندی ، پھر خاطر جمعی ۔ اب آپ انصاف کریں ، جب
یہ تینوں چیزیں حاصل اور موجود ہوں ، ایسی اور کیا چیز
باقی رہی کہ انسان اس کی تمنا کرے اور اس کے ماننے کے
واسطے دعا کرے !

۱۔ - معلوم ہوتا ہے کہ یہ مجموعہ مولانا حالی نے بھی
دیکھا تھا ۔ چنانچہ ”ہاد گز غالب“ میں مولانا رقم طراز ہیں :
”شراب کے متعلق اُن کی غراقت آمیز باتیں بہت مشہور ہیں ۔
ایک شخص نے ان کے سامنے شراب کی نہایت مذمت کی اور کہا کہ
شراب خور کی دعا قبول نہیں ہوتی ۔ مرزا نے کہا ”بھائی! جس کو
شراب میسر ہے اُس کو اور کیا چاہیے جس کے لیے دعا مانگے ۔“
(ہفتہ نوٹ اگلے صفحہ پر)

لطیفہ

۱۸۵۷ء میں جو میرٹھ سے بالی ترک سوار اور تلکے^۱ دلی میں آئے اور انہوں نے شہر اور قلعے پر اپنا قبضہ کر لیا تو وہ مٹی مہینے کی گیارہ تاریخ تھی اور دوشنبے کا دن تھا۔ قضارا جس دن ستمبر ۱۸۵۷ء میں دلی فتح ہوئی اور سرکش لٹوگ بھاگ گئے، وہ بھی دو شنبے کا دن تھا۔ دو ایک دوستوں نے کہا کہ دیکھو کیا اتفاق ہے، دو شنبے کو دلی کا جانا اور پھر دو شنبے کو ہاتھ آنا۔ میں نے کہا کہ یہ ایک رمز ہے۔ اس کو ہوں تصور کرو کہ جس دن شکست کھائی اسی دن فتح پائی۔ یعنی دیر نہ لگی، ایک دن میں تدارک ہو گیا۔

نقل

خدر کے دنوں میں نہ شہر سے نکلا، نہ ہکڑا گیا، نہ میری رو بکاری ہوئی۔ جس مکان میں رہتا تھا وہیں بدستور بیٹھا رہا۔ بلی ماروں کے محلے میں میرا گھر تھا۔ ناگہ ایک دن آٹھ سات گورے دیوار پر چڑھ کے اس خاص کوچے میں اتر آئے جہاں میں رہتا تھا۔ اس کوچے میں ہمہ جہت ۵۰ یا ۶۰ آدمی کی بستی ہوئی۔ سب کو کھیر لیا اور اپنے ساتھ لے چلے، مگر گرفتار نہیں کیا اور کسی

(بقیہ نوٹ صفحہ ۳۹۹)

(یادگار غالب، ناشر شیخ مبارک، علی تاجر کتب لاہور)

(۱۹۳۰ء صفحہ ۶۶)

۱۔ تلکے، دیسی سپاہی کو کہتے تھے۔

کو بے حرمت نہیں کیا ، نرمی سے لے چلے ۔ راہ میں سارجن بھی آ ملا ۔ اس نے مجھ سے صاحب سلامت کے بعد پوچھا کہ تم مسلمان ہو ۔ میں نے کہا کہ میں آدھا مسلمان ہوں ۔ اس نے کہا ”اول^۱ صاحب! آدھا مسلمان کیسا“ میں نے کہا ”شراب پیتا ہوں ، ہم ہوگ نہیں کھاتا۔“ غرض کہ وہ مجھے کرنل برون صاحب کے پاس لے گیا ۔ وہ چاندنی چوک حافظ قطب الدین سوداگر کی^۲ حویلی میں اترے ہوئے تھے ۔ باہر نکل آئے اور میرا صرف نام پوچھا ۔ اوروں سے نام بھی پوچھا اور پیشہ بھی پوچھا ۔ نام میرا سن کر فرمایا کہ اسد اللہ خاں بڑے تعجب کی بات ہے کہ ہاؤس پر نہ آئے ۔ میں نے کہا ”آپ سنیں تو کہوں۔“ کہا ”ہاں کہو“ ۔ میں نے کہا کہ تلنگے دروازے سے باہر آدمی کو نکلنے نہیں دیتے تھے ، میں کیوں کر آتا ۔ اگر کچھ فریب کر کے ، کوئی بات بنا کے نکل جاتا تب ہاؤس کے قریب گولی کی زد پر پہنچتا ، پھرے والا گورا مجھے گولی مار دیتا ۔ یہ بھی مانا کہ تلنگے باہر جانے دیتے ، گورے گولی نہ مارتے ، میری صورت کو دیکھتے اور میرا حال معلوم کیجیے ۔ بوڑھا ہوں ، ہاؤس سے اباہج ، کانوں سے بہرا ۔ نہ لڑائی کے

۱ ۔ نسخہ اقبال اکادمی میں ’سین‘ نہیں ہے ۔

Well ۲ ۔

۳ ۔ نسخہ اقبال اکادمی میں ’کے‘ ہے ۔

۴ ۔ ہاؤس کے متعلق عبدالرزاق صاحب نے ’انتخاب غالب‘ کے حاشیے پر اس طرح وضاحت کی ہے : ”ہاؤس سے مراد دہلی میں سبز منڈی کی جانب اور علی پور روڈ پر ایک چھوٹی سی پہاڑی ہے (باقی صفحہ ۳۰۲ پر)

لائق ، نہ مشورت کے قابل ۔ ہاں دعا کرنا ، سو یہاں بھی دعا کرتا رہا ۔ کرنل صاحب جسے اور فرمایا : ”اچھا تم اپنے گھر جاؤ اور اپنے نوکروں اور اپنے علاقہ داروں کو ساتھ لے جاؤ ، باقی اہل محلہ سے غرض نہ رکھو ۔ میں خدا کا شکر بجا لایا اور کرنل صاحب کو دعا دیتا ہوا اپنے گھر آیا ۔“

(بقیہ نوٹ صفحہ ۳۰۱)

جو میونسپلٹی کی اصطلاح میں انگریزی میں Ridge کہلاتی ہے ۔ یہ وہ مقام ہے جہاں ۷۵ء میں انگریزوں نے اپنی فوجیں جمع کی تھیں اور دہلی اور قلعہ دہلی پر گولہ باری کرنے کے لیے توپیں آراستہ کی تھیں ۔ یہاں انگریزی جھنڈا بھی نصب کیا گیا تھا ۔ قلعہ دہلی سے جب انگریزوں پر گولے بھینکنے گئے تو اس پہاڑی پر چند انگریز مارے گئے جن کی قبریں اب تک موجود ہیں۔ لیکن جب انگریزوں نے دہلی کو فتح کر لیا تو فتح کی یادگار کے طور پر فتح گڑھ کے نام سے ایک منارہ قائم کیا گیا جس پر ۷۵ء کے حالات و ہنگامہ دہلی کے متعلق کچھ کتبے بھی درج ہیں ۔

۱ ۔ مولانا حالی نے ”یادگار غالب“ میں اس لطیفے کو اس طرح نقل کیا ہے :

”ایک روز کچھ گورے مرزا کے مکان میں گھس آئے تھے ۔ راجا کے سپاہیوں نے ہرچند روکا مگر انہوں نے کچھ التفات نہیں کیا ۔ مرزا ”دستنبو“ میں لکھتے ہیں کہ انہوں نے اپنی نیک خوئی سے گھر کے اسباب کو بالکل نہیں چھیڑا ، مگر مجھے اور دونوں بچوں کو ، اور دو تین نوکروں کو مع چند عسائیوں کے کرنل برون کے رویرو جو میرے مکان کے قریب حاجی قطب الدین سوداگر کے گھر میں مقیم تھے ، لے گئے ۔ کرنل برون نے بہت نرمی اور انسانیت سے ہمارا حال پوچھا اور ہم کو رخصت کر دیا ۔“

یادگار غالب ۔ ناشر شیخ مبارک علی تاجر کتب لاہور

مکتوب الیہم کے پتے بخط غالب

تمہید

(بقلم خلیل الرحمان داؤدی)

ڈاکٹر عبدالستار صدیقی صاحب (الہ آباد یونیورسٹی) نے مرزا غالب کے قلم کے لکھے ہوئے چند پتے ’ہندوستانی‘ الہ آباد، بابت اپریل ۱۹۳۳ء میں شائع کرائے تھے۔ ڈاکٹر صاحب موصوف نے ۱۴ لفاظوں کے عکس بھی چھاپے تھے۔ یہاں یہ چند پتے انہیں سے ماخوذ ہیں۔ خلیق انجم صاحب نے ’غالب کی نادر تحریریں‘ میں جو چند پتے شامل کیے ہیں وہ وہیں سے لیے ہیں۔

یہ لفاظی قاضی عبدالجمیل صاحب کو بریلی بھیجے گئے تھے۔ قاضی عبدالجمیل صاحب کے نام متعدد خطوط، رقعات غالب کے مجموعوں میں محفوظ ہیں۔

مکتوب الیہم کے پتے بخط غالب

(۱) در شہر بریلی - کٹرہ مان رائے - بہ دوکان
حافظ احمد حسین صاحب سوداگر موصول و بخدمت مخدوم
مکرمی مولوی عبدالجلیل صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ مقبول باد -
از اسد - مرحلہ یکم دسمبر ۱۸۵۵ء - پوسٹ پیڈ -

(۲) در بریلی - بہ کٹرہ مان رائے - بہ دوکان
حافظ احمد حسین صاحب سوداگر موصول و بخدمت مخدوم مکرم
مولانا قاضی عبدالجلیل صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ مقبول باد -
از اسد - مرحلہ (.....) ۱۸۵۶ء - پوسٹ پیڈ -

(۳) شہر بدایوں میں نرسوری ٹولہ محلہ میں
جناب مولوی اسام الدین صاحب کے پاس پہنچ کر ان کے
ذریعے سے میرے شفیع، عنایت فرما مولوی عبدالجلیل صاحب
کو پہنچے - از غالب پکرننگ بیرنگ - مرحلہ چہارم
جون ۱۸۵۸ء -

(۴) در شہر بانس بریلی موصول : بخدمت قاضی صاحب

شفیق مکرم و مخدوم معظم قاضی عبدالجمیل صاحب
سلعہ اللہ تعالیٰ مقبول باد - مرسلہ اسد اللہ - رزومعہ
۱۷ دسمبر ۱۸۵۸ء - اسٹاپ پیڈ -

(۵) بریلی ۳۰ جون ۱۸۶۱ء پیڈ
خدمت قاضی صاحب شفیق مکرم و مخدوم معظم جناب
قاضی عبدالجمیل صاحب سلعہ اللہ تعالیٰ موصول باد -

(۶) بریلی ، جامع مسجد کے پاس - حضرت
قاضی عبدالجمیل صاحب کی خدمت میں پہنچے - اسد یکرنگ ،
برنگ - ۱۶ ماہ اکتوبر ۱۸۶۶ء -

(۷) بریلی
خدمت مخدومی مولوی عبدالجمیل صاحب زادہ مجدد ، مقبول باد -
پوسٹ پیڈ - مرسلہ سہ شنبہ ، ۷ نومبر ۱۸۶۵ء - بازار ہل
قاضی صاحب - ہر مکان قاضی عبدالجلیل صاحب رسیدہ -

شفیق منشی فضل حسن خاں صاحب : جو پتہ ان
حضرت کے مکان کا ہو خط پر لکھ دیں -

ایک تشریح
(قاطع برہان کے قضیے کے دوران)

تمہید

(بقلم خلیل الرحمان داؤدی)

مرزا غالب نے 'برہان قاطع' کے اغلاط 'قاطع برہان' کی شکل میں مطبع نولکشور لکھنؤ سے ۱۸۶۲ء میں شائع کرائے تھے۔ 'قاطع برہان' کا چھپنا تھا کہ ملک بھر میں مرزا غالب کے خلاف ہنگامہ ہو گیا۔ ادھر مرزا غالب نے بھی اپنے مخالفین کا خوب ڈٹ کر مقابلہ کیا۔

اُس زمانے میں، برٹہ میں فارسی کے ایک زبردست عالم مولوی احمد حسن فرقانی تھے جو فارسی میں 'فرقانی'، سرائی میں 'پاکی' اور اردو میں 'شاکی' تخلص کرتے تھے۔ وہ کفایت علی تنہا کے بیٹے تھے۔ تنہا کعبہ دہلی کے میر منشی تھے۔ احمد حسن فرقانی کا خاندان پشتوں تک علم و فضل کا گہوارہ رہا ہے۔ اسی خاندان میں فرقانی کے بعد میر مرتضیٰ بیان و یزدانی، سجاد حسین ریحانی، کرار حسین روحانی وغیرہ ہوئے۔

'قاطع برہان' کی مخالفت میں امین الدین پشیلوی نے ایک کتاب 'قاطع القاطع' لکھی جس میں مرزا غالب

ہر وہ سب و شتم کیا گیا تھا کہ مرزا نے اس کا جواب دینا کسر شان سمجھا اور امین الدین پر ازالہ حیثیت عرفی کی نالش کر دی ۔

مرزا غالب نے 'قاطع برہان' میں 'برہان قاطع' کے ایک خاص محاورے کے استعمال پر اعتراض کیا تھا ۔ 'قاطع القاطع' میں اس کے استعمال کی سند میں ایرانی استاد کے دو شعر شہادت میں پیش کیے گئے تھے ۔ فرقدانی نے غالب سے درخواست کی کہ اس کی وضاحت فرمائے ۔ غالب نے جو جواب دیا وہ انہیں کے قلم کا لکھا ہوا خان بہادر سید ابو محمد صاحب ایم ۔ اے ۔ ممبر ہیلک سروس کمشنر یو ۔ پی کو ہاتھ لگ گیا تھا ۔ خان بہادر صاحب نے اس کا عکس اپنی توضیحی عبارت کے ساتھ 'ہندوستانی'، الہ آباد میں چھاپ دیا تھا ۔ چنانچہ میں وہیں سے یہ نقل کر رہا ہوں اور اس کا عکس بھی وہیں سے لے کر پیش کر رہا ہوں ۔ غالب کی اس تشریح سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ وہ اساتذہ کی افدھی تقلید کے قائل نہ تھے ۔ ان کا نقطہ نظر یہ تھا کہ اگر کسی استاد نے غلطی کی ہے تو وہ بہر حال غلطی ہے ، اس کی پیروی کسی صورت میں جائز نہیں ہے ۔

پہلے درجہ کے طالب علم

کہوں بہارِ گلزار کیا کہیں کہیں لار
 ہستیات فرماؤں کہیں لار لکھنی ہے من فرماؤں کہیں لار
 اداں اور بون لکھنی ہے من فرماؤں کہیں لار
 کہوں بہارِ گلزار کیا کہیں کہیں لار
 ہستیات فرماؤں کہیں لار لکھنی ہے من فرماؤں کہیں لار
 اداں اور بون لکھنی ہے من فرماؤں کہیں لار
 کہوں بہارِ گلزار کیا کہیں کہیں لار
 ہستیات فرماؤں کہیں لار لکھنی ہے من فرماؤں کہیں لار
 اداں اور بون لکھنی ہے من فرماؤں کہیں لار

قافیہ کیا ہے نہ ایک جگہ بلکہ کو جگہ نہ ایک قافیہ نے بلکہ بہت
 اس تہہ نے بہت میں جسے جو چہتا ہوں آب کجا شراب کجا
 کے ساتھ تا کجا کا قافیہ جائز رکھوں گے یقین ہے نہ رکھوں گے
 اب ہم نہ حافظہ بر اعراضی کرینگے نہ کسی امراضی میں نتیجہ کر
 سکتے ہی قصہ مختصر میں نے مانا قاطع القاطع نے قانون
 میں ایک اعراضی دفع کیا آگے کیا کر لگیا اور دفع اعراضی ہے
 اس طرح لکھا ہوا ایک شخص کے دوسرے کلام سے سند نہ ہے
 داد کا طائر غائب ہے

غالب نے "قاطع الزمان" میں دہش کہے جانے والے فارسی اشعار
 کی سند کے سلسلے میں مولوی احمد حسن فرقانی کو اردو زبان میں
 اپنے تلمیح یہ وہ وضاحت لکھی تھی ۔

ایک تشریح

(قاطع برہان کے قضیے کے دوران)

واقعی فخر کرگئی نے لکھا ہے اور اس کا قول سند مکمل ہے۔ لیکن یہ معلوم رہے کہ متقدمین از راہ تحکم و زبردستی بہت کچھ کہہ گئے ہیں، متاخرین نے ترک کر دیا ہے۔ جیسے میر و مرزا لہو کو لہو اور طرف کے مرادف اور بوزن شور لکھتے تھے، متاخرین نے ترک کر دیا۔ بھائی! میں کیا کہوں، یہ بزرگوار کیا کیا کچھ کہہ گئے ہیں۔ ماقبل شبن مصدری مکسور ہوتا ہے۔ نازش و شازش اور اس کے نظائر بہت ہیں۔ خاقانی کے ہاں کاشش حاصل بالمصدر کاہستن کا اور نگاہش ضمیر کے شبن کے ساتھ قافیہ کیا ہے، نہ ایک جگہ بلکہ سو جگہ، نہ ایک خاقانی نے بلکہ بہت اساتذہ نے۔ بھلا میں تم سے پوچھتا ہوں، 'آب کجا شراب کجا' کے ساتھ 'تا بہ کجا' کا قافیہ جائز رکھو گے؟ یقیناً ہے کہ نہ رکھو گے۔ اب ہم نہ حافظ پر اعتراض کریں گے، نہ اس امہ خاص میں تتبع کر سکتے ہیں۔ قصہ مختصر میں نے مانا 'قاطع القاطع' نے دو سو قانون میں ایک اعتراض دفع کیا، آگے کیا کرے گا؟ اور

رفع اعتراض اس طرح سوائے ایک شخص کے دوسرے کے
کلام سے سند نہ ملے ۔

داد کا طالب ، مخالف۔

مرزا غالب کی آخری تحریر
برائے اخبارات

تمہید

(بقلم خلیل الرحمان داؤدی)

مرزا غالب کی یہ تحریر انجمن ترقی اردو اورنگ آباد دکن کے سہ ماہی مجلہ 'اردو' کی اشاعت اپریل ۱۹۲۹ء میں یہ عنوان 'مرزا نوشہ کا آخری خط'، شائع ہوئی تھی۔ آخر میں ایڈیٹر کی جانب سے یہ نوٹ دیا گیا :

”یہ خط ہمیں جناب صفدر مرزا پوری نے عنایت فرمایا ہے جن کے ہم بہت شکر گزار ہیں۔“

تعجب ہے کہ نہ تو عبارت سے ظاہر ہے اور نہ القاب و آداب ہیں۔ پھر ایڈیٹر 'اردو' نے اس تحریر کو کس طرح 'خط' قرار دے دیا۔

اس تحریر کے ایک ایک لفظ سے ظاہر ہے کہ یہ کسی مخصوص شخص کے لیے نہیں لکھی گئی ہے بلکہ ایک اعلان عام ہے۔ اس تحریر سے مرزا غالب کا مقصد اپنی

کیفیت اور زہوں حالی لوگوں تک پہنچانی تھی اور یہ واضح کرنا تھا کہ وہ نہ اب اصلاح دینے کے قابل رہے ہیں اور نہ جوابات ہی لکھ سکتے ہیں، اس لیے لوگ اس سلسلے میں ان کے شاکی نہ رہیں۔ 'اشرف الاخبار' اور 'اکمل الاخبار' کے حوالے سے انہوں نے جو کچھ کہا ہے اس سے ظاہر ہے کہ مرزا صاحب اپنی خرابی حالت کو اخبارات کے کالموں میں چھپوانا چاہتے ہیں۔

بہر حال یہ مرزا غالب کی آخری تحریر ہے جو صندر مرزا پوری کے ہاتھوں محفوظ رہ گئی ہے۔ اسے خط کہنا مناسب نہیں ہے۔

مرزا غالب کی آخری تحریر برائے اخراجات

دیگر از خویشم خبر نبود تکلف بر طرف
این قدر دائم کہ غالب نام یارے داشتم

ہجوم غم سے فراغ نہیں ، عبارت آرائی کا دماغ نہیں ۔
اگرچہ گوشہ نشین و خامنای خراب ہوں لیکن بہ حسب
رابطہ ازلی کثیر الاحباب ہوں ۔ اطراف و جوانب سے خطوط
آتے ہیں ۔ ادھر سے بھی ان کے جواب لکھے جاتے ہیں ۔
جو اشعار واسطے اصلاح کے آتے ہیں بعد اصلاح بھیج دیے
جاتے ہیں ۔

ان صاحبوں میں سے اکثر ایسے ہیں کہ نہ میں نے
انہیں ، نہ انہوں نے مجھے دیکھا ہے ۔ محبت ذلی و نسبت
روحانی سہی ، لیکن صاحبان بلاد دور دست کیا جانیں ، میرا
حال کیا ہے ۔ ہفتاد و یک سالہ عمر کی کتاب میں سے فصل
آخر کی حقیقت یہ ہے کہ دس ہندو برس سے ضعف سامعہ اور
قلت اشتہا میں مبتلا ہوا اور یہ دونوں علتیں روز افزوں
رہیں ۔ حسن حافظہ کا بطلان علاوہ ۔ جوں جوں عمر بڑھتی
گئی یہ امراض بھی بڑھتے گئے ۔ قصہ مختصر اب سامعہ کا

حال یہ ہے کہ ایک تختہ کاغذ کا مع دوات قلم سامنے دھرا رہتا ہے۔ جو دوست آتے ہیں پرسش مزاج کے سوا اور کچھ کہنا ہوتا ہے وہ لکھ دیتے ہیں۔ میں ان کی تحریر کا جواب زبانی دیتا ہوں۔ غذا کی حقیقت یہ ہے کہ صبح کو آٹھ دس ہادام کا شیرہ، دوپہر کو سیر بھر گوشت کا پٹائی، دو کھڑی دن رہے دو یا تین تلے ہوئے کباب۔ نسیان حد سے گزر گیا۔ رعشہ، دوران و ضعف بصر، یہ بارانِ نو آمدہ سے ہیں۔ میر تقی مرحوم کا مطلع ورد زبان ہے۔

مشہور ہیں عالم میں، مگر ہوں بھی کہیں ہم
القصہ نہ درپے ہو ہمارے کہ نہیں ہم

خط بکس میں یا کتاب میں رکھ دیتا ہوں اور بھول جاتا ہوں۔ آگے لیٹے لیٹے خط لکھتا تھا، اب رعشہ یوں بھی نہیں لکھنے دیتا۔

صاحب 'اکمل الاخبار' اور صاحب 'اشرف الاخبار' نے جو ہمیشہ مجھ سے ملتے جلتے رہتے ہیں اور میرا حال جانتے ہیں از روئے مشاہدہ میرے کلام کی تصدیق کر کے اسی اعتذار کو اپنے اخبار میں چھاپا ہے۔ کل دیگر صاحبان مطبع اور راہان اخبار اگر اسی عبارت کو اپنے اخبار کے اوراق میں درج کریں گے تو فقیر ان کا احسان مند ہوگا۔ اس نگارش کی شہرت سے مقصود یہ ہے کہ میرے احباب میرے حال سے اطلاع پائیں۔ اگر خط کا جواب یا اصلاحی غزل دیر میں پہنچے تو تقاضا اور اگر نہ پہنچے تو شکایت نہ فرمائیں۔ میں دوستوں کی خلعت گزاری میں کبھی قاصر نہیں رہا اور خوشی خوشنودی سے کام کرتا رہا۔ جب بالکل نکلا ہو گیا، نہ حواس باقی،

نہ طاقت ، پھر اب کیا کہوں - بہ قول خواجہ وزیر : ع
میں وفا کرتا ہوں لیکن دل وفا کرتا نہیں

اگر کسی صاحب کو میری طرف سے کچھ رنج و ملال
ہو تو خالصتاً اللہ معاف فرمائیں گے - اگر جوان ہوتا تو
احباب سے دعائے صحت کا طلب گار ہوتا ، اب جو بوڑھا ہوں
تو دعائے مغفرت کا خواہاں ہوں -

غالب